بہار/گرما ۱۹۹۵

آج

ترتیب: اجمل کمال

نیر مسعود	ذی شان ساحل	حسن منظر	افضال احمد سید
محمد انور خالد	افتخار جالب	سعید الدین	ثروت زہرا
آصف فرخی	انور خاں	نکہت حسن	امیتاو گھوش
	ایوان کلیسا	فہمیدہ ریاض	اُدے پرکاش
	گریس اوگوٹ	جوناتھن ٹرائسٹل	برنارڈ مالامڈ

آج کی کتابیں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

آج

شمارہ ۱۹: بہار/گرما ۱۹۹۵

اپریل - ستمبر ۱۹۹۵

مینیجنگ ایڈیٹر

زینت حسام

اہتمام

آج کی کتابیں

بی ۱۴۰، سیکٹر ۱۱ بی، نارتھ کراچی ٹاؤن شپ، کراچی ۷۵۸۵۰

طباعت

ایجوکیشنل پریس

پاکستان چوک، کراچی

رابطے کے لیے پتا:

اے ۱۶، سفاری ہائٹس، بلاک ۱۵، گلستانِ جوہر، کراچی ۷۵۲۹۰

فون: ۸۱۱۳۴۷۴

بیرونِ ملک خریداری کے لیے پتا:

محمد عمر میمن

۵۲۱۷، ریجنٹ اسٹریٹ، میڈیسن، وسکانسن ۵۳۷۰۵، یو ایس اے

ترتیب

نیر مسعود

۹

طاؤس چمن کی مینا

ذی شان ساحل

۳۶

توہین   فائرنگ   سرخ بیڈ سپریڈ والی لڑکی   ایک آدمی   ہنسی
مختلف لوگوں کے لیے نظم   گھنٹی کا مسئلہ   لاش   چڑیاں
شہری سہولتیں   قطب الدین واپس آتا ہے   ل
ہلکی اور بھاری چیزیں   شہر

حسن منظر

۷۰

ایک اور آدمی

افضال احمد سید

۷۷

ایک افتتاحی تقریب   شہر میں بہار لوٹ آئے گی
ہمیں بہت سارے پھول چاہییں
ہمارے لیے   ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا   کھیل
افتتاحی تختی چوری ہو گئی ہے   ہدایات کے مطابق
خداوند خدا کی روح   ایک لڑکی

محمد انور خالد

۸۶

نظمیں

افتخار جالب

۹۱

زیست کا کوڑا ملبہ

سعیدالدین

۹۳

نظم بُل ڈوزر تفتیش خانہ جنگی
اُس کے پاؤں بہت خوب صورت ہیں
پاگل

ثروت زہرا

۹۹

بنت ورثہ ہوائیں حاملہ ہیں
صداؤں کا سمندر ڈرو نہیں

آصف فرخی

۱۰۵

شہر بدری

انور خاں

۱۱۱

بسر ہو سکے تو بسر کیجیے

نکہت حسن

۱۲۰

جاگنگ پارک

اپتاو گھوش

۱۳۱

مسز گاندھی کی بدروحیں

ایوان کلیسا

۱۳۷

آزادی اور کوڑا کرکٹ

فہمیدہ ریاض

۱۵۳

کیا گلابی کبوتر جیت گئے؟

اُدے پرکاش

۱۶۹

تبت

دُنا سب سے اچھے دن نظم

سنو کاریگر صراحی پیتا عمارت ڈاکیا

سرکار مالک، آپ ناحق ناراض ہیں کیم سیکچڑی

سور کے بارے میں کچھ کوتائیں

گریس اوگوٹ

۲۱۰

جگر خور

جوناتھن ٹرائکل

۲۲۲

استانی، استانی اور استانی

انتخاب

برنارڈ مالامڈ

۲۳۱

جینے کا مول

۲۴۰

میری موت

۲۳۸
اُدھار

۲۵۵
زندگی غنیمت ہے

۲۶۴
پہلے سات برس

۲۷۵
رشتہ ساز

۲۹۴
نوکرانی کے جوتے

۳۰۵
ماتم گسار

۳۱۳
دراز میں بند آدمی

آج

خزاں ۱۹۹۵

خصوصی شمارہ:

کراچی کی کہانی

دسمبر ۱۹۹۵ میں شائع ہوگا

Scanned with CamScanner

نیر مسعود

طاؤس چمن کی مینا

۱

روز کا معمول تھا۔ میں باہر سے آتا، دروازہ کھٹکھٹاتا۔ دوسری طرف سے جعفراتی کی اماں کے کھانسنے کھنکھارنے کی آواز قریب آنے لگتی، لیکن اس سے پہلے ہی دوڑتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدموں کی آہٹ دروازے پر آ کر رُکتی۔ اِدھر سے میں آواز لگاتا:

"دروازہ کھولو۔ کالے کالے خاں آئے ہیں۔"

دروازے کے پیچھے سے کھلکھلانے کی دبی دبی آواز آتی اور قدموں کی آہٹ دور بھاگ جاتی۔ کچھ دیر بعد جعفراتی کی اماں آ پہنچتیں، دروازہ کھلتا اور میں گھر میں ہر طرف کچھ ڈھونڈھتا ہوا سا داخل ہوتا۔ ایک ایک کونے کو دیکھتا اور آواز لگاتا:

"ارے بھئی، کالے خاں کی گوری گوری بیٹی کہاں ہے؟"

کبھی پکارتا:

"یہاں کوئی فلک آرا شہزادی رہتی ہے؟"

اور کبھی کامنی کی شاخوں کو ہلا کر کہتا:

"ہماری پہاڑی مینا کسی نے دیکھی ہے؟"

ساتھ ساتھ کنکھیوں سے دیکھتا جاتا کہ ننھی فلک آرا ایک کونے سے بھاگ کر دوسرے کونے میں چھپ رہی ہے اور رہ رہ کر ہنس پڑتی ہے۔ لیکن میں اندھا بہرا بنا اُسے وہاں ڈھونڈھتا جہاں وہ نہیں ہوتی تھی۔ آخر مجھے اپنے پیچھے اس کے کھلکھلانے کر ہنسنے کی آواز سنائی دیتی۔ میں چیخ مار کر اُچھل پڑتا، پھر گھوم کر اُسے گود میں اٹھا لیتا اور وہ واقعی پہاڑی مینا کی طرح چہکنا شروع کر دیتی۔

Scanned with CamScanner

[illegible] کا بھی معمول تھا، [illegible] دن سے شروع [illegible] شاہی جانوروں کے [illegible] کی کوشش سے
[illegible] سے [illegible] میں درست [illegible]۔ [illegible] سے پہلے میں کوٹھی کے کنارے [illegible] کے
[illegible] سے [illegible] کر لیا [illegible] اونچے [illegible] کے پیچھے گھومتے ہوئے [illegible]
[illegible] پہاڑ [illegible] آتے [illegible] اسی وقت بھی میرا
[illegible] معمول تھا، [illegible] سے شروع [illegible] میری بیوی [illegible] کی طرف [illegible]
[illegible] سے پہلے [illegible] روشنیوں کا انتظام [illegible]
[illegible] ہو جاتی تھی۔ [illegible] میں گھر کی چابی [illegible]
[illegible] ہوئے تھے [illegible] خوب پڑھایا تھا۔
[illegible] کہا تھا [illegible] بالکل
[illegible]
کے لیے پہاڑی دنیا سے آؤں گا۔

[illegible] کے سینے میں [illegible] دن وہ چل بسی۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] رہتیں، روٹی بھی پکا دیتی تھیں اور میں دو
[illegible]

[illegible]
[illegible] ہوئی اور [illegible]
[illegible] چلانے لگا۔ مجھ صرف [illegible]
[illegible] مشکل ہو [illegible]
[illegible]

[illegible] کے پاس
[illegible] کچھ ایسی دل سوزی سے میرا حال دریافت کیا کہ میں نے
[illegible] کی بات [illegible]
[illegible] کسی
زندان کی دیواروں سے سر ٹکراتے [illegible] ٹھیک [illegible]
دیکھے گا۔

"دیکھو کالے خاں، ابھی سویر ہے،" داروغہ نے کہا، "کہیں نوکری چاکری کر لو اور قرض چکانے کی فکر شروع کر دو، نہیں تو..."

"داروغہ صاحب، مگر نوکری کہاں کروں؟"

"کیوں؟" انھوں نے کہا، "ایک تو حسین آباد مبارک ہی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ وہاں مل سکتی ہے۔"

"لیکن داروغہ صاحب، علی خاں سے کس طرح آنکھیں چار کروں گا۔ انھوں نے کتنی بار آدمی بلانے بھیجا، میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اب کیا منہ لے کر ان سے نوکری مانگوں۔"

"اچھا، ہاتھوں میں کام کر لو گے؟"

"کروں گا،" میں نے کہا، "گھاس کھودنے کا کام ہو گا وہ بھی کر لوں گا۔"

"بس، تو چلو میرے ساتھ، بھئی،" انھوں نے کہا، "ایک سائیسی خالی ہے۔"

داروغہ اسی وقت مجھے بادشاہ منزل کے دفتروں میں لے گئے۔ کسی جگہ میرا نام اور حلیہ وغیرہ درج کیا گیا۔ سائیسی کی جگہ داروغہ نے اپنا نام لکھوایا۔ پھر ہم کسی دروازے پر پہنچے۔ یہاں سرکاری محلے کے آدمیوں، سپاہیوں وغیرہ کا ہجوم تھا۔ داروغہ نے کئی لوگوں سے صاحب سلامت کی، پھر مجھ سے کہا:

"یہیں کھڑے رہو۔ ابھی نام پکارا جائے گا۔" اور دروازے پر جھولتا ہوا عنابی بانات کا پردہ اٹھا کر اندر چلے گئے۔

میں کبھی دروازے کی صنعتوں کو دیکھتا اور حیران ہوتا رہا۔ آخر دفتروں سے میرے کاغذات بن کر آ گئے اور میرا نام پکارا گیا۔ ایک خواجہ سرا نے مجھ سے کئی سوال کیے، میرے جوابوں کو کاغذات سے ملایا، پھر عنابی پردے کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

"طاؤس چمن میں چلے جاؤ۔"

اب میں پردے کے دوسری طرف کھڑا تھا۔ اس وقت کی گھبراہٹ میں وہاں کی بہار کیا دیکھتا، بس روشوں پر مور ناچتے گھومتے نظر آئے تو سمجھا یہی طاؤس چمن ہے۔ لیکن داروغہ یہیں کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ مجھ میں یہ نہ آتا تھا کہ کدھر کا رخ کروں۔ ہر طرف سناٹا سناٹا سا تھا۔ درختوں پر اور بارہ دری کی شکل کے بڑے بڑے پنجروں میں پرندے سنسناتے تھے۔ فاختہ اور شاما کی آوازیں رہ رہ کر آ رہی تھیں۔ کبھی کبھی دور سے موروں کی طرف کوئی ہاتھی چنگھاڑ دیتا تھا، بس۔ میں پریشان کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ دور پر سبز رنگ کے بہت بڑے بڑے مور کھڑے نظر آئے۔ ذرا غور سے دیکھا تو پتا چلا درخت ہیں جنھیں موروں کی صورت میں چھانٹا گیا ہے۔

طاؤس چمن، میں نے دل میں کہا اور بھٹکتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ چمن کے پھاٹک پر بھی چاندی کے پتروں سے مور بنائے گئے تھے۔ اور داروغہ کسی سوئی سنگ مرمر کے ستونوں کے پاس کھڑے تھے۔

"چلے آؤ میاں کالے خاں،" انھوں نے مجھے پھاٹک کے باہر رکا ہوا دیکھ کر آواز دی اور میں ان کے پاس چلا گیا۔ چمن کے بیچوں بیچ میں کچھ مستری ایک نیچا سا چبوترا بنا رہے تھے۔ داروغہ نے مجھے کچھ

مد بھیں دیں، پھر میرا ہاتھ پکڑ کر چمن کا ایک چکر لگایا۔ میں ان درختوں کی چھنٹائی دیکھ کر حیران تھا۔ موروں کی ایسی پکی شکلیں بنی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا درختوں کو پگھلا کر کسی سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے۔ تھوڑی کلغیاں اور چونچیں تک صاف نظر آ رہی تھیں۔ سب سے کمال کا وہ مور بنایا تھا جو گردن پیچھے کی طرف موڑ کر اپنے پروں کو کرید رہا تھا۔ ہر مور پاس پاس لگے ہوئے پتلے تنوں والے دو درختوں کو ملا کر بنایا گیا تھا۔ یہی تنے مور کے پیروں کا کام کرتے تھے، اور ان کی کچھ جڑیں اس طرح زمین پر ابھری ہوئی چھوڑ دی گئی تھیں کہ بالکل مور کے پنجے بن گئے تھے۔ داروغہ نے بتایا کہ روز مدھیہ سے مددگار مالی سیڑھیاں لا کر اور پاڑ باندھ کر ایک ایک درخت کی چھنٹائی کرتے ہیں۔ میں نے تعریفوں پر تعریفیں شروع کیں تو داروغہ ہنسنے لگے۔

"تم تھیلے پیڑوں ہی کو دیکھ کر عش عش کر رہے ہو،" انھوں نے کہا، "ابھی میرے توتوں کی بیلیں دیکھی ہی نہیں۔ یہ بیلیں چڑھ کے پھولیں گی تب پروں کے رنگ دیکھنا۔"

اس کے بعد وہ مجھے قریب سے ایک اور چمن میں لے گئے جس کے سب درخت شیر کی شکل کے تھے۔

"یہ شیر چمن ہے،" انھوں نے بتایا، "بادشاہ سلامت نے اس چمن کے درختوں کے بھی نام رکھے ہیں۔"

پھر وہ مجھے طاؤس چمن میں واپس لے آئے۔

"تمھارا کام طاؤس چمن کو آئینے کی طرح رکھنا ہے،" انھوں نے کہا اور ادھورے چبوترے کی طرف اشارہ کیا، "اس کی تیاری کے بعد کام کچھ بڑھے گا، لیکن پھر بھی آدھے دن سے زیادہ کا نہ ہوگا۔ تمھاری باری ایک ہفتہ صبح سے دوپہر، ایک ہفتہ دوپہر سے شام تک۔"

انھوں نے میرے کاموں کی کچھ تفصیل بتائی۔ آخر میں کہا:

"آج سے تم سلطان عالم کے ملازم ہوئے۔ اللہ مبارک کرے۔ بس اب گھر جاؤ۔ کل سے آنا شروع کر دو، اور یہ واہی تباہی پھرنا چھوڑ دو۔"

میں ان کو دعائیں دینے لگا۔

"ایسی باتیں کرتے ہو،" انھوں نے کہا اور مستریوں کو ہدایتیں دینے لگے۔

۳

نوکری لگنے کے بعد اس دن پہلی بار میں نے بیٹی فلک آرا کو غور سے دیکھا۔ اس نے بالکل ماں کا نک سک روپ پایا تھا۔ یقین کرنا مشکل تھا کہ یہ میری ہی بیٹی ہے۔ [illegible] جیسے لوگ شہیدوں سے منتوں کا ولی سمجھ لیتے ہیں۔ مجھے فلک آرا پر ترس آیا اور خود پر غصہ بھی کہ ماں سے بچھڑ کر یہ بچی کئی دن تک باپ کی محبت کو بھی ترستی رہی۔ مگر حیرت، دو ہی تین دن میں وہ مجھ سے ایسا ہل

Scanned with CamScanner

کی نہ بھی اس سے بھی بہل ہی گئی، اور میں بھی اس کو کسی دن بازار کی سیر کرا دینے کے وعدے پر اسے سیدھا گھر آتا تو وہ دروازے کے پیچھے اس کے دوڑتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدموں کی آہٹ کا انتظار کرتا تھا۔

میں اس کے لیے بازار سے کچھ نہیں لاتا تھا۔ تنخواہ داروغہ حسین آباد سے زیادہ ملتی تھی لیکن وصول وہ بھی تنخواہ کی کٹ جاتی تھی کہ بس دال روٹی ہی کا خرچ نکل پاتا تھا۔ خود اس نے بھی فرمائشیں نہیں سیکھی تھیں۔ لیکن ایک دن مجھ سے باتیں کرتے کرتے اچانک وہ بولی:

"ابا، ہمیں پہاڑی مینا لا دو۔"

میں چپ ہو گیا۔ اس کی ماں کے مرنے کے بعد میں نے قسم سی کھا لی تھی کہ اب گھر میں کوئی پرندہ نہیں پالوں گا، پھر بھی جب میں نے دیکھا کہ وہ بہت امید بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہی ہے تو میں نے کہا:

"ہم بیٹی کو پہاڑی مینا لا کر دیں گے، پہاڑی مینا کے بال اکھاڑ دیں گے۔"

اس دن سے وہ روز پہاڑی مینا کا تقاضا کرنے لگی۔ ایک دن میں نے چڑیا بازار کا ایک پھیرا بھی کیا۔ پہاڑی مینا کے دام میری سمجھ سے زیادہ تھے، اتنے زیادہ بھی نہیں کہ میں اسے نہ لے سکتا، لیکن جتنی تنخواہ اس وقت ہو گئی تھی اس میں نہیں لے سکتا تھا۔ میں چڑیوں سے دور ہٹ کر دکانوں سے قریب چلا گیا۔ گاہکوں کی بھیڑ تھی اور ان میں باتیں ہو رہی تھیں۔ اس دن پہلی بار میں نے حضور عالم کے بنوائے قفس کا ذکر سنا۔ لوگوں کی باتوں سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کو نذر کرنے کے لیے بہت دن سے ایک بڑا پنجرہ بنوا رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ لکھنؤ میں ہر طرف اسی کا چرچا ہے۔ چڑیا بازار کے ان گاہکوں میں سے کسی نے اسے دیکھنے کا دعویٰ کیا اور یہ بھی کہا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا اتنا بڑا پنجرہ قیصر باغ میں پہنچایا کس طرح جائے گا۔ اس پر ایک پرانے بڈھے نے کہا:

"میاں یہ امیروں کے معاملے ہیں۔ یہ چاہیں تو سلطنت کی سلطنت ادھر سے ادھر پہنچا دیں۔ آپ کیا پنجرے کے پیچھے ہلکان ہو رہے ہیں۔"

سب لوگ ہنسنے لگے۔ پنجرہ دیکھنے کا ایک دعوے دار بولا:

"ارے میاں، آپ کس پنجرے کی بات کر رہے ہیں، پنجری؟ جی کر آپ نے اس کی اونچائی۔۔۔ نہیں سوچی؟ رومی دروازے سے زیادہ؟"

"رومی دروازہ تو خیر، لیکن حسین آباد کے پھاٹکوں سے کم نہ ہوگی۔"

"تو؟" بڑے میاں بولے، "پھر اسے تو وہ ہاتھوں ہاتھ کی چٹکیوں میں لٹکا کر رومی دروازے سے لوا دیں۔۔۔"

قہقہے لگنے لگے اور میں وہاں سے گھر چلا گیا۔

* * *

دوسرے ہی دن میں نے طاؤس چمن میں کئی مصوروں کو ... قفس کا ذکر سنا۔ چبوترہ تیار ہو گیا تھا۔ چمن کی ہریالی میں اس کی چکنی سنگین سفیدی آنکھوں کو بھلی سی لگتی تھی اور چبھتی سی بھی۔ داروغہ بخش سے معلوم ہوا کہ قفس اسی چبوترے پر رکھا جائے گا۔

"مگر داروغہ صاحب،" میں نے پوچھا، "اتنا بڑا قفس یہاں تک پہنچے گا کس طرح؟"

"ٹکڑوں ٹکڑوں میں آ رہا ہے،" داروغہ نے بتایا، "یہیں جوڑا جائے گا۔ مصورِ عالم کے آدمی آئے ہوئے ہیں۔ جب یہاں اس کا نصب ہو گا، رات بھر کام کریں گے، کل قفس میں جانور چھوڑے جائیں گے۔۔۔"

"جانور چھوڑے ہی جائیں گے یا بند کیے جائیں گے؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔ ان باتوں کو چھوڑو، مطلب کی سمجھو۔ حضورِ عالم تو جب آئیں گے تب، سنا ہے حضرت سلطانِ عالم بھی تشریف لائیں گے۔ کل سے تمھارا اصل کام شروع ہو گا۔ تمھیں پورا قفس اور اس کے جانوروں کی نگہداشت کرنی ہے۔ کیا سمجھے؟ اور کل سے چبوترے کا پہرہ۔ تمھیں جاگتے رہنا پڑے گا۔"

اسی وقت ایک ملازم طاؤس چمن میں داخل ہوا۔ اس نے داروغہ کے پاس جا کر چپکے چپکے کچھ باتیں کیں۔ داروغہ نے جواب میں کہا:

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمارا کام پورا ہو گیا ہے۔" انھوں نے چبوترے کی طرف اشارہ کیا، پھر مجھ سے کہا، "چلو بھائی۔ قفس کے لیے چمن چھوڑ دو۔"

* * *

دوسرے دن میں وقت سے بہت پہلے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ ابھی فلک آرا سو رہی تھی لیکن چلتے چلتے یاد دلایا:

"ابا، ہماری پیاری مینا۔۔۔"

"ہاں بیٹی، بالکل لائیں گے۔"

"آپ روز یونہی جاتے ہیں،" اس نے خفا ہو کر کہا اور میں دروازے سے باہر آ گیا۔

کچھ دور جانے کے بعد میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ دروازے کا ایک پٹ پکڑے مجھ کو دیکھ رہی تھی، بالکل اسی طرح جیسے اس کی ماں مجھے جاتے دیکھا کرتی تھی۔

قیصر باغ کے پاس سے ہوتا ہوا میں قیصر باغ کے شاہی پھاٹک پر پہنچا، وہاں سے بغلی دروازے میں داخل ہو کر سیدھا طاؤس چمن پہنچا۔ آج وہاں بڑی چہل پہل تھی۔ چمن کے باہر سپاہیوں کا پہرا تھا اور داروغہ بخش ان سے باتیں کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی بولے:

Scanned with CamScanner

"آؤ بھئی کالے خاں، دیکھا میں نے کہا تھا نا؟ حضرت سلطانِ عالم تشریف لا رہے ہیں۔ تم نے اچھا کیا جو آج سویرے سے آ گئے۔ میں آدمی دوڑایا ہی چاہتا تھا۔"

پھر وہ مجھے لے کر طاؤس چمن میں داخل ہوئے۔ سامنے کے چبوترے پر حضورِ عالم کا بہادری قفس نظر آ رہا تھا۔ میں سمجھتا تھا یہ قفس کوئی بڑا سا، خوب صورت پنجرہ ہوگا بس۔ مگر اسے دیکھ کر میری تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ قفس کیا تھا ایک عمارت تھی۔ اس کا ڈھانچہ کوئی چار چار انگل چوڑی پٹریوں سے تیار کیا گیا تھا۔ پٹریاں ایک رخ سے لال، دوسرے رخ سے سبز تھیں۔ معلوم نہیں لکڑی کی تھیں یا لوہے کی، لیکن ان پر روغن ایسا کیا گیا تھا کہ لعل اور زمرد کا دھوکا ہوتا تھا۔ جس دیوار کی پٹریاں باہر لال، اندر سبز تھیں اس کے مقابل والی دیوار کی پٹریاں باہر سبز، اندر لال رنگی ہوئی تھیں۔ اس طرح ایک طرف سے دیکھنے پر پورا قفس لال نظر آتا تھا، دوسری طرف سے جا کر دیکھو تو سبز۔ پٹریوں کے بیچ کی جگہوں میں پھولوں اور پرندوں کی شکلیں بناتی ہوئی روپہلی تیلیاں اور تیلیوں کی بیچ کی جگہوں میں سنہرے تاروں کی نازک جالیاں تھیں۔ ہر طرف چھوٹے دروازے اور کھڑکیاں بنائی گئی تھیں۔ اصل دروازہ قدِ آدم سے اونچا تھا اور اس کی پیشانی پر دو جل پریاں شاہی تاج کو تھامے ہوئے تھیں۔ چھت کے چاروں کونوں پر روپہلی برجیاں اور بیچ میں بڑا سا سنہرا گنبد تھا۔ گنبد کے کلس پر بہت بڑا چاند تھا۔ برجیوں کی کلسیاں ٹکے اور بٹھائے ہوئے ستاروں سے بنائی گئی تھیں۔

قفس کے بڑے دروازے سے کچھ ہٹ کر دس دس کی چار قطاروں میں چھوٹے چھوٹے گول پنجرے رکھے ہوئے تھے اور ہر پنجرے میں ایک پہاڑی مینا تھی۔ داروغہ نے کہا:

"انھیں اچھی طرح دیکھ لو کالے خاں۔ اصیل پہاڑی مینائیں ہیں، مینائیں نہیں سونے کی چڑیاں ہیں، بادشاہ نے خاص اس قفس کے لیے منگوائی ہیں۔ انھیں شہزادیاں سمجھو۔"

پنجروں کے سامنے صندل کی ایک اونچی نازک سی میز تھی جس پر ہاتھی دانت سے پھول پتیاں اور طرح طرح کی چڑیاں بنی ہوئی تھیں۔

"اب ادھر دیکھو،" داروغہ نے میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "اس پر ایک ایک پنجرہ رکھا جائے گا۔ حضرت ملاحظہ فرماتے جائیں گے۔ تم یہاں دروازے کے پاس کھڑے ہو گے۔ حضرت کے ملاحظے کے بعد ہر پنجرہ ان خواص کے ہاتھ ہوتا ہوا تمہارے پاس آئے گا۔ تمہارا کام جانور کو پنجرے سے نکال کر قفس میں ڈالنا ہوگا۔ بہت پھرتی کا کام ہے۔ ذرا ڈھیلے پڑے اور چڑیا پھرر۔۔۔"

"فکر نہ کیجیے استاد،" میں نے کہا، "ہزار چڑیاں اس پنجرے سے اس پنجرے میں کر دوں، مجال ہے جو ہاتھ بہک جائے۔"

"سچ کہتے ہو بھائی،" داروغہ بولے، "پھر بھی، حضرت کا سامنا ہوگا، ذرا اوسان ٹھکانے رکھنا۔"

اس کے بعد وہ باہر چلے گئے اور میں پھر قفس کو دیکھنے لگا۔ اندر سے وہ ایک چھوٹا سا شیش باغ ہو رہا تھا۔ فرش پر سنگِ سرخ کی بجری بچھی ہوئی تھی۔ بیچ میں پانی سے بھرا ہوا حوض جس میں چھوٹی چھوٹی

سنہری کشتیاں تیر رہی تھیں اور ان کشتیوں میں بھی تھوڑا تھوڑا پانی تھا۔ فرش پر لال سرخ چینی کی بجری بچھی ناندوں میں پتلی پتلی شاخوں والے چھوٹے قد کے درخت تھے۔ دیواروں سے ملی ملی سمت باقی، فرش کا تنا، جھوی اور کچھ ولایتی پھولوں کی بیلیں تھیں۔ ان میں شاخوں سے زیادہ پھول تھے اور انھیں اس طرح چھانٹا گیا تھا کہ قفس کی سلاخیں ان میں چھپ جانے کے بجائے اور ابھر آئی تھیں۔ جگہ جگہ ستاروں کی وضع کے آئینے جڑے تھے جن کی وجہ سے قفس میں جدھر دیکھو پھول ہی پھول نظر آتے تھے۔ پانی کے کٹورے، دانے کی کٹوریاں، ناندیاں، چھوٹے چھوٹے جھولے، گھومنے والے ڈنڈے، چٹکے پٹکے پھل اور آشیانے ہر طرف تھے اور انھیں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ جگہ پرندوں کے لیے ہے۔

موچلی سی نئی اور بہار قفس بہت کھلی ہوئی تھی اور میں سخت متحیر رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ ملازموں میں یکایک خاموشی پھیل گئی ہے اور میں چونک پڑا۔ میں نے دیکھا بادشاہ۔ حضور عالم اور اپنے خاص خاص مصاحبوں کے ساتھ ملازموں کی بھیڑ میں داخل ہو رہے ہیں۔ سب سے پیچھے داروغہ تھے، مرشد جیسے بڑے، ہاتھ باندھے، سر جھکائے چل رہے تھے۔ قفس کی سیڑھی کے پاس آ کر بادشاہ رکے اور دیر تک قفس کو دیکھتے رہے۔

"واہ!" انھوں نے کہا، پھر داروغہ کو دیکھ کر، "حضور عالم، یہ ہمارے ہی یہاں کا کام ہے؟"

"ہاں پیر و مرشد" حضور عالم سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے بولے "ایک ایک تار لکھنؤ کے کاریگروں کا موڑا ہوا ہے۔"

"انھیں کچھ اوپر سے بھی دیا؟"

"سلطان عالم کے تصدق میں ایک ایک کو سات سات پشتیں کھائیں گی"

"جہاں پناہ بادشاہ ہوئے تو کچھ بڑھا کر ہم سے بھی دلوا دیجیے۔"

حضور عالم اور زیادہ خاموش ہو گئے۔ میں بادشاہ کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ سب آنکھیں جھکائے، ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ کچھ دیر بعد مجھے بادشاہ کی آواز سنائی دی:

"لاؤ بھئی بی بخش۔"

میں نے داروغہ کی طرف دیکھا۔ انھوں نے سر اور ابروؤں کو بہت خفیف سی جنبش دے کر مجھے حکم دینے کا اشارہ کیا۔ میں نے پیچھے سے کسی ملازم سے پنجرا لے کر داروغہ کو دیا۔ داروغہ نے اسے دونوں ہاتھوں میں سنبھالا اور دو قدم آگے بڑھ کر شیشے کے اس پنجرے کو بہت احتیاط سے میز پر رکھ دیا اور پیچھے ہٹ گئے۔ بادشاہ نے پنجرا ہاتھ میں اٹھا لیا۔ مینا پنجرے میں ادھر سے ادھر پھدک رہی تھی۔ بادشاہ نے ہنس کر کہا:

"زرا قرار تو لو، چنچل بیگم!" اور پنجرا واپس میز پر رکھ دیا۔

ایک ملازم نے آگے بڑھ کر داروغہ کے سامنے سے پنجرا اٹھا کر دوسرے کو دیا، دوسرے نے تیسرے کو، اور آخر میں مجھ تک پنجرا میرے پاس آیا۔ میں سیدھے قفس کے دروازے کی جھری کے قریب گیا اور بڑی پھرتی کے ساتھ چنچل بیگم کو نکال کر قفس میں ڈال دیا۔ ایک ملازم نے خالی پنجرا میرے ہاتھ سے لے لیا۔ اتنی دیر میں

Scanned with CamScanner

میز پر دوسرا پنجرا آ گیا تھا۔ بادشاہ نے اسے بھی ہاتھ میں اٹھایا۔ اس کی مینا اڈے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ بادشاہ نے اسے ہلکی سی چمکاری دی تو اس نے اور زیادہ سر جھکا لیا۔ بادشاہ نے کہا:

"اے بی، صورت تو دکھانے دو۔" پھر پنجرا میز پر رکھ کر بولے، "یہ حیادار دُلھن ہیں۔"

پھر یہ پنجرا میرے پاس آیا اور میں نے حیادار دُلھن کو بھی قفس میں پہنچا دیا۔ اسی طرح ایک کے بعد ایک مینائیں بادشاہ کے پاس آتی رہیں اور وہ اُن کے نام رکھتے رہے۔ کسی کا نام نازک قدم رکھا، کسی کا آہو چشم، کسی کا بہروگن۔ ایک پنجرا جیسے ہی بادشاہ کے ہاتھ میں آیا اُس کی مینا نے پر پھڑپھڑا کر چیخنا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے اس کا نام رعد پری رکھا۔ دیر تک پنجرے میرے ہاتھ میں آتے اور میناؤں کے نام میرے کان میں پڑتے رہے۔ بادشاہ کی موجودگی سے شروع شروع میں مجھے جو گھبراہٹ ہو رہی تھی وہ سب کچھ کم ہو گئی تھی اور میں ہر مینا کو قفس میں ڈالنے سے پہلے ایک نظر دیکھ بھی لیتا تھا۔ مجھ کو سب مینائیں ایک سی معلوم ہو رہی تھیں، لیکن بادشاہ کو ہر ایک میں کوئی نہ کوئی بات سب سے الگ نظر آتی اور وہ اُسی کے لحاظ سے اس کا نام رکھتے تھے۔ بائیس تئیس پنجروں کے بعد اچانک میں نے بادشاہ کی آواز سنی:

"فلک آرا۔"

اور ایک پنجرا میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میں نے دل ہی دل میں دُہرایا، فلک آرا، اور اس مینا کو غور سے دیکھا۔ وہ بھی دوسری میناؤں کی طرح تھی، میری سمجھ میں نہیں آیا کہ بادشاہ نے اس کا نام فلک آرا کیوں رکھا ہے۔ مینا کو دیکھ کر انھوں نے جو کچھ کہا ہوگا وہ میں سن نہیں پایا تھا۔ میں نے فلک آرا کو اور غور سے دیکھا۔ وہ گردن اٹھائے پنجرے میں بیٹھی تھی۔ اُس نے بھی مجھ کو دیکھا اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں پہلی سی فلک آرا کو دیکھ رہا ہوں۔ اس میں مجھے کچھ دیر لگ گئی اور ابھی پنجرا میرے ہاتھ میں اور چڑیا پنجرے ہی میں تھی کہ میں نے دیکھا کہ اگلا پنجرا میری طرف آ رہا ہے۔ میں نے بوکھلا کر فلک آرا کو ایسے بے ڈھنگے پن سے قفس میں ڈالا کہ وہ میرے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچی۔ خیریت گذری کہ کسی نے دیکھا نہیں اور فلک آرا قفس میں پہنچ کر ایک جھولے پر بیٹھ گئی۔

اس کے بعد سولہ سترہ پنجرے اور آئے۔ ہر مینا کو قفس میں ڈالنے سے پہلے میں ایک نظر فلک آرا پر ضرور ڈال لیتا تھا۔ وہ اسی طرح جھولے پر بیٹھی ہوئی تھی اور مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس وقت مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اگرچہ میں اس میں اور دوسری میناؤں میں کوئی فرق نہیں بتا سکتا لیکن اسے سب میناؤں سے الگ پہچان سکتا ہوں۔

چالیسوں مینائیں قفس میں پہنچ چکی تھیں اور اِدھر سے اُدھر اُڑتی پھر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد فلک آرا نے بھی اپنے جھولے پر سے ہلکی سی اُڑان بھری اور قفس کے پوربی حصے میں ایک ٹہنی پر جا بیٹھی۔ بادشاہ دھیمی آواز میں داروغہ کو کچھ سمجھا رہے تھے کہ رمنوں کی طرف سے ایک شیر کی دہاڑ سنائی دی۔ بادشاہ نے بولتے بولتے رک کر پوچھا:

"یہ سوہنی کس پر بگڑ رہی ہیں نبی بخش؟"

داروغہ پہلے تو مسکرائے، پھر چپ کر کے آنکھیں مٹکاتے ہوئے بولے:

"غلام جان کی امان پاوے تو عرض کرے۔"

"بتاؤ بتاؤ۔"

"وہ سلطانِ عالم ہی پر گئی ہیں۔"

"ارے رے، ہم سے کیا کیا ہے بھی؟" بادشاہ نے پوچھا۔ پھر ان کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ "اچھا یہ ہم پر گئی ہے۔ آج ہم [illegible] جو پہنچے ہیں، یہی بات ہے نہ؟"

داروغہ پہلے دونوں ہاتھ جوڑ کر جھک گئے اور بولے:

"سلطانِ عالم سے زیادہ ان کی [illegible] کون سمجھے گا۔ اسی پر ناز کرتی ہیں۔ پھر بیماری سے اٹھی ہیں، [illegible] خستگی ہو رہی ہیں۔ غلام کی تو بات ہی نہیں سنتیں۔"

"بچ گئے ہو،" بادشاہ نے کہا، مصاحبوں کی طرف دیکھا، پھر حضورِ عالم کی طرف، پھر [illegible] کی طرف، اور بولے، "تو چلو بھئی، اس [illegible] ہیں۔"

سب لوگ ان کے پیچھے پیچھے داروغہ کی جگہ سے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر میں ملازموں نے دانے کی تھیلیاں اور پانی کے برتن لا کر قفس کے دروازے کے پاس رکھ دیے تھے۔ میں نے دروازہ [illegible] کھول کر قفس میں داخل ہوا۔ ایک چھوٹے دروازے سے ہاتھ بڑھا کر تھیلیاں اور برتن اٹھا لیے اور سب برتنوں میں دانہ پانی بھر دیا۔ مینائیں اڑتی ہوئی ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر بیٹھ رہی تھیں۔ سب اسی طرح ایک سی نظر آ رہی تھیں، لیکن فلک آرا کو میں نے پہچان لیا اور اس کے پاس کھڑا کچھ دیر اسے پچکارتا رہا۔

"[illegible] تمہیں فلک آرا کیوں کہا [illegible] پہلے سے بتایا۔"

قفس سے باہر نکل کر میں طاؤس چمن کی [illegible] جالی سے گھیر کر [illegible] چھتریاں [illegible] تھیں۔ ان میں طرح طرح کی [illegible] چڑیاں چہک رہی تھیں۔ [illegible] میں نے [illegible] کی چھوٹی چھوٹی حوضیوں پر پانی کے چھینٹے دیے اور پھر طاؤس چمن میں چلا آیا۔

داروغہ [illegible] سے وہیں آئے تھے، قفس کے پاس کھڑے شاید میرا ہی انتظار کر رہے تھے۔

"چلو بھائی، [illegible] ہوئی۔" انھوں نے کہا اور قفس کو چاروں طرف سے گھوم پھر کر دیکھنے لگے۔

"[illegible] کاریگر [illegible] ہے، داروغہ صاحب،" میں نے کہا۔

لیکن داروغہ قفس کی [illegible] دیکھنے میں محو تھے۔

[illegible] آنکھیں [illegible] بولے، "حضورِ عالم نے اسے دل لگا کر بنوایا ہے۔"

۳

طاؤس چمن میں میرا کام کچھ مشکل نہیں تھا۔ تھوڑے دنوں میں مجھ کو سارا کام کا ڈھب آ گیا۔ میں جلدی کام ختم کر لیتا اور جتنا وقت بچتا وہ قفس کی مرمت صفائی ستھرائی میں لگا دیتا تھا۔ مینائیں اب مجھ کو اچھی طرح پہچاننے لگی تھیں اور مجھے دیکھتے ہی دانے کے خالی برتنوں کے پاس بیٹھنا شروع کر دیتی تھیں۔ فلک مینا کو شاید اندازہ ہو گیا تھا کہ اس پر میری خاص توجہ ہے۔ وہ مجھ سے بہت ہل گئی تھی۔ مجھے قفس کے دروازے پر دیکھ کر قریب آتی اور سب میناؤں سے پہلے چہچہاتی تھی۔

ایک دن صبح سے معلوم نہیں کیا تھا کہ طاؤس چمن اور بغدادی قفس کی سیر کو کوئی نہیں آیا۔ میں نے اپنا سارا کام ختم کر لیا تھا اور اب قفس کو ذرا پیچھے ہٹ کر دیکھ رہا تھا۔ حوض میں تیرتی ہوئی دو کشتیاں آپس میں مل گئی تھیں اور دیکھنے میں اچھی نہیں معلوم ہو رہی تھیں۔ میں ایک بار پھر قفس میں داخل ہوا اور کشتیوں کو الگ الگ کر کے وہیں کھڑا رہا۔

چہچہاتی ہوئی مینائیں قفس بھر میں اڑتی پھر رہی تھیں۔ سب کے پوٹے بھرے ہوئے تھے اس لیے کسی کی توجہ میری طرف نہیں تھی۔ لیکن فلک مینا بار بار میرے قریب آتی، زور زور سے بولتی، پھر دور کسی اڈے پر بیٹھ جاتی، پھر وہاں سے اڑان بھر کر میری طرف آتی، بولتی اور دور ہٹ جاتی۔ بالکل اسی طرح میری اپنی فلک آرا بھی کسی دن مجھ سے کھیل کرتی تھی۔ مجھے یہ سوچ کر اس پر بڑا ترس آیا کہ روز میں جب واپس گھر پہنچتا ہوں تو وہ مجھ سے بچ کر چھپنے کے بجائے دروازے ہی پر ملتی ہے اور پوچھتی ہے، 'بابا، ہماری مینا لائے؟' اور میرے خالی ہاتھ دیکھ کر اداس ہو جاتی ہے۔ اس کا اترا ہوا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا۔ اچانک میرے دل میں بات آ گئی اور میں نے کچھ اور ہی سوچنا شروع کر دیا۔ قفس میں چالیس مینائیں اڑتی پھرتی ہیں۔ ان کی ٹھیک ٹھیک گنتی کرنا آسان نہیں۔ آسمان کیا، فلک ہی سہی، ستاروں کی شکل والے آئینے ایک ایک کو دس دس کر کے دکھاتے ہیں۔ یوں بھی چالیس اور انتالیس میں فرق ہی کون سا ہے؟ ایک مینا کم ہو جائے تو کسی کو پتا بھی نہ چلے گا۔ اسی وقت فلک مینا میرے قریب آ کر بولی اور میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے بہت آہستگی کے ساتھ پکڑ لیا۔ اس کے پروں کو سہلاتا ہوا میں قفس کے ایک گوشے میں آ گیا اور اڑتی ہوئی میناؤں کو گننے لگا۔ بار بار گننے پر بھی پتا نہیں چل پایا کہ مینائیں چالیس ہیں یا انتالیس۔ مجھے اطمینان ہو گیا۔ فلک مینا کو میں نے ایک جھولے پر بٹھا کر ہلکا سا جھٹکا دیا اور قفس سے باہر نکل آیا۔

اس دن لکھی دروازے سے نکلتے نکلتے میں فلک مینا کو گھر لے آنے کا پکا فیصلہ کر چکا تھا اور یہ ایک معمولی سا کام سمجھ رہا تھا جس میں مجھ کو شرم یا پشیمانی والی کوئی بات نظر نہیں آ رہی تھی۔ کچھ شرمندگی تھی تو صرف اپنی فلک آرا سے کہ میں اتنے دن خواہ مخواہ اسے مینا کے لیے ترساتا رہا، اور پچھتاوا تھا تو بس اس کا کہ فلک مینا کو آج ہی قفس سے کیوں نہیں نکال لیا۔

چڑیا بازار میں رک کر میں نے تھوڑے مول تول کے بعد ایک سستا سا پنجرہ خرید لیا۔ پنجرے والے

Scanned with CamScanner

نے پیچھے گھومتے گھومتے پوچھا:

"کون سا جانور ہے؟"

"پہاڑی مینا،" میں نے کہا اور میرا دل آہستہ سے دھڑکا۔

"پہاڑی مینا پالی ہے توشیدی صاحب؟ پنجرا بھی ویسا ہی رکھنا تھا،" اس نے کہا، "خیر، آپ کی خوشی۔"

میں پنجرہ لے کر آگے بڑھ گیا، لیکن چند ہی قدم چلا ہوں گا کہ ہاتھ پاؤں سنسنانے لگے اور گلا خشک ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی میرے کان میں کہہ رہا ہو، "کالے خاں! بادشاہی پرندے کی چوری؟!" راستے بھر مجھ پر یہی خوف اور بدحواسی طاری رہی۔ کئی بار ارادہ کیا پنجرا پھینک آؤں، پھر خیال آیا فلک آرا کو کس طرح خالی پنجرے سے بہلاؤں گا۔ گھر پہنچتے پہنچتے مجھے خود پر حیرت ہونے لگی کہ میں نے ایسی خطرناک بات کا ارادہ کیا تھا۔ خوشی بھی بہت ہو رہی تھی کہ میں نے فلک مینا کو قفس سے نکال نہیں لیا۔

یقین مجھے اب بھی تھا کہ ایک مینا کی چوری پکڑی نہیں جا سکتی تھی، پھر بھی معلوم ہو رہا تھا موت کے منھ سے نکل آیا ہوں۔

گھر پہنچا تو فلک آرا میرے ہاتھ میں پنجرا دیکھ کر خوشی سے چیخ پڑی:

"ہماری مینا آ گئی!"

لیکن جب وہ دوڑتی ہوئی میرے قریب آئی تو پنجرا خالی دیکھ کر پھر اس کا چہرہ اتر گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور روہانسی ہو گئی۔ میں نے اسے گود میں اٹھا لیا اور کہا:

"ابھی آج پنجرا آیا ہے، کل مینا بھی آ جائے گی۔"

"نہیں،" اس نے کہا، "آپ جھوٹ بہت بولتے ہیں۔"

"جھوٹ نہیں بیٹی، کل دیکھنا،" میں نے کہا، "تمھاری مینا ہم نے لے لی ہے۔"

"سچی؟" وہ چہک کر بولی اور اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ "تو وہ کہاں ہے؟"

"ایک بہت بڑے سے پنجرے میں ہے،" میں نے کہا، "وہ تو ضد کر رہی تھی کہ ہم آج ہی فلک آرا کے پاس جائیں گے۔ ہم نے کہا، ابھی آج تو ہم تمھارے لیے پنجرا مول لیں گے۔ پھر فلک آرا پنجرے کو دھو لے گی، سجا لے گی، اس میں تمھارے کھانے پینے کے برتن رکھے گی، تب ہم تم کو لے چلیں گے۔"

فلک آرا کی خوشی دیکھنے والی تھی۔ فوراً میری گود سے اتر کر اس نے پنجرے کو سینے سے لگا کر دیکھا، اسی وقت سے خوب اچھی طرح دھو کر پونچھا، اس کے اندر کاسنی کی پتیوں کا فرش کیا، پھر مٹی کا آبخورہ اور دانے کے لیے سکوری رکھی۔ مجھ سے مینا کی ایک ایک بات پوچھتی رہی: اس کی چونچ کیسی ہے، پر کس رنگ کے ہیں، کیا کیا باتیں کرتی ہے۔ رات کو اسے ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔ بار بار جاگ کر مینا کی باتیں کرنے لگتی تھی۔

Scanned with CamScanner

دوسرے دن گھر سے نکلا تو دور تک اس کی آواز سنائی دیتی رہی:

"آج ہماری مینا آئے گی، آج ہماری مینا آئے گی۔"

راستے بھر میں یہی سوچتا رہا کہ آج جب خالی ہاتھ گھر لوٹوں گا تو فلک آرا سے کیا بہانہ کروں گا۔ چمن میں مینڈھوں کو دانہ پانی دیتے ہوئے بھی طرح طرح کے بہانے سوچتا رہا۔ اس دن کام میں میرا دل نہیں لگ رہا تھا پھر بھی مغرب تک میں نے سارے کام نپٹا دیے اور ایک بار پھر پلٹ کر قفس کے اندر آ گیا۔ مجھے خیال آیا کہ آج میں نے فلک مینا کی طرف دیکھا تک نہیں ہے۔ اس وقت وہ قفس کی بیچ کی جالی کے ایک مچان پر بیٹھی ہوئی تھی اور چپ چاپ میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں اس کے قریب گیا تو اس نے گردن گھمائی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے اسے چمکارا۔ اس نے دھیرے سے پر پھڑپھڑائے اور پھر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے قفس میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ سب مینائیں اپنی اپنی جگہ ساکت بیٹھی تھیں۔ کل مجھے شاہی مینا کی چوری کے خیال سے جو ڈر لگا تھا وہ اب تک جا چکا تھا۔ فلک آرا کو بہلانے کے لیے جو بہانے سوچے تھے وہ بھی دماغ سے نکل گئے اور مینا کی چوری پھر ایک معمولی بات معلوم ہونے لگی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ طاؤس چمن میں سناٹا تھا، مالی کام ختم کر کے جا چکے تھے۔ کوئی مجھے نہیں دیکھ رہا تھا۔ میں نے پھر فلک مینا کو چمکارا۔ اس نے پھر دھیرے سے پر پھڑپھڑا کر میری طرف دیکھا اور میں نے ایک دم سے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ لیا۔ اس نے خود کو چھڑانے کے لیے زور کیا لیکن جب میں چمکار چمکار کر اس کے پروں پر ہاتھ پھیرنے لگا تو آنکھیں موند لیں اور بدن ڈھیلا چھوڑ دیا۔ میں کچھ دیر دم سادھے کھڑا رہا، پھر اسے اپنے کرتے کی بغلی جیب میں ڈالا اور قفس سے باہر نکل آیا۔

لکھی دروازے تک کئی جگہ پہرے کے سپاہی ملے لیکن انھیں معلوم تھا کہ میں طاؤس چمن میں شام تک کی باری کر رہا ہوں۔ کسی نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا اور میں جیب میں ہاتھ ڈالے ڈالے قیصر باغ سے نکل کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جی تو چاہتا تھا پوری رفتار سے دوڑنے لگوں لیکن کسی طرح اپنے قدموں کو تھامے ہوئے چلتا رہا۔

گھر پہنچا۔ فلک آرا سو چکی تھی۔ جعفری کی اماں میرا راستہ دیکھ رہی تھیں۔ انھیں کھانا دے کر رخصت کیا۔ مکان کا دروازہ اندر سے بند کر کے مینا کو جیب سے نکالا اور پنجرے کے پاس لے گیا۔ آج فلک آرا نے پنجرے کو اور بھی سجا رکھا تھا۔ تیلیوں کے بیچ بیچ میں چاندی کے پھول اٹکائے تھے، جھاڑو کے تنکے میں رنگین کپڑے کی کترن باندھ کر اپنے خیال میں جھنڈا بنایا تھا جو پنجرے کے سامنے ٹیڑھا ٹیڑھا کھڑا تھا۔ پنجرے کے اندر آب خورے میں لبالب پانی بھرا ہوا تھا، سکوری میں روٹی کے ٹکڑے بھیگ رہے تھے اور بڑی روئی کی دو تین بتیاں سی بنا کر شاہی مینا کے لیے گاؤ تکیے تیار کیے گئے تھے۔ میں نے مینا کو آہستہ سے پنجرے میں پہنچایا اور پنجرا کھونٹی میں لٹکا دیا۔ مینا کچھ دیر تک پنجرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹتی رہی، پھر آرام سے ایک جگہ ٹھہر گئی۔

صبح فلک آرا کے کھلکھلانے اور مینا کے چہچہانے کی آوازوں سے میری آنکھ کھلی۔ فلک آرا نے

معلوم نہیں کس وقت کلثوم کے بچے مونڈھا رکھ کر پنجرا اتار لیا تھا اور اب اسی مونڈھے پر پنجرا رکھے، زمین پر گھٹنے ٹیکے بار بار پنجرے کو چومتی تھی اور مینا بار بار بول رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی فلک آرا نے خبر سنائی:

ابا، ہماری مینا آ گئی۔

دیر تک وہ مجھے بتاتی رہی کہ مینا کیا کہہ رہی ہے۔ میں نے بھی پنجرے کے پاس بیٹھ کر مینا سے دو تین باتیں کیں، لیکن اس نے اس طرح میری طرف دیکھا گویا مجھے پہچانتی ہی نہیں۔ اتنے میں فلک آرا نے پوچھا:

ابا، اس کا نام کیا ہے؟

فلک ... سے منہ سے نکلا، پھر میں رکا اور بولا: فلک آرا بیٹی، اس کا نام مینا ہے۔

واہ، مینا تو یہ خود ہے۔

اسی لیے تو اس کا نام مینا ہے۔

تو مینا تو سب کا نام ہوتا ہے۔

اسی لیے اس کا بھی نام مینا ہے۔

اس طرح میں اس کے چھوٹے سے دماغ کو الجھاتا رہا۔ اصل میں خود میرا دماغ الجھا ہوا تھا۔

کئی دن تک میں ڈرتا ہوا طاؤس چمن پہنچتا اور ڈرا ہوا وہاں سے واپس آتا۔ ہر وقت چوکنا رہتا۔ قیصر باغ میں کوئی مجھے غور سے دیکھتا تو بھی جی چاہتا بھاگ کھڑا ہوں۔ گھر پر دیکھتا کہ فلک آرا مینا کا پنجرا سامنے رکھے اس سے دنیا جہان کی باتیں کر رہی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بتانا شروع کر دیتی کہ آج مینا نے اس سے کیا کیا باتیں کی ہیں۔ دھیرے دھیرے میری وحشت کم ہونے لگی، اور ایک دن، جب فلک آرا مینا کی باتیں بتا رہی تھی، میں نے کہا:

مگر تمہاری مینا ہم سے تو بولتی نہیں۔

آپ بھی تو اس سے نہیں بولتے، وہ شکایت کر رہی تھی۔

اچھا؟ کیا کہہ رہی تھی بھلا؟

کہہ رہی تھی تمہارے ابا ہم کو پہچانتے ہیں، ہم کو نہیں چاہتے۔

مگر اس کی بہن تو اسے بہت چاہتی ہے۔

کون بہن؟

فلک آرا شہزادی!

اس پر وہ اس طرح ہنسی کہ میرا سارا ڈر ختم ہو گیا اور دوسرے دن میں بے دھڑک طاؤس چمن میں داخل ہوا۔ شام ہونے کے وقت میں نے کئی مرتبہ بیوقوف کو ناظر ... صحیح صحیح نہیں کر سکا۔ صفائی کے بہانے سے ... سارے آنچل ... لیا، پھر ... کی گھنٹی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد میں روز کسی نہ کسی حیلے سے دو ایک بولیاں طاؤس چمن میں لاتا اور ان سے میناؤں کی ... کرتا۔ ... کی بتائی ہوئی تعداد ... اسی

سوتیں کرکے ہنسی آجاتی تھی۔

مالیوں سے جھاڑوں کو کٹواتے ہیں۔ تب میری سمجھ میں آیا کہ فلک آرا کو یہیں سے باتیں کرتے میں آتا ہوگا۔ اور یہ میرا روز کا معمول ہو چلا تھا کہ ایک دن بادشاہ پھر طاؤس چمن میں تشریف لائے۔

بجائے قفس کے پاس رک کر وہ دور، بارہ دری اور داروغہ نبی بخش سے باتیں کرنے لگے۔ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی لیکن میرا دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔ بادشاہ نبی بخش کو رمنے کے باشندوں کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔ بیچ بیچ میں وہ ایک نظر قفس پر بھی ڈال لیتے اور اس کی جھاڑوں کو دور سے ادھر ادھر اڑتے دیکھتے تھے۔ ایک بار انھوں نے ذرا دیر تک میناؤں کو دیکھا، پھر نبی بخش سے پوچھا:

"ان کی تعلیم شروع کرا دی؟"

"عالم پناہ،" داروغہ ہاتھ جوڑ کر بولے، "میر داود روز فجر کے وقت آکر سکھاتے ہیں۔"

اب بادشاہ نے اپنے مصاحبوں سے قفس کی باتیں شروع کر دیں۔ اس کے بنانے میں کاریگروں نے جو جو صنعتیں دکھائی تھیں ان کا ذکر ہوا۔ کچھ کاریگروں کے نام بھی لیے گئے جن میں بعض لکھنؤ کے مشہور سنار تھے۔ میری گھبراہٹ سب دور ہو چکی تھی۔ میں سوچ رہا تھا ہمارے بادشاہ اپنے نوکروں سے بھی کیسے التفات کے ساتھ بات کرتے ہیں اور ان کی آواز کس قدر نرم ہے۔ اسی وقت مجھے بادشاہ کی نرم آواز سنائی دی:

"بھئی نبی بخش، آج فلک آرا نہیں دکھائی دے رہی ہیں۔"

ایک دم سے جیسے کسی نے میرے دل سے سارا خون کھینچ لیا۔ داروغہ نے کہا:

"جہاں پناہ، کہیں شاخوں میں چھپ گئی ہیں۔ ابھی تو سارے میں اڑتی پھر رہی تھیں۔"

بادشاہ دھیرے سے ہنسے اور بولے:

"ہم سے شرما تو نہیں رہی ہیں؟ اور انھیں دیکھو، حیادار دلہن کو، کیسی چہلیں کر رہی ہیں۔ بھئی حیادار دلہن، یہی تمھارے لچھن رہے تو ہم تمھارا نام بدل کر شوخ ادا رکھ دیں گے۔"

سب لوگوں نے سر جھکا کر منھ پر رومال رکھ لیے اور بے آواز ہنسنے لگے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو میں بھی بادشاہ کو اس طرح میناؤں سے باتیں کرتے دیکھ کر نہال ہو جاتا اور اپنے گھر والوں کے سامنے ان کا ایک ایک لفظ دہراتا، لیکن اس وقت تو میرے کانوں میں ایک ہی آواز گونج رہی تھی: بھئی نبی بخش، آج فلک آرا نہیں دکھائی دے رہی ہیں۔

بادشاہ اب پھر میناؤں کی باتیں کر رہے تھے اور میں قفس سے کچھ ہٹ کر کھڑا ہوا تھا۔ بادشاہ کی بات سن کر پہلے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اچانک سکڑ کر بالشت بھر کا رہ گیا ہوں، لیکن اب یہ معلوم ہو رہا تھا کہ میرا بدن پھیل کر اتنا بڑا ہو رہا ہے کہ میں کسی کی بھی نظروں سے خود کو چھپا نہیں پاؤں گا۔ میں شاخوں میں کھنچ کھنچ کر سکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی کشمکش میں مجھے پتا بھی نہیں چلا کہ بادشاہ کب واپس گئے۔ جب میں چونکا تو طاؤس چمن میں سناٹا تھا، صرف قفس کے اندر اڑتی میناؤں کے پروں کی آواز

آ رہی تھی۔

میرا بس چلتا تو ابھی اڑ کر قیصر باغ پہنچ جاؤں اور شاہی مینا کو لا کر قفس میں ڈال دوں۔ مغرب کے وقت تک اسی طرح کام ختم کر کے گھر واپس ہوا۔ رستے بھر تو اسی فکر میں رہا کہ مینا کو کس طرح قفس میں پہنچا دوں۔ لیکن جب گھر پہنچا اور فلک آرا نے روز کی طرح چہک چہک کر مینا کا دن بھر کا حال سنانا شروع کیا تو مجھے یہ فکر بھی لگ گئی کہ مینا کو تو لے جاؤں گا مگر فلک آرا سے کیا کہوں گا۔ اس رات بہت دیر تک جاگتا اور کروٹیں بدلتا رہا۔

دن چڑھے سو کر اٹھا تو خیال آیا کہ کل سے دو دن میں میری باری صبح کی ہو جائے گی۔ پھر بہت تڑکے تک مینا کو قفس میں پہنچانا آسان ہو گا۔ جو کچھ کرنا ہے آج ہی کرنا ہے۔ فلک آرا اس وقت بھی مینا سے کھیل رہی تھی۔ دونوں میں جدائی ڈال دینے کا خیال مجھے تکلیف دے رہا تھا لیکن اسی وقت ایک تدبیر میرے ذہن میں آ گئی۔ میں نے پنجرے کے پاس بیٹھ کر مینا کو غور سے دیکھا، اور فلک آرا سے کہا:

"فلک آرا، یہ ہماری مینا کی آنکھیں کیسی ہو رہی ہیں؟"

"ٹھیک تو ہیں،" فلک آرا نے مینا کی آنکھیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں ٹھیک ہیں۔ کیسی سُکڑی سُکڑی ہو رہی ہیں۔ اور دیکھو کناروں پر زردی سی ہے۔ اللہ نہ کرے اسے بھی یرقان ہو گیا ہے۔"

"یرقان کیا؟" فلک آرا نے گھبرا کر پوچھا۔

"بڑی خراب بیماری ہوتی ہے۔ بادشاہ کے یہاں کی کتنی مینائیں اس میں مر چکی ہیں۔"

فلک آرا اور بھی گھبرا گئی، بولی:

"تو حکیم صاحب سے دوا لے آؤ۔"

"حکیم صاحب چڑیوں کی دوا تھوڑی دیتے ہیں،" میں نے کہا، "اسے تو [illegible] حیدر بادشاہ کے [illegible] میں [illegible] کر دوں گا۔ شاید بچ ہی جائے۔ اس کی حالت تو بہت خراب ہے، پھر بھی شاید [illegible] دیکھو کہیں راستے ہی میں نہ مر جائے۔"

[illegible] میں نے [illegible] فلک آرا [illegible] کہنے لگی:

"ابا، اسے جلدی لے کر جاؤ۔"

"کل صبح لے جاؤں گا،" میں نے اسے بتایا، "جب کام پر جاؤں گا تو اسے لیتا جاؤں گا۔"

[illegible] میں نے مینا کو پنجرے سے نکالا۔ فلک آرا بولی:

"ابا، پنجرے ہی میں لے جاؤ۔"

"وہاں چڑیاں پنجروں میں نہیں رکھی جاتیں۔ ان کے لیے پورا مکان بنا ہوا ہے۔ تم پنجرا صاف کر کے رکھ دو۔ [illegible] اچھی ہو کر آئے گی تو پھر سے اپنے پنجرے میں رہے گی۔"

Scanned with CamScanner

فلک آرا نے مینا کو میرے ہاتھ سے لے لیا۔ دیر تک اسے پیار کرتی رہی، پھر بولی:

"ابّا، اس پر کوئی دعا پھونک دو۔"

"راستے میں پھونک دیں گے،" میں نے کہا، "لاؤ، دیر ہو رہی ہے۔ اسپتال بند ہو جائے گا۔"

مینا کو اس کے ہاتھ سے لے کر میں نے کرتے کی جیب میں ڈال لیا اور جلدی سے دروازے سے باہر نکل آیا۔ جانتا تھا کہ فلک آرا ہر روز کی طرح دروازے کا ایک پٹ پکڑے کھڑی ہوئی مجھے جاتے دیکھ رہی ہے، لیکن میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

***

قسمت نے ساتھ دیا اور طاؤس چمن میں داخل ہوتے ہی موقع مل گیا۔ داروغاؤں میں سے کوئی میری طرف متوجہ نہیں تھا۔ میں قفس کے اندر آ گیا۔ مالی اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ میں نے ایک بار زور سے کھانس کر گلا صاف کیا پھر بھی کسی نے میری طرف نہیں دیکھا۔ اب قفس کے ایک کنارے پر جا کر میں نے فلک مینا کو جیب سے نکالا اور جلدی سے اچھال دیا۔ اس نے پر پھٹ پھٹا کر خود کو ہوا میں تھاما، پھر ایک جھولے پر بیٹھ گئی، وہاں سے اڑی، ایک چھت پر پہنچی، وہاں سے نیچے غوطہ مارا اور حوض کے کنارے آ بیٹھی۔ جہاں بھی وہ بیٹھتی دوسری کئی مینائیں اس کے پاس آ بیٹھتیں اور اس طرح چہچہاتیں جیسے پوچھ رہی ہوں، بہن اتنے دن کہاں رہیں؟

جس دن طاؤس چمن میں مینائیں آئی تھیں اس کے بعد سے آج پہلا دن تھا کہ میرے دل پر کوئی بوجھ نہیں تھا۔ بیٹی فلک آرا کو بہلانے کے لیے بہت سی باتیں میں نے راستے ہی میں سوچ لی تھیں اور مجھے یقین تھا کہ کسی دن وہ اسی میں خوش رہے گی کہ اس کی مینا چمن میں اچھی طرح رہ رہی ہے، پھر اسے بھول جائے گی۔ آج میں نے قفس کی ساری میناؤں کو غور سے دیکھا اور مجھے بھی ان میں کچھ کچھ فرق نظر آیا، اور فلک مینا کو تو میں ہزاروں میناؤں میں پہچان سکتا تھا۔ اس وقت وہ سب سے الگ ایک ٹہنی پر بیٹھی تھی اور ٹہنی دھیرے دھیرے نیچے اوپر ہو رہی تھی۔ میں نے قریب جا کر اس کو پچکارا۔ وہ چپ چاپ میری طرف دیکھنے لگی۔

"فلک آرا یاد آ رہی ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

وہ اسی طرح میری طرف دیکھتی رہی۔ میں نے کہا:

"ہم سے ناراض تو نہیں ہو؟"

اچانک مجھے خیال آیا کہ میں بالکل بادشاہ کی طرح بول رہا ہوں۔ میں آپ ہی آپ ڈر گیا اور جلدی جلدی قفس کا کام ختم کر کے باہر نکل آیا۔

Scanned with CamScanner

۴

گھر آ کر بیمار کو سنبھالنا آسان تھا۔ مجھے فلک آرا کو سلانے میں کوئی مشکل نہیں ہوئی۔ میں نے خوب ڈرانے والے انداز سے بتایا کہ کس طرح اس کی دِنا نے کڑوی دوا پینے سے انکار کر دیا اور اس کے لیے میٹھی میٹھی دوا منگوائی گئی۔

دِنا جب سے بیمار ہوئی ہے مونگ کی کھچڑی کھانے کو دی گئی۔ میں نے بتایا، تو اس نے کہا ہم مونگ کی کھچڑی نہیں کھاتے، تو ڈاکٹر سے پوچھ کر کیا کرتی ہو۔

اس نے کہا ہم تو دودھ جلیبی کھاتے ہیں۔ فلک آرا بیچ میں بول پڑی۔

ہاں، میں نے کہا، ڈاکٹر کی سمجھ میں نہیں آیا، بچارا انگریز تھا نا؟ ہم سے پوچھنے لگا ویل مسٹر کالے خاں یہ جلیبی کیا ہوتا ہے۔

فلک آرا ہنسی سے لوٹ گئی۔ اس نے ہاں، مرے کو [illegible] سے لا دیا۔ جلیبی کیا ہوتا ہے کہہ کہہ کر دیر تک ہنستی رہی۔ رات گئے تک میں اسے بتاتا اور اس کی دِنا کے قصے سناتا رہا۔

جب وہ سو گئی تو میں نے اٹھ کر کمرے کو اس کی گڑیوں سمیت کوٹھری کے کباڑ میں چھپا دیا میں چاہتا تھا کہ فلک آرا اپنی دِنا کو بالکل بھول جائے۔

صبح وہ سو کر اٹھی تو چپ چپ تھی۔ دیر کے بعد اس نے مجھ سے صرف اتنا پوچھا

"ابا، ہماری دِنا اچھی ہو جائے گی؟"

"ہاں، اچھی ہو جائے گی۔" میں نے جواب دیا، "لیکن جتنی بیماری کی زیادہ باتیں کرتے ہیں، اس سے بیماری بڑھ جاتی ہے۔"

اس کے بعد اس نے مجھ سے کبھی نہیں پوچھا، نہ اس کی دِنا کا ذکر کیا ہوا۔

میں [illegible] کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں باہر نکلا وہ روشن بی بی کا آدمی کھڑا تھا۔

"خیریت تو ہے، کرم علی؟" میں نے پوچھا۔

"روشن بیگم نے آپ کو بڑے [illegible] سے بلایا ہے۔" اس نے کہا، "حضرت سلطانِ عالم طاؤس چمن میں تشریف لا رہے ہیں۔"

"آج؟" میں نے حیرت سے پوچھا، "ابھی پرسوں ہی تو..."

"[illegible]" کرم علی بولا، "وہ تو ابھی---"

"اچھا چلو۔"

میں نے جلدی جلدی کپڑے بدلے [illegible] فلک آرا کے پاس جانے کو کہا [illegible] طاؤس چمن [illegible] رکھتے ہیں [illegible] فلک آرا کو قفس میں [illegible] خود کو شاباشی دی۔

Scanned with CamScanner

آج بھی دن قفس کے سامنے چاندی کی منقش چوبوں پر سبز اطلس کا مغرق جھالروں والا چھوٹا شامیانہ تنا ہوا تھا۔ داروغہ اور بہت سے ملازم قفس کے پاس جمع تھے۔ ان کے بیچ میں بوڑھے میر داؤد اس طرح اینٹھے ہوئے کھڑے تھے جیسے وہ بادشاہ ہوں اور ہم سب ان کے غلام۔ میر داؤد کی نازک مزاجیوں اور اکڑ کے قصے لکھنؤ میں مشہور تھے، لیکن سب مانتے تھے کہ پرندوں کو پڑھانے میں ان کا جواب نہیں ہے۔

"ہاں میاں کالے خاں،" داروغہ نے مجھے دیکھتے ہی کہا، "قفس کو دیکھ بھال لو، ذرا جلدی۔۔۔"

میں نے بڑی پھرتی کے ساتھ قفس کا فرش صاف کیا، پودوں پر پانی چھڑکا، گرے پڑے پھول پتے سمیٹے اور باہر نکلا ہی تھا کہ جلوخانے کی طرف شہنائیاں اور نقارے بجنے لگے۔ ہم سب ہوشیار ہو کر کھڑے ہو گئے۔ مجھے میر داؤد کی آواز سنائی دی،

"میں پھر کہتا ہوں، مینا کے بیچ میں کوئی نہ بولے، نہیں جانور ٹھٹک جائیں گے۔"

داروغہ کو کچھ غصہ آ گیا۔ بولے:

"میر صاحب، ایک بار کہہ دیا، حضرت کے سامنے کسی کی مجال ہے جو چوں بھی کر جائے۔ مگر آپ ہیں کہ جب سے یہی رٹ لگائے ہیں۔"

جواب میں میر صاحب نے بڑے اطمینان کے ساتھ داروغہ کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر پھر وہی کہا:

"مینا کے بیچ میں کوئی نہ بولے، نہیں جانور ٹھٹک جائیں گے۔"

"ہاں جاؤ میر صاحب،" داروغہ منھ بنا کر بولے، "کیا مسخروں کی سی باتیں کر رہے ہو۔"

میر صاحب تلملا کر کچھ کہنے والے تھے کہ شاہی جلوس دور پر نظر آنے لگا۔ ہم سب طاؤس چمن کے پھاٹک پر دو قطاروں میں کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر میں جلوس پھاٹک پر آ پہنچا۔ آج بادشاہ کے ساتھ حضور عالم اور مصاحبوں کے علاوہ کئی گارد کے کئی انگریز افسر بھی تھے۔ حضور عالم انھیں قفس کی ایک ایک چیز دکھا رہے تھے۔ پھر بادشاہ نے ان سے دھیرے دھیرے کچھ کہا اور میر داؤد کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ میر صاحب سینہ پھلائے اور گردن اکڑائے قفس کے قریب آ گئے۔ انھوں نے منھ سے کچھ سیٹی سی بجائی۔ قفس میں اڑتی ہوئی مینائیں ان کی طرف آئیں، جھولوں اور اڈوں پر بیٹھ گئیں اور زور زور سے چہچہانے لگیں۔ میر صاحب نے کچھ چٹکیاں بجائیں، اور ایک عجیب سی آواز منھ سے نکالی۔ مینائیں ایک دم سے چپ ہو گئیں، پھر سب نے ایک ساتھ اور ان کی آواز میں ایک آواز ہو کر سنائی دی:

سلامت، شاہِ اختر، جانِ عالم
سلیمانِ زماں، سلطانِ عالم

ایک ایک لفظ صاف سنائی دے رہا تھا کہ مجھ کو حیرت ہو گئی۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ بہت سی کالے ویس ایک ساتھ مل کر مبارکبادی گا رہی ہیں۔ میناؤں نے دو بار یہی شعر پڑھا، دم بھر کو رکیں، پھر بھاری آواز اور مردانے لہجے میں بولیں:

"ویل کم ٹو طاؤس چمن!"

اس پر انگریز افسروں کو اتنا مزہ آیا کہ وہ بار بار مٹھیاں باندھ کر ہاتھ اوپر اچھالنے لگے۔ میناؤں نے

Scanned with CamScanner

پھر پہلا شعر پڑھا، پھر ایک اور شعر، پھر ایک اور۔ بادشاہ کچھ دیر بعد مسکرا کر میر داؤد کی طرف دیکھتے، اور میر صاحب عجب تماشا سا دکھا رہے تھے۔ سینہ پھلا کر تن جاتے اور فوراً ہی اس قدر جھک کر تسلیم کرتے کہ معلوم ہوتا قلابازی کھا جائیں گے۔

میناؤں نے ایک نیا شعر پڑھا اور پھر پہلا شعر پڑھنا شروع کیا:

سلامت، شاہِ اختر، جانِ عالم ---

ابھی یہ شعر پورا نہیں ہوا تھا کہ قفس کے پوربی حصے سے ایک تیز چہکتی آواز آئی:

فلک آرا شہزادی ہے!

سب مینائیں ایک دم سے چپ ہو گئیں اور میر داؤد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ فلک مینا ایک ٹہنی پر الٹی بیٹھی تھی اور اس کا گلا پھولا ہوا تھا۔ اس نے پھر کہا:

فلک آرا شہزادی ہے۔ دودھ جیسی کالی ہے۔

ہاں میری ہی فلک آرا کی آواز تھی۔ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا۔ مجھے صرف یہیں تک یاد ہے کہ دوسری مینائیں بھی اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ محل کی کھڑکیوں کی دودھ جیسی [illegible] زیادہ سمجھ میں نہیں آتیں اور [illegible] شعر ہوئی تو دودھ جیسی کہہ سکتے ہوں گے۔ وہ بھی بادشاہ کے سامنے۔ مجھے کچھ لوگوں کے دھیرے دھیرے بولنے کی آوازیں سنائی دیں لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔ [illegible] کانوں میں سیٹیاں بج رہی تھیں۔ اور اب مجھے ان سیٹیوں سے بھی زیادہ تیز سیٹی کی آواز سنائی دی:

فلک آرا شہزادی ہے۔ دودھ جیسی نہاتی ہے۔ کالے بالوں کی گوری چوٹی ہے۔

پھر فلک آرا کے کھلکھلا کر جیسے ہنستے ہنستے بے حال ہو جانے کی آواز، اور پھر وہی:

کالے بالوں کی گوری گوری چوٹی ہے۔ کالے بالوں کی گوری چوٹی ہے۔

میری آنکھوں کے آگے چھائے ہوئے اندھیرے میں بھی میں نے دیکھا کہ داروغہ جی پھٹی پھٹی آنکھیں پھاڑ کر میری طرف دیکھ رہے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ بادشاہ نے داروغہ کو دیکھا، پھر آہستہ آہستہ [illegible] کی طرف [illegible] نہیں۔ [illegible] کے تھر تھر کانپ رہے [illegible] ہاتھ جوڑے۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ قفس کا سبزہ [illegible] اور میں بے ہوش ہو کر گر گیا۔

***

دوسرے دن ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو شاہی ہسپتال میں لیٹا ہوا پایا اور داروغہ جی میرے سرہانے کھڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔ [illegible] مجھے سب کچھ یاد آ گیا اور میں اٹھ کر بیٹھنے کا [illegible] لیکن داروغہ نے مجھے پھر لٹا دیا۔

Scanned with CamScanner

جیتے رہو، جیتے رہو۔ انھوں نے کہا۔ اب سر کی چوٹ کیسی ہے؟

چوٹ؟ میں نے پوچھا، اور سر پر ہاتھ پھیرا تو معلوم ہوا کہ پٹیاں بندھی ہوئی ہیں، کچھ تکلیف سی ہو رہی تھی۔ لیکن اس وقت مجھے تکلیف کی پروا نہیں تھی۔ میں نے داروغہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

داروغہ صاحب، آپ کو قسم ہے، سچ سچ بتائیے، وہاں کیا ہوا تھا؟

سب معلوم ہو جائے گا، بھائی، سب معلوم ہو جائے گا۔ پہلے اچھے تو ہو جاؤ۔

میں بالکل اچھا ہوں، داروغہ صاحب، میں نے کہا۔ آپ کو قسم ہے۔

داروغہ کچھ دیر سوچتے رہے، آخر مجبور ہو گئے۔

کیا بتائیں، تو سنو کالے خاں، انھوں نے کہنا شروع کیا، تم تو غش کھا کے گر پڑے، وہاں کے لوگوں پر جو گزری [illegible]۔۔۔ خیر پہلے یہ بتاؤ، تم نے اس کو کس وقت پڑھا دیے تھے؟

کس کو؟

فلک آرا مینا کو، اور کس کو۔

میں نے تو کچھ نہیں پڑھایا، داروغہ صاحب، قسم ہے۔

پھر؟ انھوں نے پوچھا، پھر یہ بیہودہ کلام اس نے کہاں سن لیے؟

میں کچھ دیر چپ کا رہا، آخر بولا:

میرے گھر پر۔

داروغہ سناٹا کھا گئے۔

کیا کہہ رہے ہو!

تب میں نے شروع سے آخر تک پورا قصہ سنا دیا۔ داروغہ سناٹے میں آ گئے۔ دیر تک منھ سے آواز نہیں نکل سکی۔ آخر بولے:

غضب کر دیا تم نے، کالے خاں۔ بادشاہی پرندے کی چوری! اچھا، اسی دن جو حضرت نے فرمایا تھا کہ فلک آرا کی آنکھیں نہیں دکھائی دے رہی ہیں، تو کیا اس دن بھی وہ تمھارے گھر تھی؟

میں نے سر جھکا لیا۔

تم نے مجھے ڈبو دیا، داروغہ نے کہا۔ مجھے کچھ پتا نہیں، میں نے کہہ دیا ابھی تو [illegible] تھی۔ وہ [illegible] تم تو ہماری ہی نوکری سے گئے تھے۔ اب کل جو اس نے صاحبوں کے سامنے [illegible] شروع کی تو حضرت پر سب کچھ روشن ہو گیا۔ اف اف، اس کی کل کی لن ترانیاں سن کر حضرت نے جو بات کہی۔۔۔ وہی تو [illegible] ارشاد ہوا ہے۔

کیا؟ جب تم غش کھا کر گر گئے، حضرت نے کیا فرمایا؟

فرمایا تو بس اتنا کہ داروغہ صاحب ہمارے جانوروں کو باہر مت بھیجا کیجیے، داروغہ نے بتایا اور خاموش ہو گئے۔ [illegible] داروغہ صاحب! آج تک حضرت نے کبھی بخشش کے سوا داروغہ نہیں کہا تھا، [illegible]

Scanned with CamScanner

داروغہ صاحب، تین دن کی تنگ حضوری کے بعد تمھارے سبب یہ بھی سننا پڑا۔ ابھی تک کان کڑوے ہو رہے ہیں۔"

داروغہ صاحب، میں نے لجاجت کے ساتھ کہا، اب تو قصور ہو ہی گیا، جو سزا ہو دیجیے۔۔۔

اچھی خیر، انھوں نے ہاتھ اٹھا کر مجھے چپ کر دیا، تو حضرت تو ریذیڈنٹ کے صاحبوں کو لیے ہوئے سرِ دربار تھے۔ یہاں طاؤس چمن میں غدر مچ گیا۔ حضورِ عالم ایک ایک کو پھاڑے کھاتے ہیں۔ ادھر میر دوست صاحب الگ اچھل رہے ہیں کہ دشمنوں نے ان کی میناؤں کو اڑانے کے لیے باہر کا جانور لا کے قفس میں چھوڑ دیا۔ میں کہہ رہا ہوں یہ باہر کا جانور نہیں، حضرت کی پہچانی ہوئی مینا ہے۔ حضورِ عالم سامنے کھڑے ہیں، میر صاحب نے ان کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ لگے چلانے کہ میں نے اسے سبق پڑھایا ہے، میں نے اسے سبق پڑھایا ہے۔ اوپر سے حضورِ عالم نے اور یہ کہہ کے ان کے رہے سہے اوسان اکھاڑ دیے کہ میر صاحب، وہ تو ظاہر ہے کہ تم نے اسے نہیں پڑھایا ہے، کس واسطے کہ یہ تمھاری میناؤں سے اچھا بولتی ہے۔ اب تو میر صاحب۔۔۔ کیا بتاؤں، قفس سے سر تو وہیں ٹکرا دیا، پیادوں کے ہاتھ گھر کو روانہ کیے گئے تو کوستی ہیں چھاتی پیٹتے تھے۔ جو کنواں راستے میں آیا۔۔۔ درشن سنگھ کی باؤلی میں تو کھو کودی ہی سے تھے۔

مجھے میر صاحب کی کود پھاند سے کیا لینا دینا تھا۔ میں نے کہا:

داروغہ صاحب، یہ بتائیے، وہاں میرا کیا ہوا؟

ہونا کیا تھا، وہ بولے، جہاں پناہ یہ مقدمہ حضورِ عالم کو سونپ کر چلے گئے۔ سب یہ کھلا ہوا تھا کہ یہ کچھ تمھاری ہی کارستانی ہے۔ ان غلاموں نے تمھاری بستی والے کوئی کسر چھوڑی تھی؟ حضورِ عالم نے ہو بہو یہیں کھڑے کھڑے تمھارا فیصلہ کر دیا تھا۔ میں نے ٹوپی اتار کے ان کے پیروں میں ڈال دی۔ جیسے وہ کسی طرح ٹھنڈے پڑے، حضرت منظور کی، گرفتاری کا حکم واپس لیا۔ اب مقدمہ ہوا کے ٹھکانے ہیں۔ دیکھو کیا فیصلہ کرتے ہیں، جرمانہ تو ہو ہی گا، دیکھو، وہ کیا دیتے ہیں۔۔۔

داروغہ صاحب، میں گھبرا کر بولا، میرا پھوٹی کوڑی پاس نہیں۔ جرمانہ کہاں سے بھروں گا؟

ارے بھائی، کیوں پریشان ہوتے ہو، داروغہ نے کہا، آخر ہم کس دن کے لیے ہیں؟ لیکن بات جب سے کی ہے بگڑی ہے تب سے حضورِ عالم دکھی ہوئے ہیں، صاحبوں کے آگے بڑی سبکی ہوئی ہے، کیا پتا بعد میں کیا کر دیں یا گنگا پار کروا دیں۔

گھیرو نے سے زیادہ مجھے اٹکا پڑ۔ بیوی بچے کے خیال سے وحشت ہوئی۔ ساری عمر لکھنؤ میں گذری تھی۔ باہر کہیں جاتا تو پاگل ہو جاتا۔ میں نے کہا:

داروغہ صاحب، اس سے تو اچھا ہے کہ حضور مجھے توپ دم کر دیں۔ خدا کے واسطے کوئی ترکیب بتائیے۔ پھر مجھے ایک خیال آیا۔ کیوں داروغہ صاحب، بادشاہ کو عرضی لکھوں؟ شاید معافی مل جائے۔

عرضیاں بادشاہ تک پہنچتی کہاں ہیں، میرے بھائی۔ داروغہ ٹھنڈی سانس لے کر بولے،

ایکوں ایک کاغذ پہلے حضور عالم کے واسطے سے گزرتا ہے۔ اب وہ جس پر چاہیں آپ حکم صادر کریں، جسے چاہیں حضرت کی خدمت میں پیش کریں۔

داروغہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے ذرا رک کے وہ بولے:

مگر یہ سرور سے کالے خاں، عرضی کی تمہیں سوجھی بھی ہے۔

داروغہ صاحب، لیکن مجھے خدارا یہاں سے نکلوائیے، میں نے کہا، نہیں دو دن کے یہ بچھے مار ڈالیں گے۔

بچ گئے ہو۔ چلو تو چھٹی میں بھی دلوائے دیتا ہوں۔ گھر جا کر ایک دن دو دن آرام کر لو۔ پھر کسی اچھے منشی سے عرضی لکھواؤ۔ آپ نہ لکھنے بیٹھ جائیے گا۔

میں داروغہ صاحب، جاہل آدمی، آپ خود کر بنتا کام بگاڑوں گا؟

اور ہم کہہ کیا رہے ہیں۔

داروغہ صاحب سپتال والوں سے بات کر کے اُدھر کے اُدھر نکل گئے اور میں کچھ دیر بعد چھٹی پا کے گھر آ گیا۔

میں فلک آرا کو گود میں بٹھا کر بہت دیر تک سمجھاتا رہا، لیکن مجھے خبر کچھ نہیں تھی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور وہ کیا کہہ رہی ہے۔

۵

دوسرے ہی دن میں منشیوں کی فکر میں نکل کھڑا ہوا۔ اس وقت لکھنؤ میں ایک سے ایک لکھنے والا پڑا تھا۔ منشی کالکا پرشاد تو میرے ہی محلے میں تھے۔ تین کو میں جانتا تھا کہ بادشاہ کی خدمت میں رسائی رکھتے ہیں، ایک مرزا رجب علی صاحب، ایک منشی ظہیر الدین صاحب، ایک منشی امیر احمد صاحب۔ مرزا صاحب بڑی چیز تھے، ایک عالم میں ان کے قلم کی دھوم تھی، اُن سے کہنے کی تو میری ہمت نہ ہوئی۔ منشی ظہیر الدین کو پوچھتا پاچھتا اُن کے گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ گرام گئے ہوئے ہیں۔ اب منشی امیر احمد صاحب رہ گئے۔ ان کا گھر بتانے والا کوئی نہ ملا لیکن یہ معلوم ہوا کہ وہ جمعرات کے جمعرات شاہ مینا صاحب کے در پر حاضری دیتے ہیں۔ اتفاق کی بات، اس دن جمعرات ہی تھی، وہ بھی نوچندی جمعرات۔ مغرب کے وقت مچھی بھون کے پہلو سے ہوتا ہوا میں شاہ مینا صاحب پہنچ گیا۔ آدمیوں کی ریل پیل تھی، کسی طرح مزار تک پہنچا۔ وہاں قوالی ہو رہی تھی۔ منشی صاحب ہی کا کلام گایا جا رہا تھا۔ وہ خود بھی وہیں تشریف رکھتے تھے۔ میں انھیں قیصر باغ میں کئی بار دیکھ چکا تھا۔ ایک کونے میں کھڑا ہو کر قوالی سننے لگا۔ رات گئے محفل برخاست ہوئی تو منشی صاحب کو لوگوں نے گھیر لیا۔ سب باتیں ہو رہی ہیں۔ خدا خدا کر کے منشی صاحب اٹھے، باہر نکلے۔ میں پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اب منشی صاحب تسبیح گھماتے ہوئے ایک گلی سے دوسری، دوسری سے

Scanned with CamScanner

تیسری میں راستے جا رہے تھے اور میں سائے کی طرح ساتھ ساتھ۔ آخر وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ میں نے سامنے آ کر سلام کیا۔ انھوں نے جواب دے کر مجھے غور سے دیکھا۔

"آپ کے کرم کا محتاج ہوں،" میں نے کہا۔

منشی صاحب جیب میں ہاتھ ڈالنے لگے۔ میں نے ہاتھ جوڑ دیے۔

حضور، فقیر نہیں ہوں۔

اب تو پھر؟

فقیروں سے بھی بدتر ہوں۔ آپ چاہیں تو خانہ خرابی سے بچ جاؤں۔"

ارے میاں، کیوں پہیلیاں بجھوا رہے ہو؟ کچھ کھل کر نہیں کہو گے؟

میں نے وہیں کھڑے کھڑے اپنا قصہ شروع کر دیا مگر منشی صاحب نے تھوڑی ہی دیر میں مجھے روک دیا۔ ان کا مکان قریب آ گیا تھا، وہاں لے گئے۔ میں نے کتنا کتنا کہا کہ رات بہت آ گئی ہے، میں کل حاضر ہو جاؤں گا، مگر انھوں نے اسی وقت سارا حال سنا، بیچ بیچ میں کبھی افسوس کرتے، کبھی حیرت، کبھی ہنس پڑتے، کبھی بادشاہ کی تعریف کرنے لگتے۔ میں نے پورا قصہ سنا کر اپنا مطلب عرض کیا تو وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے، پھر بولے:

سونے کے کاسے والے میاں، تمھارا قصہ ہمارے دل کو لگ گیا۔ عرضی تو تمھاری ہم لکھ دیں گے، اور جی لگا کے لکھیں گے، لیکن وہ حضرت تک پہنچے گی کیوں کر بھیجے؟ یہ تمھارے بس کا کام نہیں۔ کوئی وسیلہ ہے تمھارے پاس؟

وسیلہ؟ میں نے کہا، منشی صاحب، میرا تو جو کچھ وسیلہ ہیں آپ ہی ہیں۔ آپ حضرت سلطانِ عالم کی خدمت میں . .

ہاں بھائی کاسے والے، حاضری تو دیتا ہوں۔ غریب پروری ہے حضرت کی کہ یاد فرما لیتے ہیں۔

تو پھر منشی صاحب، میں نے کچھ خوش ہو کر، کچھ ڈرتے ڈرتے کہا، اگر وہ عرضی آپ ہی---

منشی صاحب ہنسنے لگے۔

عرضی کاسے والے میاں--- عرضی ہے، تم بادشاہی کارخانے کو کیا جانو۔ وہاں یہ تھوڑی ہوتا ہے کہ حضرت تخلیے میں آئے، ہم نے عرضی نکالی، اور حضرت نے ہاتھ بڑھا کر---

میں جھینپ گیا، بولا:

منشی صاحب، یہ میرا مطلب نہیں تھا۔ اصل یہ ہے کہ سلطانِ عالم کو عرضی پہنچانے کے لیے میں آپ کے سوا اور کسی سے نہیں کہہ سکتا۔

عرضی بادشاہ تک پہنچے گی تو امرا کے ہاتھوں سے ہوتی ہوئی پہنچے گی۔ پھر مقدمہ تمھارا حضورِ عالم کے حوالے ہوا ہے۔ وہ کاسے کو پسند کریں گے کہ---

منشی صاحب رک کر دیر تک کچھ سوچتے رہے۔ بیچ بیچ میں ہم سے باتیں بھی کرتے جاتے تھے،

Scanned with CamScanner

کچھ لوگوں کے نام بھی لیتے جاتے تھے، میاں صاحبان، مقبول الدولہ، راحت سلطان، امان، اور معلوم نہیں کون کون۔ آخر میں کہنے لگے:

اچھے میاں کالے خاں، اللہ نے چاہا تو عرضی تمھاری حضرت کے ملاحظے سے گزر جائے گی، آگے تمھاری قسمت۔۔۔

میں نے منشی صاحب کو دعائیں دے دے کر ان کی تعریفیں شروع کر دیں تو گھبرا کر بولے:

ارے بھائی، ارے بھائی، کیوں گنہگار کرتے ہو؟ کام بنانے والا اللہ ہے۔ لو بس اب تم اپنے گھر کو سدھارو۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں چلنے لگا تو دروازے تک پہنچانے آئے۔ میں نے رخصت ہوتے وقت کہا:

منشی صاحب، اس کا اجر اللہ آپ کو دے گا۔ غریب آدمی ہوں، آپ کا حقِ محنت۔۔۔

ہا! منشی صاحب نے زبان دانتوں تلے دبا لی، اس کا تو نام بھی مت لینا میاں، اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پھر وہی کہا، بات یہ ہے کالے خاں، تمھارا قصہ ہمارے دل کو لگ گیا ہے۔

آصف الدولہ بہادر کے امام باڑے کا نوبت خانہ رات کا پچھلا پہر بجا رہا تھا۔ صدماتی کی ماں بے چاری، میں نے سوچا، میرا رستہ دیکھتے سو گئی ہوں گی۔ مجھے جانا اچھا نہیں معلوم ہوا، صبح تک شہر میں آوارہ گردی کرتا رہا۔

۶

تین چار دن گزرے ہوں گے کہ کیا دیکھتا ہوں داروغہ نبی بخش دروازے پر کھڑے ہیں۔ میں گھبرا گیا، لیکن انھوں نے مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا، کہنے لگے:

ارے میاں کالے خاں، بھائی تم تو قیامت نکلے!

میں اور بھی گھبرا گیا، بولا:

داروغہ صاحب، واللہ مجھے کچھ خبر نہیں، کیا ہوا؟

کیا ہوا؟ داروغہ بولے، یہ ہوا کہ تمھاری عرضی حضرت سلطانِ عالم کی خدمت میں پہنچ گئی اور ملاحظے سے گزرتے ہی اس پر حکم بھی ہو گیا۔

حکم ہو گیا؟ میں نے بے تاب ہو کر کہا، کیا حکم ہوا داروغہ صاحب؟

سلطانی فیصلے ہم لوگوں کو بتائے جائیں گے؟ کیا بات کرتے ہو کالے خاں، لیکن اسے نکلو رکھو۔۔۔ اچھا، پہلے یہ بتاؤ، عرضی میں سارا حال لکھوا دیا تھا؟ بٹیا کا، اس کی ماں کی مینا، پہاڑی مینا کے لیے تمھیں دق کرنا، اور۔۔۔

Scanned with CamScanner

[illegible] سے آخر تک [illegible] میں نے دیکھی تو نہیں لیکن منشی امیر احمد صاحب نے کہا تھا کہ [illegible] لکھوں گا۔"

"منشی امیر احمد صاحب؟" داروغہ [illegible] سے بولے "[illegible] تمہیں پکڑا [illegible] تمہیں [illegible] نہیں سمجھتے تھے [illegible] کیوں کر لی؟"

"داروغہ صاحب، وہ ابھی آپ کیا کہہ رہے تھے؟"

"ہاں جو کہہ رہے تھے وہ کہہ رہے ہیں۔"

"نہیں، وہ آپ نے کیا کہا تھا، اسے کہہ رکھو۔"

[illegible] تمہیں معافی مل گئی اور تمہاری دنیا [illegible]

[illegible] داروغہ صاحب؟"

[illegible] داروغہ [illegible] بولے [illegible]

[illegible] نہیں ہیں۔ [illegible] معلوم ہوتا تھا کچھ [illegible]

[illegible]

[illegible] اس وقت آپ خوش [illegible] لیکن ۔۔۔ داروغہ صاحب ۔۔۔ کیا کچھ اور بات بھی ہے؟"

[illegible]

[illegible] نہیں نکلنے کا [illegible] کوئی بات [illegible] ہو جائے۔ مگر [illegible] رہے گی۔"

"داروغہ صاحب، خدا کے لیے ۔۔۔"

اب داروغہ صاحب پریشان نظر آ رہے تھے۔

[illegible] انھوں نے کہا، "تازہ واردات بھی سن لو۔ آج نواب صاحب سے تین آدمی [illegible] میں آئے تھے۔"

"نواب صاحب؟"

"ارے، حضور عالم، [illegible] نواب علی نقی خاں بہادر، کہو گے۔"

"سمجھا۔"

[illegible] آدمی تھے [illegible] کوشش کی۔ خیر، ہو گا۔ صبح سے مجھے [illegible] سامنے سے ہوتے ہوئے گزرتے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی بڑے تیوروں سے [illegible] ہے۔ میں گل گیا بولا انھیں میں کہیں ہوگی، میں کوئی

سب کے نام یاد رکھتا پھرتا ہوں؟ اُن کے بھی دماغ آسمان پر تھے، کہنے لگے اتنے دن سے داروغہ ہو اور جانور کو نہیں پہچانتے؟ میں نے کہا پہچانتے ہیں، نہیں بتاتے۔ آپ پوچھنے والے کون؟ بات بڑھنے لگی۔ اُن میں ایک شاید نئے نئے مصاحبی میں آئے تھے، مونچھیں نکل رہی تھیں، بڑا صورت دار سا تھے انھوں نے کچھ زیادہ رنگ دکھانا شروع کیا تو میں نے کہا صاحبزادے صاحب، اپنا جوبن سنبھال رکھیے، جب تک ڈاڑھی مونچھیں پوری نہ نکل آئیں میرے سامنے گا پچ دیکھ کر آئیے گا۔

مجھے ہنسی آ گئی۔

داروغہ صاحب، بھئی آپ کی زبان سے اللہ کی پناہ!

ہاں نہیں تو۔ داروغہ وہ بھی کاوے میں آئے ہوئے تھے۔ اب وہ لگے ڈکارنے۔ میں نے کہا میرے شہزادے، ہم ناچنے کے شیروں کو نوالہ کھلاتے ہیں۔ لے بس اب چپکے بیٹھ جائیے نہیں تو ٹھوک رسوئی کے کٹہرے میں پھینکوں گا پہلے، نام پوچھوں گا بعد میں۔ شور سن کر محلات کے بہت سے آدمی نکل آئے، معاملہ رفع دفع کرایا۔

کچھ دیر ہم دونوں سوچ میں ڈوبے رہے، پھر میں نے کہا:

بڑی واردات ہوئی، داروغہ صاحب۔

واردات؟ داروغہ بولے، واردات میرے یار ابھی تم نے سنی کہاں۔ اب سنو، محلات والوں میں نواب صاحب کے آدمیوں کے دوست آشنا بھی تھے، وہ اُن کو ٹٹول لے گئے۔ تب بھید کھلا کہ اس دن ریذیڈنسی کے جو صاحبان طاؤس چمن میں آئے تھے، اُن میں سے کسی کو تمھاری مینا بھا گئی، تمام بول جاتی ہے۔ اس نے نواب صاحب سے اس کی تعریف کی۔ نواب صاحب جھٹ سے وعدہ کر بیٹھے کہ مینا ریذیڈنسی پہنچا دی جائے گی۔ یہی نہیں، اس کے لیے ایک دو قفس کے نمونے کا چھوٹا پنجرا بھی بنوا لیا ہے۔

میں اتنی ہی دیر میں فلک سیر کو اپنے گھر کا مال سمجھنے لگا تھا۔ میں نے کہا:

لیکن مینا تو حضرت نے میری بیٹی کو عنایت کی ہے۔

کی ہے، درست، مگر نواب صاحب نے بھی تو بڑے صاحب بہادر سے وعدہ کیا ہے۔

تو کیا نواب اپنے بادشاہ کا حکم نہیں مانیں گے اور...

بس بس، آگے کچھ نہ کہو، کالے خاں۔ تمھیں خبر نہیں یہاں کیا ہو رہا ہے۔ مگر خیر، نواب صاحب بادشاہ کے فیصلے پر اپنا حکم تو کیا چلائیں گے، البتہ وہ مینا کو تم سے مول ضرور لے لیں گے، وہ بھی منھ مانگے داموں۔ ابھی ٹھیک ہے، بادشاہ تھکے ہی لیے ہوتے ہیں کہ آدمی انھیں پکی بات کے پیسے ما لے۔ لیکن تم یاد رکھو کالے خاں، جو اگر ریذیڈنسی پہنچ گئی تو بادشاہ کو ملال ہوگا۔

ملال ہو اُن کے دشمنوں کو، میں نے کہا، نواب صاحب خرید کا ڈول ڈالیں گے تو کہلا دوں گا میری بیٹی راضی نہیں، اُس نے مینا کو بہن بنایا ہے۔

Scanned with CamScanner

اور نواب صاحب چُپ ہو کے بیٹھ جائیں گے؟ داروغہ فوراً بولے۔ کہاں رہتے ہو بھائی؟ جب سے ہم گھر کر رہے ہیں، ارے دھیان سے سنو۔ چھوٹے میاں یاد ہیں؟

کون چھوٹے میاں؟

ہاں وہی آن کے پاس تصویریں اتارنے والا لڑکا تو بکتا ہے۔ نام بھول گئے، ہمیں تو غریب کی یاد رہتی ہے۔

اچھا وہ چھوٹے میاں؟ داروغہ اصلی تال ہوا، میں نے کہا، نہیں صاحب جواب کا؟ تمہیں آپ سارے میں کام دے پایا ہوں۔

بس تو اُڑ رہی تھی۔ سے پاس پہنچ گئی تو وہ تمہارے گھر آ ہی گئے۔ جو وہ کہیں وہی کرنا۔ ذرا اس میں خلاف نہ ہو۔ اور دیکھو، پریشان نہ ہونا، تمہارا بھلا ہی بھلا ہو گا۔ چلو ہم چلے۔ باقی چھوٹے میاں بتائیں گے۔

داروغہ صاحب، کچھ آپ بھی تو بتاتے جائیے، میں نے کہا، مجھے بھی بے چینی ہو رہی ہے۔

تو سنو کان سے ہاں، ہم نہیں چاہتے کہ شادی پر مدد رونق ہی ہیں جائے۔ تم چاہتے ہو؟

زندگی بھر نہیں۔

جاؤ بس، چین سے بیٹھو۔

داروغہ رخصت ہوئے تو میں گھر میں آیا۔ طاؤس چمن والے قصے کے بعد آج پہلی بار میں نے اپنی فلک آرا کو غور سے دیکھا۔ وہ بہت جھلک گئی تھی۔ میں سمجھ گیا اپنی بیٹا کے لیے مر رہی ہے لیکن اس کا نام لیتے ڈرتی ہے۔ جی چاہا اسے بھی بتا دوں کہ تمہاری بیٹا تمہارے پاس آ رہی ہے۔ لیکن ابھی مجھے خود ٹھیک ٹھیک کچھ نہیں معلوم تھا، اس کو کیا بتاتا۔ بس اسے گود میں لیے دیر تک ٹہلتا رہا۔

***

داروغہ جی کی شکل کا بیان ٹھیک تھا۔ دوسرے ہی دن سویرے سویرے شاہی چوبدار اور دو سرکاری ہرکارے میرے دروازے پر آ موجود ہوئے۔ داروغہ خود بھی ان کے ساتھ تھے۔ ان سے میری شناخت کرا کے ایک ہرکارے نے شاہی حکم نامہ پڑھنا شروع کیا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

> کالے خاں ولد یوسف خاں کو معلوم ہو کہ عرض داشت اس کی حضور تک پہنچی۔ سرکار طاؤس چمن کی بیٹا سی فلک آرا کو جدا کر کے اپنے گھر لے جانا اس کا موجب آزار اس سے ثابت ہے۔ بنا بریں اس کو ملازمت سلطانی سے برطرف کیا گیا مگر تنخواہ اس کی بحال رہے گی۔
>
> بیٹا سی فلک آرا کو تعلیم دینے کے عوض میں بیاہ کو مساۃ فلک آرا

بیگم بہشت کالے خاں کو برسبیل انعام عطا ہوئی، و نیز حضور پرنور سے بیماداری مینا کے دانے پانی کا خرچ یک اشرفی ماہانہ مقرر ہوا۔

و نیز کالے خاں ولد یوسف خاں کو معلوم ہو کہ چوری اس گھر میں کرتے ہیں جہاں مانگے سے ملتا نہ ہو۔

اس آخری فقرے نے مجھے پانی پانی کر دیا۔ سر جھکا کر رہ گیا۔ اتنے میں دوسرے اہلکار نے سرخ بانات کے غلاف سے ڈھکا ہوا پنجرہ چوبدار کے ہاتھ سے لے کر میرے ہاتھ میں دیا۔ پھر کمر سے ایک چھوٹی سی تھیلی کھول کر مجھے دی اور اس کے اندر کی بارہ اشرفیاں میرے ہاتھ پر گن دیں۔ بتایا یہ مینا کا سال بھر کا خرچ ہے، اور رسید نویسی کی مختصر کارروائی کے بعد مجھے مبارکباد دی۔ داروغہ نبی بخش نے بھی مبارکباد دی، پھر چوبدار سے کہا:

"اچھا میاں بندے علی، ہمارا کام ختم ہوا؟"

"کام ہمارا بھی ختم ہوا،" اس نے جواب دیا، "کیوں داروغہ صاحب، ساتھ نہ چلیے گا؟"

"نہیں بھائی، سوچتے ہیں حسین آباد مبارک میں حاضری دے آویں۔"

"ہاں ہاں، ضرور جائیے،" بندے علی نے بڑے تپاک سے کہا، "ہمارے لیے بھی دعا کر دیجیے گا۔"

"لو، یہ بھی کہنے کی بات ہے؟"

داروغہ نے میری طرف دیکھا اور سر کے جھٹکے سے اشارے سے پوچھا یاد ہے؟ میں نے بھی آہستہ سے سر ہلا دیا کہ یاد ہے۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد گھر میں آیا تو معلوم ہوتا تھا خواب میں ہوں۔ فلک آرا ابھی سو رہی تھی۔ میں نے پنجرہ صحن میں رکھ کر اس پر سے غلاف ہٹایا تو آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔

سونا! میرے منہ سے نکلا اور پنجرے کی خوب صورتی میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ اس کی مالیت کتنی ہوگی۔ اسی وقت مجھے فلک آرا جیسی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ وہ میری طرف پلک پلک آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے سر اوپر کھینچ لیا اور پھر زور زور سے چہچہانے لگی۔ میں دوڑتا ہوا کوٹھری میں گیا اور اس کا پرانا پنجرہ نکال لایا۔ مینا کو اس پنجرے سے اس پنجرے میں کر کے نیا پنجرہ کوٹھری میں چھپا رہا تھا کہ باہر سے فلک آرا کی آواز سنائی دی:

"ہماری مینا اچھی ہو گئی، ہماری مینا اچھی ہو گئی۔"

میں کوٹھری سے باہر آیا تو اس نے چہک چہک کر مجھے بھی یہ خبر سنائی۔ لیکن میں دوسری فکروں میں تھا۔

"اچھا پہلے منہ ہاتھ دھو لو، پھر اس سے جی بھر کے باتیں کرنا،" میں نے اس سے کہا اور باہر دروازے پر جا کھڑا ہوا۔

گھر کے اندر سے مینا کے چہچہانے اور فلک آرا کے کھلکھلانے کی آوازیں چلی آ رہی تھیں۔ وہ بھی

Scanned with CamScanner

[illegible] کے ساتھ لگی ہیں۔ [illegible] کی [illegible] جس نے [illegible]
فلک [illegible] کالے [illegible] گوری [illegible] ہے۔
[illegible] کہ یہ فلک [illegible] کی [illegible]۔

۷

[illegible] ہر وقت گھر سے کہاں تھا کہ داروغہ احمد علی خاں
[illegible] کے بعد پھر گھر میں آ جاتا۔ آخر قریب شام
[illegible] کچھ [illegible]
[illegible] طرف بیٹھ [illegible]
[illegible] آنکھوں کی چمک سے کچھ [illegible] دیر میں وہ
[illegible] احمد علی خاں سے [illegible] پوچھ، یہ
[illegible] والے آدمی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا:
[illegible]
[illegible]
[illegible] کہیں دیکھو تو پہچان لو
[illegible]

ان کے ڈھانچے کو پہچانوں تو پہچانوں۔
[illegible] داروغہ بولے، "اچھا [illegible] یہ بادشاہی [illegible] اور [illegible] پنجرے کے خریدار ہیں۔
[illegible] سمجھتے ہو؟"
[illegible] رہ گیا۔ میں نے کہا:
[illegible] آپ کہتے ہیں۔
[illegible]
[illegible]
[illegible] جیسے [illegible]
[illegible] آدمی سے بولے، [illegible] بھی [illegible]۔
آدمی نے ایک روپیہ جیب سے [illegible] کر دیا اور بولا:
[illegible] خاں [illegible] کے کہنے کو
[illegible] کوئی پوچھے [illegible] ہے۔

میں نے قسم کھائی۔ چھوٹے میاں نے مجھ سے کہا:

"جاؤ، ذرا بٹیا کو بہلا کر مینا اور پنجرا لے آؤ۔"

میں کمرے کے اندر آیا۔ فلک آرا پنجرے کے پاس بیٹھی تھی۔ میں نے اس سے کہا:

"فلک آرا بیٹی، اب اس کے بسیرے کا وقت ہے۔ چند روز کی بات ہے، بیمار ہو جائے گی۔ ہم سے ہوا کھلا کے لاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے۔"

فلک آرا جلدی سے اٹھ کر دالان میں چلی گئی۔ میں نے کوٹھری سے شاہی پنجرا نکالا۔ فلک سیما کا بھی پنجرا لیا اور باہر آ گیا۔ داروغہ چھوٹے میاں خوش ہو کر بولے

"پنجرا بدل دیا؟ اچھا کیا کالے خاں۔"

انھوں نے دونوں چیزیں اس آدمی کو دے دیں اور پوچھا:

"پنجرا پایا؟"

"پایا،" وہ بولا۔

"مینا پائی؟"

"پائی۔"

"سدھاریے۔"

آدمی دونوں پنجرے لیے ہوئے اٹھا اور روانہ ہو گیا۔ میں اس کے پیچھے چلنے کو تھا کہ چھوٹے میاں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں بولا:

"داروغہ صاحب، مینا کے بغیر میری بیٹی۔۔۔"

"فکر نہ کرو، کالے خاں، فکر نہ کرو،" انھوں نے کہا اور سامنے اشارہ کیا۔

ڈھاٹے والا آدمی واپس آ رہا تھا۔ شاہی پنجرا اس نے کمر کے چادرے میں چھپا رکھا تھا اور بالکل دھوبی معلوم ہو رہا تھا۔ قریب آ کر اس نے مینا والا پنجرا چھوٹے میاں کے ہاتھ میں دے دیا اور تیز قدموں سے واپس چلا گیا۔

سورج ڈوب چکا تھا اور چھوٹے میاں کا چہرہ مجھے ٹھیک سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ انھوں نے پنجرا میرے ہاتھ میں دے دیا۔ مجھے کچھ بے چینی سی ہو رہی تھی۔ وہ بولے:

"تمھاری مینا یہی مینا ہے، کالے خاں۔ بس ٹھنڈے ٹھنڈے بات کرو۔ نہ آپ غصے میں آؤ، نہ دوسرے کو غصہ دلاؤ۔ اور بھائی، آج سویرے سے نہ ہو جانا۔"

"سویرے سے؟" میں نے کہا، "آج وعدہ کس کو آتی ہے، داروغہ صاحب۔"

"بس بھائی، کہہ جو دیا تمھاری خیر ہے۔ بس ٹھنڈے رہنا ضرور ہے۔"

وہ واپس گئے۔ میں پنجرا لیے گھر میں آیا۔ اسے صحن کی کھڑکی میں لٹکاتے ہوئے میں نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ فلک آرا دالان کے کھمبے کی اوٹ سے جھانک رہی تھی۔ میں نے چادر سے ڈھک دیا۔ مینا

کی۔ یہیں کرتے کرتے وہ جلدی ہی سو گئی۔ میں اُسے کچھ اُٹھانے کے لیے اٹھا تو داروغہ نبی بخش نے دھیرے سے دروازہ تھپتھپایا۔

"سب تمام ہو گیا،" انھوں نے کہا، "کچھ کرو نہیں، بس چلے چلو۔ مَیا اور اس کی مینا کو لے لو۔ گھر میں کوئی اور تو نہیں ہے؟"

"کوئی نہیں،" میں نے کہا، پھر مجھے یاد آ گیا، "بس محمد تقی کی ماں ہیں۔"

"پڑوس میں؟ نہیں، نہیں [illegible] ڈولی ساتھ رہیں۔ اور [illegible] جلدی کرو [illegible]۔"

"داروغہ صاحب، گھر کا سامان؟"

"تم تو ابھی واپس آ جاؤ گے۔ بس بٹیا، اور وہ کس کی [illegible] ہیں، اُن کا سامان اٹھاؤ۔ ایک دو صندوقچے اپنے ہی رکھ لو۔"

۸

[illegible] میں [illegible] کھنڈرے سے جیسے نکلوں کے بیچ قطعے کے نشیب میں چھوٹا سا محمد علی شاہی مکان تھا۔ وہیں ہم ٹھہرے۔ صاف ستھری جگہ تھی۔ [illegible] ہوئی، دونوں کمروں میں تازہ پانی بھرا ہوا، دالان میں چوکی پر [illegible] جل رہا تھا۔ [illegible] میں نے ایک جھنگولی پر [illegible] کا [illegible] سرہانے ٹانگ دیا۔ سامان رکھنے دھرنے میں کچھ دیر نہیں لگی۔ داروغہ ہمیں اتار کر کہیں چلے گئے تھے۔ ذرا دیر میں واپس آئے۔ مجھے دروازے پر بلایا [illegible] ایک تھیلی کھول کر مجھے دی اور بولے:

"[illegible] چھوٹے میاں کی تحویل میں ہے۔ [illegible] خرچے کے واسطے یہ سو روپے لو۔ یا کچھ [illegible] دوں؟"

"نہیں داروغہ صاحب،" میں گھبرا کر بولا، "میرے تو [illegible] دیکھ کر [illegible] ہے۔"

داروغہ ہنسنے لگے، پھر بولے

"وہ [illegible] اشرفیاں [illegible]؟"

میں واقعی [illegible] اس وقت مجھ کو یہ بھی یاد نہیں آ رہا تھا کہ میں نے اشرفیاں کیا کیں؟

"داروغہ [illegible] تو پوچھتے تھے۔"

"[illegible]؟"

اسی وقت مجھے یاد آ گیا۔ [illegible] ایک تھیلے کھولا [illegible] کے غلاف میں بیٹھی ہوئی [illegible] داروغہ کی طرف [illegible]۔

"داروغہ صاحب، میں انھیں کہاں رکھوں گا؟" میں نے کہا، "ان کو اپنی تحویل میں لیجیے، خواہ چھوٹے میاں کے پاس رکھوا دیجیے۔"

اوروں پر کتنا اعتبار، کیا کروں، کالے خان،" انھوں نے کہا۔

"شرمندہ نہ کیجیے، داروغہ صاحب،" میں نے کہا، "آپ لوگ کوئی اور ہیں؟"

"شاباش ہے تم کو،" داروغہ نے کہا اور اشرفیاں کمر بند میں رکھیں، پھر بولے، "جی، کچھ نہ کہتا ہو گا، کمائی کر اپنے مکان کو سدھارو۔ رات کو وہیں رہا کرو، دن کا تمھیں اختیار ہے۔ حضورِ عالم کے آدمی گر آئیں تو دل جمعی کے ساتھ ان سے بات کرو، اور دیکھو، چھوٹے میاں کا نام نہ آنے پائے۔ وہ تو کہتے ہیں آنے ور منتر آئے، مگر سعدل آدمی ہیں، لیکن خواہی نخواہی کا تنور دکھانے سے فائدہ؟ تم خیال رکھنا۔ سمجھو وہ تمھارے گھر آئے ہی نہیں تھے۔ اچھا، اللہ حافظ۔"

رات دور تک نہیں گئی تھی کہ میں اپنے مکان پر پہنچ گیا۔ فلک آرا کے بغیر ابھی نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ بستر پر پڑ کر کروٹیں بدلتا رہا۔ دل ہول رہا تھا کچھ ہونے والا ہے۔ آخر کمرے سے لیٹا نہ گیا، اٹھ کر مکان سے باہر نکل آیا۔ دروازے کے سامنے ٹہلنے لگا۔

رات تھوڑی اور گئی تو میں نے دیکھا دو جلتی ہوئی مشعلیں میرے مکان کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ میں تیزی سے گھر میں داخل ہوا اور دروازہ اندر سے بند کر کے بستر پر جا لیٹا۔ ذرا دیر میں دستک ہوئی۔

مشعلچیوں کے علاوہ چار آدمی اور تھے۔ انھوں نے میرا نام وغیرہ دریافت کیا، دو کچھ پڑھ کے شاہی انعام کی یاد دلائی، پھر مینا کو پوچھا کہاں ہے۔

"بک گئی،" میں نے کہا۔

"بک گئی؟" ایک نے حیرت سے پوچھا، "کس کے ہاتھ؟"

"میں غریب آدمی، بادشاہی پرندے کو گھر میں کہاں رکھتا؟"

اس کے بعد ان لوگوں نے سوالوں کی بوچھار کر دی۔ مشعلوں کی روشنی سیدھی میرے منھ پر پڑ رہی تھی اور میرا ڈر بڑھتا جا رہا تھا، لیکن میں نے اپنے حواس بحال رکھے اور ہر سوال کا فوراً جواب دیا۔

"کس نے خریدی؟"

"معلوم نہیں، وہ چہرہ چھپائے ہوئے تھا۔"

"دیکھو گے تو پہچان لو گے؟"

"نہیں، وہ چہرہ چھپائے ہوئے تھا۔"

"کتنے میں بیچی؟"

"نہیں بتا سکتا، اس نے قسم دے دی ہے۔"

"کیوں؟"

"وہ جانے۔"

"چھوٹے میاں آئے تھے؟"

"کون سے چھوٹے میاں؟"

Scanned with CamScanner

اس کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی، پھر پوچھا گیا:
تو وہ بک گئی؟
بک گئی۔
پیسے کیا کیے؟ ایک نے پوچھا۔ ہم بڑے بڑے حوصلوں کے آدمی ہیں، ذرا سوچ سمجھ کر بات کرنا۔
پیسے کیا کیے، کالے خاں؟
"کچھ صرف بچا ڈالا ہے۔
تب؟
ایک روپیہ، میری جیب سے نکل گیا۔
بڑے کھلے جیب چھوڑنے لگے۔ کون مان سکتا تھا کہ ان سے صرف ایک روپیہ لے کر سونے کا پنجرا اور بادشاہی پرندہ کسی جانے آدمی کے ہاتھ میں پکڑا دیا ہوگا۔ اسی وقت کسی نے کڑک کر کہا:
کالے خاں، سوچ سمجھ کر بات کرو۔
اسی آواز کے ساتھ کئی گھروں سے آدمی باہر نکل آئے۔ میں خاموش کھڑا تھا۔ آنے والے مشعلچی سے اپنی مشعل اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔ مشعل کا شعلہ لہرایا، بولنے والے کے منہ پر روشنی پڑی۔ وہ جوان آدمی تھا۔ وہ جوان کیا، لڑکا کہنا چاہیے۔ ہلکی مونچھیں ابھی نکلی تھیں۔ صورت اچھی تھی۔ اس نے پھر کڑک کر کہا:
کالے خاں، تم اس آدمی کو نہیں پہچانتے؟
اچانک میرا ڈر ہوا ہو گیا۔
تم پہچانتے ہو؟ میں نے کہا، مجھے نہیں بتاتے۔ آپ پوچھنے والے کون؟
وہ کچھ دیر تک خاموش کھڑے کچھ سوچتے رہے، پھر ان میں سے ایک ساتھ والے کے ساتھ وہیں چلے گئے۔ لڑکا میرے قریب آ گیا۔ پوچھنے لگا کیا ہوا، کیا ہو۔
کچھ نہیں، میں نے کہا، اندازہ آ گیا ہے۔
اس نے کچھ کالا دوری بھی ... نہیں کیا۔ الٹے پاؤں پلٹ کر سوچتا رہا۔
بات بگڑ گئی، کالے خاں، آخر میں نے خود سے کہا۔
اتنا کہنا تھا کہ دوسرے دن دوسرے لوگوں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ میرے گھر سے ایجادی قفس کی ایک ننھی سی شوری برآمد ہوئی تھی۔

۹

میں بھول چکا ہوں کہ میں نے قیدخانے میں کتنی مدت گزاری۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری ساری عمر اسی پنجرے میں گزری جا رہی ہے۔ قیدیوں میں زیادہ تر لکھنؤ کے اوباش اور اٹھائی گیرے تھے، ان سے میرا دل نہیں ملا۔ سب سے الگ تھلگ رہتا۔ فلک آرا بہت یاد آتی تھی۔ کبھی کبھی تو کہیں بالکل قریب سے اس کے کھلکھلانے اور فلک مینا کے چہچہانے کی آوازیں کانوں میں آنے لگتیں، بڑی بے چینی ہوتی۔ لیکن یہ سوچ کر کچھ اطمینان ہو جاتا تھا کہ اپنی مینا کے ساتھ اس کا جی بہلا رہتا ہوگا، اور بخش اور چھوٹے میاں اس کی خبر گیری مجھ سے زیادہ کر رہے ہوں گے۔ سب سے بڑھ کر پیسے کا اطمینان تھا۔ اپنی تنخواہ تو میری سب گئی تھی، لیکن فلک مینا کی ہزار ایک اشرفی اور شاہی پنجرے کی قیمت ملا کر میرے لیے اتنی دولت تھی کہ جب سوچتا تو سمجھ میں نہ آتا تھا اسے خرچ کیسے کروں گا۔ پھر سوچتا کہ اسے خرچ کرنے کی نوبت بھی آئے گی یا قیدخانے ہی میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گا۔ کبھی جی چاہتا کہ کسی طرح پھر بادشاہ کو عرضی بھجوا دوں۔ ابھی تو میرا مقدمہ ہی نہیں ہوا تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ مقدمہ کب شروع ہوگا، اور اس کے بعد اگر قید کی سزا ملے گی تو کتنے دن کی ملے گی۔

لیکن ایک دن کچھ کہے سنے بغیر اچانک مجھے رہا کر دیا گیا۔ مجھے خیال ہوا شاید داروغہ کی منت نے منشی امیر احمد صاحب کو پسیج دیا، لیکن باہر نکلا تو دیکھا میری طرح دوسرے، شاید سبھی، قیدی چھوڑ دیے گئے ہیں۔ بڑا شور ہو رہا تھا۔ میں ایک کنارے ہو کر باہر نکل آیا اور سیدھا ست کھنڈے کی طرف چلا۔

کچھ دور تو میں اپنی دھن میں تیز چلا گیا، پھر مجھے سب کچھ بدلا بدلا معلوم ہونے لگا۔ شہر پر عجب اداسی سی چھائی ہوئی تھی۔ چوڑے راستوں پر گوروں کے فوجی دستے گشت کر رہے تھے اور میں جس گلی میں مڑا اس کے دہانے پر انگریزی فوج کے دو تین سپاہی تنے ہوئے کھڑے نظر آتے تھے۔ گلیوں کے اندر لوگ ٹولیاں بنائے چپکے چپکے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ مجھے گھر پہنچنے کی جلدی تھی اس لیے کہیں رکا نہیں۔ لیکن ہر طرف ایک ہی گفتگو تھی، رکے بغیر بھی مجھے معلوم ہو گیا کہ اودھ کی بادشاہی ختم ہو گئی، سلطان عالم واجد علی شاہ کو تخت سے اتار دیا گیا ہے، وہ لکھنؤ چھوڑ کر چلے گئے ہیں، اودھ کی سلطنت انگریزوں کے ہاتھ میں آ گئی ہے اور اسی خوشی میں انھوں نے بہت سے قیدیوں کو آزاد کیا ہے۔

اب سمجھ میں آ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوا کہ ایک پنجرے سے نکل کر دوسرے پنجرے میں آ گیا ہوں۔ جی چاہا لوٹ کر قیدخانے میں چلا جاؤں، پھر فلک آرا کا خیال آیا اور میں ست کھنڈے کی سیدھی سڑک پر دوڑنے لگا۔

گھر پہنچا تو سب کچھ پہلے کی طرح نظر آیا۔ فلک آرا پہلے تو مجھ سے کچھ کھنچی کھنچی رہی، پھر میری گود میں بیٹھ کر اپنی مینا کے نئے نئے قصے سنانے لگی۔

* * *

Scanned with CamScanner

لکھنؤ میں میرے دن، گھنٹوں تک صحنے کے اندر بندروں میں آ رہنا، ستاروں کی رُت، سلطانِ عالم کا کلکتے میں قید ہونا، چھوٹے میاں کا انگریزوں سے ٹکرانا، لکھنؤ کا تباہ ہونا، قیصر باغ پر گوروں کا دھاوا کرنا، کھنڈروں میں بند شاہی جانوروں کا شکار کھیلنا، ایک شیرنی کا چھ گوروں سے شکاری کو گھائل کر کے جنگل نکلنا، اور اس کا جیل میں آ کر داروغہ نبی بخش کو گولی مارنا، یہ سب دوسرے قصے ہیں اور ان قصوں کے اندر بھی قصے ہیں۔

لیکن شادوں جس کی ماں کا قصہ وہیں پر ختم ہو جاتا ہے جہاں ننھی فلک آرا میری گود میں بیٹھ کر اس کے قصے مجھے سنانا شروع کرتی ہے۔

**

سہ ماہی

سویرا

ترتیب: محمد سلیم الرحمٰن، سہیل احمد خاں

۱۵، سرکلر روڈ، لاہور

ادب اور فنونِ لطیفہ کا ترجمان

سہ ماہی

ذہنِ جدید

مرتب: زبیر رضوی

فلیٹ ۷، بی ۱۳۷، لین ۱۳، وکرنگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

اردو ادب کا ششماہی انتخاب

سوغات

مدیر: محمود ایاز

۸۳، تھرڈ مین، سیکنڈ کراس، ڈیفنس کالونی، اندرانگر، بنگلور ۵۶۰۰۳۸

ادبی ماہنامہ

دریافت

مدیر: قمر جمیل

بی ۵، قمر پلازا، گلشنِ اقبال، بلاک ۳، کراچی ۷۵۳۰۰

ذی شان ساحل

توہین

کسی بھی مجرم کو نہیں
[illegible] سے مت
آپ ہوا کو ایک گل میں پا [illegible]
پھر شاہی محلوں کے سارے در بے
تو آپ کی دیکھ بھال پر مقرر
سپاہیوں کا لشکر
آپ کی خوش قسمتی کی آرتی دے
تو آپ شہزادوں اور شہزادیوں
جتنے بڑے سے بڑے [illegible] لگتے ہیں
شاید آپ وزن کا بوجھ اٹھانے سے پہلے
مملکت کی حدود میں ہونے والی
کسی بھی واقعے کی ذمے داری
[illegible] کی ڈوری کا [illegible]
آپ [illegible] کی [illegible] نہیں ہوتا
صوبائی دارالحکومت میں رہنے والے
ایک عام شہری کی بیٹی کی
اجتماعی بے حرمتی
آپ کے لیے ایک معمولی

واقعے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی
لیکن پھر بھی
شکار سے واپسی پر
آپ کو گھوڑے پر بیٹھا دیکھ کے
جب لڑکی کے باپ نے
آسمان کی طرف تھوکا
تو اس کا تھوک
اس کے اپنے منہ پر گرا
سارے سپاہی ہنسنے لگے
مگر آپ نے
اس چھوٹی سی حرکت کو بھی
اپنی توہین سمجھا
کیوں شہزادۂ عالم
شہزادۂ عالم کیوں؟

فائرنگ

فائرنگ ہو رہی ہے
فائرنگ ہو رہی ہے
کرکٹ کھیلتے ہوئے بچے
گیند کے پیچھے بھاگتے ہیں
شور مچاتے ہیں
مگر گھر میں نہیں جاتے
جیسے فائرنگ ایک جدید لوک گیت ہے
جس کی دھن پر
شور مچاتے دوڑتے ہوئے
کرکٹ کھیلی جا سکتی ہے

یا پھر

Scanned with CamScanner

بچوں کو گنتی سکھانے کا
کوئی نیا طریقہ
وہ روزانہ ایک سے دس
دس سے سو
وہ بچے صفر کے سو سے ہزار تک جا پہنچے ہیں
مگر فائرنگ بند نہیں ہوتی
وہ مسلسل جاری رہتی ہے

سب پتہ چلتا ہے
بہت معمولی وجہ سے
وہ جنگ ہوتی رہتی ہے
دو دوست ایک بڑے
پتھر سے سہمی ایک ڈری ہوئی چڑیا کو مارنے کے لیے
نشانہ بازی کی مشق کر رہے تھے
یا دو بھائی چھت پر بیٹھے ہوئے
گلی کے خالی ڈبوں، شربت کی بوتلوں کو
آسانی سے نیچے لانا چاہ رہے تھے
یا دیوار پر بیٹھے ہوئے
بچوں پیڑ کے گھونسلے کو
زمین پر گرانے کے لیے
اتنی گولیاں چلائی گئیں
کہ لوگ ڈر گئے

انھیں ڈرنا نہیں چاہیے
ہم کہتے ہیں اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر
انھیں ڈرنا نہیں چاہیے
فائرنگ تو آغاز ہے
کچھوے اور خرگوش کی دوڑ کا
چوہے اور بلی کے مقابلے کا

Scanned with CamScanner

اگر آپ اسے موسیقی سمجھتے ہیں
تو پھر پوری طرح اس سے لطف اندوز ہوں
شور سمجھتے ہیں
تو اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیں
دستک سمجھتے ہیں
تو اپنے گھر کا دروازہ
دل کی طرح بند رکھیں
اور جب تک
فائرنگ ہو رہی ہے
باہر نہ نکلیں

سُرخ ہیئر بینڈ والی لڑکی

ایک ایسے شہر میں
جہاں ہر صبح
ڈرے ہوئے چہروں کا
نیا جلوس لیے
طلوع ہوتی ہے
بے دھیانی سے چائے کا پانی کیتلی میں بھرتے ہوئے
سُرخ ہیئر بینڈ والی لڑکی
کتنی سکھی لگتی ہے
آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے

ہر روز
ہڑتالوں، اندھا دھند فائرنگ
اور مایوس لوگوں سے بھری بستی میں
وہ اپنے آپ میں مگن
چاولوں میں نمک ڈالتی رہتی ہے

Scanned with CamScanner

[illegible]
پنے بھیگے، تو جھٹک جھٹک کے
خوشی
پانی کے قطروں کی طرح
پڑوسیوں میں بانٹتی رہتی ہے

پرندے اس کے فلیٹ پر سے
ہمیشہ کی طرح چہچہاتے ہوئے
گزرتے ہیں
شہر کے قریب عمارت کے بالا [illegible]
سمت سے مرمری اور سفید دھوپ
اسے چائے کی پیالیوں میں
تیرتا ہوا دیکھتے ہیں
وہ کھونٹیوں سے چپک جاتے ہیں

ان کے جانے کے بعد ستارے
ٹک ٹک کر کے
اسے دیکھنا شروع کرتے ہیں
اپنا سارا کام ختم کر کے
[illegible]

[illegible]

ایک آدمی

ہر روز
اپنے ادھورے خوابوں سے
باہر نکلنے پر
اخبار اور چائے کی پیالی لینے کے بعد
ایک آدمی
شروع ہونے والے دن کے بارے میں
سوچتا ہے

کل شام تک شہر میں
کتنے لوگ مارے گئے؟
وہ انہیں نہیں جانتا
وہ ڈاکٹر، ہاکی کا کھلاڑی،
سیاسی کارکن، دودھ والا
اور پتا نہیں کون کون

ایک آدمی زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا
اپنی توجہ شہر کے حالات سے
کسی اور طرف ہٹانے کے لیے
وہ ٹی وی کھولتا ہے
سکرین پر سرائیلی پولیس
فلسطینی عورتوں کو سڑک پر
گھسیٹتی لیے جا رہی ہے
سرائیوو کے شہری
بکتر بند گاڑیوں کی مدد سے
سڑک پار کرتے ہیں

میں ان سے زیادہ خوش قسمت ہوں

ایک آدمی سوچتا ہے اور
پھر ٹی وی کی طرف دیکھتا ہے
مائیکل جیکسن کا نیا البم
ریلیز ہو گیا ہے
اس خوشی میں ایک آدمی
ٹی وی بند کر کے
پرانے گانے گنگناتا ہے

آج اُسے کہاں جانا تھا
وہ بھول جاتا ہے
کام پر
دوستوں کے پاس
یا اپنی محبوبہ سے ملنے کے لیے
ایک آدمی ہمیشہ کیے جانے والے
وعدوں کے بارے میں سوچتا ہے
وعدوں کے پورا نہ ہونے کے خیال سے
ڈر جاتا ہے

وہ باہر دیکھتا ہے
شہر کو چلانے والا دستاویزوں پر ہے
چل پڑتا ہے

چاند نکلتا ہے
فائرنگ کی آواز آنے لگتی ہے
ایک آدمی اپنی دنیا میں
لوٹ آتا ہے اپنے ادھورے خوابوں

ہنسی

لڑکے ہنستے ہیں
اور چل پڑتے ہیں
ٹولیوں کی شکل میں

انھیں اپنے گھر کی طرف آتا دیکھ کر
نابالغ لڑکیاں رونے لگتی ہیں
انھیں روتا دیکھ کر
لڑکوں پر کچھ اثر نہیں ہوتا
وہ ہنستے ہوئے چلتے رہتے ہیں
اپنے ہاتھوں میں
پستولوں کو کستے ہوئے
بڑی بندوقوں کی نوکوں سے
دکانوں کے شٹر بجاتے
پے اپنے ہتھیار لہراتے
وہ ڈرے ڈرے
ہنستے رہتے ہیں

وہ جہاں سے گزرتے ہیں
لوگوں کے چہرے
خوف اور دہشت سے
غیر معمولی حد تک پھیل جاتے ہیں
وہ جہاں ٹھہرتے ہیں
موت اُن کے ساتھ
تھوڑی دیر کے لیے وہیں ٹھہر جاتی ہے

موت کو اتنا قریب دیکھ کر بھی
اُن کی ہنسی بند نہیں ہوتی

Scanned with CamScanner

زمین کے کونے نہیں ہوتے
وہ کھلتے ہی رہتے ہیں
وہ چھپتے ہی رہتے ہیں
ہر سمت میں بے شمار
گولیاں چلتے
ہر دیوار، ہر دروازے پر
سب سے سوراخ کرتے
سیاہ سڑک پر انسانی خون سے
[illegible]
جیسے جیتے ترو تازہ پھولوں سے بھری
قبروں کی جنت
اپنے بچے
ادھر ادھر گلیوں سے بچ
[illegible]
[illegible]
وہ ڈر جاتے ہیں

جب کبھی ان میں سے ایک آدھ کا
جیسے کسی ماتم کی مجلس
یا کسی سمت سے آنے والی گولیوں کی وجہ سے
رہتا ہے
[illegible]
ایک کانے کے پیچھے چھپنے کی کوشش میں
[illegible]
ہمیشہ کے لیے

ہر طرف خاموشی ہو جانے پر
[illegible]
زمین کے ٹکڑے، بے جان جسم کے چاروں طرف

Scanned with CamScanner

بچے سوچتے ہیں
وہ درخت ہیں
زمین کے نیچے سے بہ
موت کی ہنسی
سب تک موجود ہے

مختلف لوگوں کے لیے نظم

ہم مختلف ہیں
ہمارے سروں کے اوپر
آہستہ آہستہ اڑنے والا آسمان
ہمارے پیروں کے نیچے سے
دھیرے دھیرے کھسکتی زمین
مختلف ہے

ہماری نسّی رگوں میں
دوڑنے والا خون
سرخ نہیں سفید رنگ کا ہے
ہمارے جسموں کی رنگت گندمی نہیں
مسلسل دھوپ اور غصے کی وجہ سے
ہمارے بدن
سیاہ ہو گئے ہیں

خوف کی حالت میں ہمارا دل
ایک منٹ میں
شاید ایک سو بیس دفعہ دھڑکتا ہے
ڈھول کی طرح
دھڑکنے والے اس دل کو بجا بجا کر

Scanned with CamScanner

ہم اعلان کرتے ہیں
کہ ہم مختلف ہیں

ہمارے آباؤ اجداد
براعظم انٹارکٹیکا میں رہتے تھے
صرف اسکیمو ہی
ہمارے دکھ سکھ کے ساتھی
ہمارے قریبی رشتے دار ہیں
برف کی سلوں سے بنے گھر
اگلو
ہماری آبائی رہائش گاہ
اور پنگوئن ہمارا
قومی پرندہ ہے

ہمارے آس پاس
جب کوئی نہیں ہوتا
پنگوئن کی یاد میں ہم
رُک رُک کر چلنے لگتے ہیں
اور آنکھیں بند کرکے
تب ہم وہاں پہنچتے ہیں
وہاں جو زبان بولی جاتی ہے
ہمارے ترانے اسی کے سرد لفظوں سے
بھرے پڑے ہیں

گرم علاقوں میں
کوئی ہماری بات نہیں سمجھتا
اسی لیے جب ہم کہتے ہیں
ہم مختلف ہیں
سب خاموش ہو جاتے ہیں

Scanned with CamScanner

ہم وہی بات دُہراتے ہیں
اور دُہراتے ہی چلے جاتے ہیں
سب ہنستے ہیں اور
ہمیشہ ہنستے ہی رہتے ہیں

گھنٹی کا مسئلہ

پہلی بار جب چوہوں کی تعداد
لوگوں سے زیادہ بڑھ گئی
تو چوہے دان ایجاد ہوا
مگر جب چوہے دان میں لگائی جانے والی روٹیاں
ناکافی ہو گئیں تو
چوہے مارنے کی دوا دریافت کی گئی
مگر تبدیلی آب و ہوا
اور چوہوں کی جسمانی قوت مدافعت کے باعث
جب چوہے مار دوا بے اثر ہو گئی
تو طے کیا گیا
کہ جادوئی بانسری والے کی مدد سے
چوہوں کو لے جا کر
سمندر میں غرق کر دیا جائے
جب بانسری بجی
اور بانسری والا چوہوں کو لے کر
سمندر کی طرف چلا
تو تھوڑی دور چل کر
چوہے مست ہو گئے اور گانے لگے
وہ گانے لگے
اور بانسری والے کے چاروں طرف

Scanned with CamScanner

ناچنے لگے
مچھلیوں کے دانت کاٹنے سے گھبرا کر
بانسری والے نے
سمندر میں چھلانگ لگا دی
دریچے سے دوبارہ شہر لوٹ آئے
اب شہر کی تدبیر سے خود پر

[illegible]

ناکارہ جسموں کو
آخر کیا کہا جا سکتا ہے
شیکسپیئر کے فارمولے کے مطابق
صرف لاش

لاش کا کوئی نام نہیں ہوتا
نہ کوئی رنگ
ہم اسے زمین پر پڑنے والے دھبوں
اور سفید چادر سے
پہچان سکتے ہیں
لاش کا کوئی گھر نہیں ہوتا
مردہ خانے کی ٹھنڈک
یا زمین کی گہرائی کے سوا
اُسے کوئی جگہ نہیں دیتا
لاش کا کوئی مذہب نہیں ہوتا
اس کے عقیدے کے مطابق
آسمانوں تک صرف روح جا سکتی ہے
جسم تو بہت دن تک
پرائمری اسکول کے پیچھے
خشک گٹر ہیں
چیونٹیوں، چوہوں
یا پولیس کا انتظار کرتا ہے

اس ناانصافی پر لاش
کسی سے فریاد نہیں کر سکتی
وہ کچھ بتا نہیں سکتی
نہ اپنا نام اور نہ اُن لوگوں کا
جنھوں نے اُس کے دونوں ہاتھ
اور پاؤں باندھ کر

Scanned with CamScanner

دشمن دھوئیں سے شہر میں داخل ہوا
اب وہ پرکھنے کی پوزیشن میں نہیں

اب وہ ... ری
یا ہم اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے

اب وہ ایک لاش ہے
شہر میں چلتی پھرتی
بے شمار لاشوں کی طرح
صرف لاش

چڑیاں

یہ صحرا ہے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
یہ ... صحرا ہے
کریاں خرگوشوں کی آنکھیں
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

Scanned with CamScanner

سانپ اپنے حصے کا دودھ
کاغذی اژدہوں کے لیے چھوڑ جاتے ہیں

ہمارے علاوہ
کراچی میں چڑیاں بھی رہتی ہیں
جو گولیوں کی آواز اور دھماکوں کے باوجود
درختوں پر سے اڑتی ہیں
دیواروں پر بیٹھتی ہیں
کہیں نہ کہیں جمع ہو کر
بلاناغہ دعائیں مانگتی ہیں
یا ہماری طرح رات بھر
اپنے اپنے ٹھکانے میں چھپی رہتی ہیں
اور صبح ہونے تک
[illegible]

شہری سہولتیں

ہمارے شہر میں
جتنا خون سستا ہے
اس سے کچھ زیادہ پانی
تھوڑی دیر سے سہی
ہمارے گھروں میں فراہم کیا جاتا ہے

جتنی بار ہم
[illegible] کی مدد سے
کسی پڑوسی یا دوست کے لیے
ہنگامی امداد طلب کرتے ہیں
اس سے بہت زیادہ کا بل

Scanned with CamScanner

ہر مہینے ہمیں موصول ہوتا ہے

جتنی دیر
لاوارث لاشیں اور زخمی
مردہ خانے، اسپتال یا سڑک پر
پولیس کا انتظار کرتے ہیں
اُن سے کچھ زیادہ دیر
ہم اپنے بچنے کی دعائیں مانگتے ہیں
کئی دن انسانی جسم
حادثوں یا بیماریوں سے پیچھے رہتے ہیں
اُن سے کچھ زیادہ دن
ہم خوف سے لرزتے ہیں
بچی دیوار سے لگے
کھڑکیاں دروازے بند کرتے ہوئے
سہمے ہیں

ہماری خاموشی یا ہمارے چلانے پر
بچوں کی طرح
ہمیں بہلایا جاتا ہے
پس ماندگان کی طرح
ہمیں مرنے والوں کا
معاوضہ دیا جاتا ہے
ہمسایوں کی طرح
ہمیں دلاسا دیا جاتا ہے
دوستوں کی طرح ہمیشہ
ہمیں اپنے قریب رکھا جاتا ہے
دشمنوں کی طرح
ایک ایک کرکے
ختم کیا جاتا ہے

مرنے والوں کی طرح
جنت میں جگہ ملنے کی دعا کے ساتھ
دوسری لاشوں کے ہمراہ
اوپر سے دفن کیا جاتا ہے

قطب الدین واپس آتا ہے

اپنی خودساختہ روپوشی کے
ڈھائی سال بعد
دیر سے شروع ہونے والے مون سون میں
قطب الدین واپس آتا ہے
کوئی اسے خوش آمدید نہیں کہتا
اس کی بہنیں اسے دیکھتے ہی
دروازہ بند کر دیتی ہیں
لیکن اس کی عمر رسیدہ ماں
دوبارہ دروازہ کھول دیتی ہے
اور وہ اندر آ جاتا ہے
ماں رونے لگتی ہے
بھائی گھر سے باہر چلے جاتے ہیں
اور دونوں بہنیں اپنے چھوٹے سے کمرے میں
چھپ جاتی ہیں
بھائیوں کی طرح
وہ بھی اسے معاف کر دیتی ہیں
پھر سب ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں
اور سو جاتے ہیں
دیر سے شروع ہونے والی بارشوں کا پانی
گھر میں آنے لگتا ہے
سب گھر والوں کے ساتھ مل کر

وہ پانی باہر نکالنے لگتا ہے
غیر معمولی اُجرت پر کام کرنے والے
اُسے دیکھ لیتے ہیں
وہ اسے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں
جب گھر میں جمع ہونے والا پانی
باہر چلا جاتا ہے
بارش رک جاتی ہے
اور دھوپ نکلتی ہے
گندم کی خالی بوری میں بند
ایک بے جان جسم کی صورت میں
قطب الدین واپس آتا ہے

لو

ساری رات بارش ہوتی ہے
اور وہ پلک نہیں جھپکاتا
اپنے چاروں طرف اندھیرے کو
تکتا رہتا ہے
سارا دن دھوپ نکلی رہتی ہے
اور وہ چھتری کھولے بغیر
دھوپ میں چلتا رہتا ہے
اصل میں اس کے پاس
کوئی چھتری نہیں ہے
وہ کوئی دھوپ کی عینک
اور نہ کوئی چھوٹی سی پہاڑ
جسے جیب میں رکھ کے
وہ باہر نکلے
اور لو سے بچ سکے

Scanned with CamScanner

ہلکی اور بھاری چیزیں

ایک گولی
بہت ہلکی ہوتی ہے
گلی کے کونے پر کھڑے لڑکے کی
بندوق سے نکلنے کے بعد
دور فلیٹوں میں
کھڑکی سے لگے بازو تک پہنچتے پہنچتے
وہ اپنا سارا وزن
اپنی ساری طاقت کھو دیتی ہے
اور بازو میں سوراخ کرنے کے بعد
آگے نہیں بڑھ پاتی وہیں
رہ جاتی ہے

گولی کے بازو میں رہ جانے سے
آدمی کو بہت تکلیف ہوتی ہے
گر اس گولی کے ساتھ
دو تین گولیاں اور بھی ہوتیں
تو شاید آدمی کو اور زیادہ تکلیف ہو رہی ہوتی
وہ یہ بات نہیں سوچتا
اور کراہنے لگتا ہے
زیادہ گولیوں سے اس کی موت بھی واقع ہو سکتی تھی
وہ یہ بات بھی نہیں سوچتا
اور رونے لگتا ہے

گولیوں سے بھی کم وزن رکھنے والے آنسو
بستر کی چادر اور پروں سے بھرے تکیے میں
جذب ہو جاتے ہیں
بازو میں اٹکی ہوئی گولی کے خیال سے

Scanned with CamScanner

وہ یہ بھی نہیں سوچتا
کہ اگر اس کے بہت سے آنسو
تکیے یا چادر پر گرنے کے بجائے
ساری بندوق پر گرتے رہتے
تو ایک نہ ایک دن
اُسے زنگ لگ جاتا
یا پھر اس کی طرف گولی بھیجنے والے
لڑکے کا سخت دل
اس کے آنسو دیکھ کر
موم ہو جاتا

صرف تیرہ دن کی مہلت
[illegible]
[illegible] تیرہ دن کی مہلت
کچھ دے جاتا

شہر

تم ایک چاند ہو
تم [illegible]
مسلسل رات کاٹنے کے لیے
تھک گیا ہے
ستاروں سے ناتے جوڑتے جوڑتے
تم اکتا چکے ہو
سورج سے روشنی مانگتے مانگتے
تمہیں شرم آنے لگی ہے

اس قدر دور سے نظر آنے والے

Scanned with CamScanner

تمہارے دودھیا کنارے
مٹیالے ہو رہے ہیں
اب تمہیں پھر سے
سمندر میں اُتر کر
نہانا چاہیے

مگر جب بھی تم
اس کا ارادہ کرتے ہو
سمندر تم سے دور ہٹنے لگتا ہے
رات ختم ہونے لگتی ہے
صبح شروع ہوتی ہے

مگر کسی نہ کسی شہر میں
سات گہرے سمندروں کے پار
تم نظر آتے رہتے ہو
لوگ اس بڑھیا کو دیکھ دیکھ کے
خوش ہوتے رہتے ہیں
جو تمہاری ناہموار سطح پر بیٹھی
چرخا کاتتی رہتی ہے
ناراض مت ہونا
لوگ تمہیں دیکھ کر نہیں ہنس رہے

جب تم نظر نہیں آتے
سیاہ گہرے بادلوں
یا کسی اور وجہ سے
کئی دنوں تک
تمہارے دوست
اپنی ٹوٹی ہوئی کشتی لے کر
تمہیں ڈھونڈنے نکل پڑتے ہیں

Scanned with CamScanner

انھیں تمھاری چمکیلی ہنسی کی بھی فکر ہے
اور تمھارے چمک دار آنسوؤں کی بھی
جب یہ آنسو گرتے ہیں
وہ اپنی ہتھیلیاں آسمان کی طرف اٹھا کر
انھیں سمندر میں گرنے
یا مٹی میں جذب ہو جانے سے
روکنے کی کوشش کرتے ہیں
مگر پھر بھی ایک آدھ قطرہ
ریت کے اندر
گہرائی تک
چلا ہی جاتا ہے

ہمیں کچھ عرصے بعد پتا چلتا ہے
جب ہم چھٹی کے دن
سمندر کے کنارے
بچوں کی طرح
گیلی ریت سے بس اسٹاپ
سپر مارکیٹ، اونچی اونچی عمارتیں،
کھڑکیوں دروازوں والے بہت سے
چھوٹے بڑے گھر
بنا رہے ہوتے ہیں

اچانک انھیں بنانے کے لیے
ہمیں رنگ برنگی سیپیاں
اور چمک دار موتی
ریت میں سے ملنے لگتے ہیں

تمھاری اس مہربانی پر
خوش ہوتے ہوئے

Scanned with CamScanner

ہم اِدھر اُدھر
تمہیں ڈھونڈتے ہیں
مگر تم کہیں نظر نہیں آتے
زمیں کا چکّر لگاتے
دکھائی ہی نہیں دیتے

* *

Scanned with CamScanner

حسن منظر

ایک اور آدمی

[illegible]

چاول سے کترائی گئی تھی جنھیں وہ بے دلی سے کھاتی تھی۔ پھر ہمیں خیال آیا شاید گوشت کی کمی ہے۔ اسے مختلف قسم کے گوشت دیے گئے، انھیں اس نے بس سونگھ کر چھوڑ دیا۔ اس کا وزن گر رہا تھا اور ہمیں ڈر ہوا کہ اس کے بالوں کی چمک بھی ختم ہونے والی ہے۔ اسے مچھلی کے جگر کے تیل کے کیپسول دینے کی کوشش کی گئی لیکن اس معاملے میں وہ ہیومن ماڈلوں سے کم نہیں تھی جنھیں اکثر وٹامنز کی گولی نگلتے ہوئے متلی ہونے لگتی ہے۔ وکٹوریا کیپسول کے بعد الٹی کر دیتی تھی۔

وہ دن ڈھلے بستر پر لیٹنے کی بھی عادی نہیں تھی حالاں کہ اس کے لیے آتش دان، کمبل، تکیے، سب کچھ پڑے ہوتے تھے۔ اکثر پتا چلتا تھا وہ رات کو بہت کم سوئی ہے، وہ سستی سے کھڑکی کے پیچھے کھڑی تھی جیسے دور کی کوئی چیز دیکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ دن میں زیادہ تر وہ چاروں ہاتھ پیروں پر بیٹھی رہتی یا دیکھنے آنے والوں سے پیٹھ موڑ کر بیٹھی رہتی تھی۔ اس میں وہ کھلنڈرا پن نہیں تھا جو اس عمر کے گوریلوں یا گوریلاؤں میں ہوتا ہے، یعنی جنھیں کم عمری میں اُن کی دنیا میں سے لایا جاتا ہے۔ جس طرح انسان کے وہ بچے تھوڑے بڑے ہونے پر کھلنڈرے نکلتے ہیں جو قید خانے میں پیدا ہوئے ہوں یا ماؤں کے ساتھ جیل میں آئے ہوں۔

پیٹ جو گفتگو میں سب سے زیادہ آزادی برتتا ہے، شروع کے دنوں میں وکٹوریا کے بارے میں کہا کرتا تھا: "مرد ہونے کے کتنے نوجوان ڈینڈی (جیسے گوریلے) اس کی یاد میں ویتنام کی جھاڑی (bush) میں دم توڑ رہے ہوں گے، کتنوں نے خودکشی کی ہوگی۔ شکر ہے بیوقوفی!"

وہ ہم میں سب سے زیادہ ذہین ہے اور اس کا گوریلوں کی نسبت پچھلے دس تیس برس کا کام بہت سراہا جاتا ہے۔ وکٹوریا کے قفس سے چپکے ہوئے وہ دیر تک آنکھیں سکیڑے اسے دیکھتا رہتا تھا اور سگریٹ کا دھواں قفس کے اندر چھوڑتا رہتا تھا۔ کسی رفیق کے پاس آ جانے پر وہ وفور جذبات سے کبھی کوئی ایسی بات کہہ دیتا تھا جو صرف خوب صورت عورتوں کے بارے میں بھی نہیں کہتے ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں اسے تمام گوریلوں سے کتنی محبت ہے، کتنا وہ ان کا خیال رکھتا ہے۔

ایک دن اس نے کوفی بریک میں بڑی فکرمندی سے کہا، "وکٹوریا اپ سیٹ ہے۔"

ہم سب چپ رہے۔

تھوڑی دیر بعد آنکھیں بند کیے ہوئے اس نے کہا، "وکٹوریا عمر کی اس منزل کو آ گئی ہے جب اسے ایسٹرس (estrus) ہوتا ہے۔"

"پھر؟" کسی نے کہا۔

"حل بہت آسان ہے،" اس نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا۔ "ہمیں اس کی تنہائی کو ختم کرنا چاہیے۔"

زو میں سے آنے والے جانوروں کو ایک مدت تک دوسرے ساتھیوں سے دور رکھا جاتا ہے لیکن وکٹوریا کے معاملے میں یہ پابندی اٹھا لی گئی۔

لیکن وکٹوریا کے بچے سے، جوان ساتھی ہیکٹر کا کھلے باڑوں سے موافقت نہیں کیا، جو روؤں میں پل کر بڑا ہوا تھا اور جسے [illegible] سے کافی آزادی تھی۔ وکٹوریا کی سردمہری کی وجہ سے ہیکٹر کو دوبارہ اس کے کنبے میں بھیج دیا گیا اور معاملہ بظاہر ختم ہو گیا۔

لیکن ہمارے وہیں ساتھی نے ایک روز کوئی بریک میں اعلان کیا: وکٹوریا خاندان بڑھانے کے راستے میں ہے۔

[illegible] نیٹ کو ہمارا بار بار دینے رہے کہ اسے کہنا پڑا، مگر میں تو باپ نہیں ہوں۔ [illegible] کوئی دوسرا نہیں تھا۔

وکٹوریا کے قفس میں دوسرا [illegible] نہیں تھا۔ یہی وہ جہاں تھی وہاں دوسرے گوریلوں کی آواز [illegible] لیکن وہ پھر بھی خوش نظر آتی تھی۔ وہ دودھ، انڈے، کوچلیں اور ہری چائیں سب شوق سے کھانے لگی۔ [illegible] کا وزن بڑھ رہا تھا۔ اور ہمارے خیال میں پیٹ کا بھی۔ لوگوں میں سے کسی نے [illegible] جیسی نہیں تھی بلکہ تھوڑی سست کم چلت پھرت کرنے لگی تھی۔ یہاں تک کہ ایک دن اسے اسقاط ہو گیا اور قفس میں بڑا واویلا ہوا۔

کوئی بریک میں نیٹ نے کہا:

"[illegible] کوئی دوسری ہستی نہیں ہے۔ بیچاری ایک دم معصوم ہے۔"

پھر اس نے کہا، "ہمارے یہاں کوئی نر گوریلا موجود بھی نہیں ہے۔"

[illegible] نر گوریلا [illegible] تھی۔

نیٹ نے [illegible] کرتے ہوئے کہا، "اس وقت وہ کسی عورت کو اپنے پاس پھٹکنے دیتی؟ بیچاری شاید [illegible]۔"

[illegible] دوسرے [illegible] پر کہیں۔ اب وہ وکٹوریا کے لیے [illegible] تھا۔ [illegible] وکٹوریا [illegible] آنکھیں کی طرف سرد تھی۔ دوسرے [illegible] جو وہ سے دور لگے تھے۔

لیکن مجھے [illegible] گوریلا کی [illegible] کامیابی سے [illegible] ہے۔ جنگل [illegible] کرتی ہیں، میلوں خوراک کی تلاش میں پھرتی ہیں اور کسی کو اسقاط نہیں ہوتا۔

[illegible] (fecundity) کے [illegible] نیٹ نے [illegible] ڈاکٹروں [illegible] اپنے [illegible] ہیں لیکن جو عورت سے [illegible] رکھتے ہیں۔

[illegible] آنکھوں میں خوشی کی چمک پیدا ہوئی اور

ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کے بعد دونوں نے ایک ساتھ یہ چند جملے کہے:

ہو سکتا ہے اس کا ڈپریشن بے اولاد ہونے کی وجہ سے ہو۔

ہو سکتا ہے اس کا رحم یا انڈا سپرم کو رد کر دیتا ہو۔

گوریلا سپرم کو

ہو سکتا ہے کسی دوسرے سپیشیز کے اسپرم کو رد نہ کرے۔

"انسانی اسپرم کو۔

شوہر اور بیوی نے تجربہ کرنے والوں کی بے اختیار خوشی اور اسے جوش سے ساتھ یہ جملے کہے کہ ہم سب بھی ان کے ولولے کی لپیٹ میں آ گئے۔ یہ حقیقت تھی سور کا دل انسان کی چھاتی میں لگانے کا تجربہ کیا جا چکا تھا اور جانوروں کا اور بہت کچھ انسانی جسموں میں وقتاً فوقتاً منتقل کیا جاتا رہا تھا۔ کیا ہوا اگر وصول کرنے والے کے جسم نے اسے تھوڑے ہی دن بعد ٹھکرا دیا تھا۔ یہاں تک نہ جانے سے وکٹوریا کی جان پر تو بن نہ آتی۔ تجربہ محفوظ نوعیت کا تھا۔ لیکن نیٹ کچھ پرجوش نظر نہیں آ رہا تھا۔

وکٹوریا کا وزن تیزی سے گر رہا تھا۔ پہلے اور بچے اور انسان اس کے آس پاس پڑے رہتے تھے لیکن چاروں ہاتھ پاؤں پر چلتے ہوئے وہ انہیں دیکھ کر خوش بھی نہیں تھی۔ زیادہ وقت اس کا قفس کے جنگلے کی طرف پیٹھ کیے بیٹھے رہنے میں گزرتا تھا جیسے اسے آس پاس کی دنیا سے نفرت ہو۔ اس کا راتوں کا رونا اور بڑھ گیا تھا جو گہری گونجنے والی آواز میں دور تک سنا جا سکتا تھا۔ جس عورت کو کبھی حمل نہ ہوا ہو وہ اولاد کے لیے اتنی نہیں روتی ہے جتنا وہ جس کا حمل ضائع ہو گیا ہو۔

آخر ایک دن سیڈیٹوز (sedatives) دے کر وکٹوریا کو اوپریشن تھیٹر لے جایا گیا۔ اسے وہاں لے جاتے ہوئے میں جوڈی اور بوب اس کی ٹرولی کے ساتھ بے تابی سے چل رہے تھے۔ نیند میں ڈوبی ہوئی وکٹوریا آہستہ سے آنکھیں کھول کر بہتے ہوئے کوریڈورز کو دیکھتی تھی اور پھر آنکھیں بند کر لیتی تھی۔

اوپریشن میں خاصی دیر لگی اور ہم میں سے اکثر مذہب میں اعتقاد نہ رکھنے والے بھی اس کے ہوش میں آنے کی دعا مانگتے رہے۔ آنکھیں کھولنے پر وکٹوریا نے الٹی کی۔ پھر جسم کو ادھر ادھر سے ٹٹول کر دیکھا جیسے اسے پتا چل گیا ہو کہ اس کے ساتھ بے ہوشی میں کوئی حرکت کی گئی ہے۔

تجربہ ہماری امید کے مطابق ناکام رہا۔ لیکن تجربہ کرنے والوں کی دنیا میں ناکام تجربے بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور ان سے تجربہ کرنے والے کی امنگ اور لگن کی دھار کند نہیں ہوتی، اور تیز ہو جاتی ہے۔ سائنٹفک جرنل آف بایولوجیکل ریسرچ اور آرکائیوز آف پروبلمز ان اوبسٹیٹرکس اینڈ گائنی کولوجی میں دو مقالوں کے شائع ہونے پر ہمارے پرجوش ساتھی چند روز بے حد خوش رہے اور جیسا کہ ہوا کرتا ہے ایک تحقیقی کام دوسرے کام کی راہ کھول دیتا ہے، ایک دن ہمارے جوان سال ساتھیوں

Scanned with CamScanner

نے کہا:

"ہمیں معلوم ہے کیا غلط ہوا؟
وکٹوریا کا کوئی قصور نہیں ہے۔ قصور صرف بیکٹر یا اور دوسرے جراثیم کا نہیں تھا۔
ہم چاہتے ہیں اس دفعہ سیوکس مادہ کا انڈا استعمال کیا جائے۔"

نیٹ جو ابھی تک خاموش بیٹھا تھا، اپنی ہنسی روک نہیں سکا۔ پہلے اس نے کس کر اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر مسکراہٹ کو جو خیال اسے آیا تھا کہیں بات بن کر عورت کی موجودگی میں اس کے منہ سے نکل نہ جائے۔ پھر قہقہہ لگا کر بولا، "میں ضبط نہیں کر سکتا۔" اور معذرت کرتے ہوئے اس نے جو مشورہ دیا تھا وہ یاد دلایا اور ہنسی میں ختم کر دیا۔ لیکن ہم نیٹ کی بات سمجھ گئے اور ہنسنے لگے۔ جوڈی بھی سمجھ گئی اور اس نے بوب کو کہنی ماری کہ اشارہ اس کی طرف تھا۔ وہ اٹھارہ بیس سال کے لڑکے کی طرح جھینپ گیا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

وکٹوریا کی دونوں سخت بےزاری، اداسی میں گرفتار تھی اور اس کی کھال میں جھول پڑ گئے تھے۔

دوسرے آپریشن کے لیے سوچ بچار ہوا۔ آپریشن میں وکٹوریا کے لیے یقیناً خطرہ تھا۔ ہو سکتا تھا وہ انیستھیزیا سے واپس ہوش ہی میں نہ آئے۔ اس کے دوبارہ کیمرون بھیجے جانے کے امکان پر بھی غور کیا گیا اور ہوائی جہاز سے سفر کے خطرے اور صحراؤں میں اس کے گوریلوں کے ہاتھوں مارے جانے کے احتمال کے پیش نظر اس تجویز کو بھی رد کر دیا گیا۔ دنیا میں یہ من پسند جانور اتنے کم رہ گئے ہیں کہ ہم ایک اور جان بوجھ کر موت کے حوالے کرنے کو تیار نہیں تھے۔ یہ ہمیں معلوم تھا کیمرون میں وہ جہاں سے لائی گئی تھی گوریلوں نے نئی راہ اپنا لی تھی جن کا لیڈر شکاریوں کے ہاتھوں مارا جا چکا تھا اور باقی جانوروں میں خوف سے ہوتے ہوئے ان کے دو دو کی طرح ایک دوسرے سے لگاؤ نہیں تھا۔ ایسے کسی گروپ میں اسے چھوڑنا جان بوجھ کر اس کی قضا کرنے کے مترادف ہوتا۔ سمندری سفر طویل ہوتا اور راستے ہی میں دم توڑ دینے کی وجہ سے اس کی قبر پانی میں ہوتی جس کے لیے ہم میں سے کوئی تیار نہیں تھا۔ مختصر یہ کہ وکٹوریا ہم سب کے دل میں گھر کر چکی تھی۔

لیکن محققین کا جوش کسی چھوت والی بیماری سے کم نہیں ہوتا ہے اور ساتھ میں کام کرنے والوں کو آسانی سے لگ جاتا ہے۔ ہمیں بھی لگا اور بیماری مرض اور علم کے خلاف لگا۔

جب وکٹوریا دوسری بار آپریشن تھیٹر میں تھی، ہم سب اسی طرح باہر لاؤنج میں بیٹھے تھے جیسے کسی اپنے عزیز کے آپریشن کی کامیابی یا ناکامی کی خبر سننے کے منتظر ہوں۔ اور پہلے کی طرح ہم توجہ ہٹانے کو ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ نیٹ نے آپریشن کے وقت اندر موجود رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔

کچھ دیر خاموش بیٹھ کر ہم مختلف ملکوں کے سیاسی حالات پر گفتگو کرنے لگے اور ہمیں تعجب ہوا کہ دونوں ہم اخبار پڑھتے، سنتے اور دیکھتے تو رہے تھے لیکن جیسے ان حالات سے خود انسولیٹڈ (insulated) تھے۔ ہمارے ملک میں ایک نسلی گروہ نے دوسرے گروہ کے ہاتھوں مٹائے جانے کی

خبروں کا ہم پر کوئی زبردست جذباتی اثر ہوتا تھا: چیچنیا میں مہیب روسی طاقت کے ایک انتہائی قلیل قوم کو بے دردی سے کچلنے کا۔ جو دھیا بھارت میں چند سال پہلے ایک اقلیت کی عبادت گاہ کو ایک اکثریت والے مجنونوں نے ڈھا دیا تھا۔ اس نفرت کے جو آگ لگی تھی، وہ ابھی تک وہاں کی آبادی پر گر رہی تھی۔ پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی کا حال پندرہ بیس سال پہلے کے بیروت سے بدتر تھا جہاں وہ جنہیں زمین کے بیٹے نہیں مانا جاتا تھا اور بے اقتدار بے بس تھے، چند سالوں سے اپنے پیاروں کی لاشیں روزانہ سوکھی ندیوں کی تہوں اور سڑکوں سے اٹھانے پر مجبور تھے اور جو مار رہا تھا وہ خود اپنے قاتل تھے، اپنے ہی گھروں اور گلیوں میں دہشت پھیلا رہے تھے۔ صومالیا، عراق، لیبیا، بوسنیا ہرزگووینا، اسرائیل، کشمیر سب، جہاں جہاں طاقت ور کمزور کو ختم کر کے اپنے لیے زیادہ سے زیادہ حصہ بنا رہے تھے، عالمی خبریں تھیں، لیکن وکٹوریہ کی بڑھتی ہوئی اداسی اور گرتی ہوئی جسمانی صحت نے ہم کو سب کچھ بھلا رکھا تھا۔ اور اس وقت جب وہ اندر لیٹی ہوگی، ہم جو اس کے لواحقین تھے، باہر بیٹھے ان خبروں پر تبصرہ کر رہے تھے، جیسے آج ہی ایک ساتھ یہ خبریں سنی ہوں۔

پھر چرس، ہیروئن، کوکین اور اسلحے کے بڑے پیمانے پر اسمگل کیے جانے کی خبریں چھڑ گئیں اور فوراً ہی مزدور بچوں اور بینکاک کی طوائف بچیوں کا ذکر آ گیا۔ ہم سب ان ملکوں کے نام اپنے ذہنوں میں ڈھونڈتے رہے جہاں یہ کاروبار ہو رہا ہے اور وہاں کی حکومتوں کی پناہ سے ہو رہا ہے۔ پوچھتے ہوئے ہمیں خیال آیا کہ کولمبیا، یوگنڈا، لیبیریا کی وہ دنیا جو وکٹوریہ سے چھین لی گئی ہے، اس دنیا سے کتنی مختلف ہے جس کی خبروں سے اخبار بھرے پڑے ہیں۔ کسی نے کہا، اچھا ہے اسے خبر نہیں کہ وہ کہاں آ گئی ہے۔ اسی وقت اوپریشن تھیٹر سے پہلے میاں بیوی کی ٹیم باہر نکلی اور ان کے پیچھے ہمارا دوسرا ساتھی بیٹ اور اوپریشن تھیٹر کا عملہ۔

وکی کا اوپریشن کے دوران ایک دفعہ دل رک گیا تھا، ہمارے ساتھی نے قمیص کی آستین سے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

اب وہ کیسی ہے؟ ہمارے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

کچھ کچھ ہوش میں آ چکی ہے۔

اپنے قفس میں پہنچ کر وکٹوریہ نے دو تین بار الٹیاں کیں جن میں صرف پانی تھا اپنے بچے ہم کا جائزہ لیا اور غفلت میں چلی گئی۔

بعد کے دنوں میں وکٹوریہ سے زیادہ ہم منتظر رہے کہ دیکھیں کیا پیش آتا ہے۔ جیوں جیوں اس کا پیٹ بڑھ رہا تھا اس کا چڑچڑا پن واپس آتا جا رہا تھا۔ زیادہ اچھل کود سے روکنے کے لیے اسے سکون آور دیے جا رہے تھے۔ اب وہ کھڑی ہو کر پیروں پر چلتی ہوئی جنگلے تک آ جاتی تھی اور باہر تکتی رہتی۔ کبھی ان کھیلیں یا جو کچھ بھی دیا جائے لے لیتی تھی۔ اس کی نیند درست تھی، اس کا ہاضمہ ٹھیک چل رہا تھا، بدن کے نظام ٹھیک کام کر رہے تھے، بالوں میں بھی دوبارہ چمک آ چلی تھی۔ مختصر یہ کہ وکٹوریہ خوش تھی۔

وقت آنے پر اس کے لیے رہائی کا انتظام کیا گیا، اس لیے کہ اس وقت نہ کوئی انسان دیکھ رہا ہو، نہ کوئی جانور۔ اس کے پاس وہ شے چھپانے کو بہت کچھ تھا اور ہر وہ چیز جس کی اُسے ضرورت ہو سکتی تھی۔ اس نے قفس میں چند اور چیزیں بھی رکھی تھیں جن کی اُسے خبر نہیں تھی: چھپے ہوئے کیمرے اور مائیکروفون۔ اس رات ملگجی دودھیا روشنی میں تکلیف کے عالم میں وہ ٹہلے جا رہی تھی اور شاید جگہ کا انتخاب بھی کر رہی تھی۔ آخرکار وہ اٹھی، ایک جگہ اس نے ادھر ادھر سے اٹھا اٹھا کر لائی ڈنڈیوں، شاخوں اور پتوں کا ڈھیر کر دیا اور اس پر بیٹھ گئی۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ہمارے قیمتی منصوبے کے مطابق ہمیں ایک گھونٹ کو ترسے ہوا تھا ماتم ہماری آنکھوں میں بھر آیا۔ وہ ماں بن رہی تھی۔

وکٹوریا نے خود کو رات کے دو بجے تک اس پر تکلیف سے جوڑے رکھا۔ ہم اپنے آفس میں بیٹھے پورے عمل کو دیکھ رہے تھے اور متعجب تھے۔ وہ سب کام اس طرح کر رہی تھی جیسے اس کی عمر چھ سات سال نہ ہو دس پندرہ سال ہو اور ساری زندگی وہ بچے جنوانے ہی کا کام کرتی رہی ہو۔

تکلیف سے فارغ ہو کر اس نے روتے ہوئے بچے کو گھسیٹ کر اٹھایا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ کبھی اس کے ہاتھ بچے کے سر پر ہوتے تھے اور کبھی کانوں پر جو شاید اس کی توقع سے بہت زیادہ بڑے تھے۔ اس نے جلدی جلدی کی، بچے کی آنکھوں کو کھولا اور بند کیا، کچھ منٹ میں وہ ایک بار اُسے سونگھ اور چومنے میں لگی، روشنی کی طرف منہ کیا۔ اس وقت اس کے منہ سے وہی گونجنے والی گہری آواز نکلی جو رات کو سنی جاتی تھی جس کی ہم سے مراد تھیں، جو بچے کی گہرائی سے نکلی تھی۔

ساری طرح وکٹوریا سے ہٹ کر اس نے گرم جگہ دل پر رکھیں۔ دونوں رشتے انتہائی سے اس میں کو دیکھ رہے تھے اور ہم بیٹھے بڑے تھے کہ رہائی کی لوں کی اسٹیج کئے منٹ یا گھنٹے کی تھی۔

وکٹوریا نے بچے کو اٹھا کر پتوں اور شاخوں کے بستر پر لٹا دیا اور قفس کی پشت کی طرف جاتے ہوئے غیر مسلسل ہلکی سی چند آوازیں نکالیں۔

جب ہم نے اس کی آوازیں چابک سے ہوتے پائیں اس نے قفس میں جھانکا تو بچہ پتوں اور کونپلوں کی ڈھیری پر سو رہا تھا۔ وکٹوریا سے بڑے دن بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ شہر کے نزدیک جنگل کی رست سے کی گئی، اس کی لاش بھی ڈپارٹمنٹ کے حوالے کر دی گئی ہے۔

وکٹوریا کا ہمارا کل ۵۶۰ دن کا ساتھ رہا۔

**

افضال احمد سید

ایک افتتاحی تقریب

فوربک
بھورے اور اسکرٹ،
نیم برہنہ شانوں
اور کالی کروشیا کی بیرٹ میں
مختصر جلوس کے ساتھ
کیماڑی تک گئی

وہ اسکاچ چرچ میں رکی
اس نے دل چسپ تقریریں سنیں

صبح
سے
ٹرالیوں کے گھومنے، زرد لوہے کی چھتوں والے گودام
اور سائٹھ گھوڑوں کے اصطبل کا دورہ کرایا گیا

ٹرام وے کی افتتاحی تقریب میں
کراچی کی سب سے خوب صورت لڑکی
خوش نظر آرہی تھی

اگر اس کا کوئی محبوب ہوتا
وہ اُسے اُس دن بہت بوسے دیتی

اُس کی خوشی کے احترام میں
کرین ٹرام دے
نوّے سال تک پٹریوں پر دوڑتی رہی

اور جب
مضبوط ٹرانسپورٹروں نے
ٹرام کی پٹریاں کھدوا دیں
شہر اجڑنا شروع ہو گیا

شہر میں بہار لوٹ آئے گی

وزیر اعظم کی
فوٹوجینک مسکراہٹ کے نتیجے میں
ایڈونس کی طرح
قتل کیا گیا ہر جوان موت کی سرزمین سے لوٹ آئے گا
اور دوسرے مرنے والے بھی

صدر کے کھنکارتے ہی
دہشت گرد ہتھیار پھینک دیں گے
اور حکمران جنگ میں ملازمت اختیار کر لیں گے

سہ پہر کو
وزیر اعلیٰ کی جماہی رکتے ہی
لوگ سینماؤں اور تھیٹروں کو چل پڑیں گے
اور بچے اور نوعمر لڑکیاں ٹاپ لیس چہل قدمی کریں گی

Scanned with CamScanner

مضبوط شاخوں پر
پھانسی پانے کے بعد
ہماری آنکھیں اور زبان اُبل آنے کے بعد
شہر میں بہار لوٹ آئے گی

ہمیں بہت سارے پھول چاہییں

ہمیں بہت سارے پھول چاہییں
مارے جانے والے لوگوں کے قدموں میں رکھنے کے لیے
ہمیں بہت سارے پھول چاہییں
بوریوں میں پائی جانے والی لاشوں کے چہرے ڈھانکنے کے لیے
ایک پوری سالانہ پھولوں کی نمائش
ایدھی سرد خانے میں محفوظ کر لینی چاہیے
نامزد مرنے والوں کی
پولیس قبرستان میں کھدی قبروں کے پاس رکھنے کے لیے
خوب صورت باسکٹ میں سجنے والے پھولوں کا ایک گچھا چاہیے
بس اسٹاپ کے سامنے
گولی لگ کر مرنے والی عورت کے لیے
آسمانی نیلے پھول چاہییں
یلو کیب میں ہمیشہ کی نیند سوئے ہوئے دو نوجوانوں کو
گدگدانے کے لیے
ہمیں خشک پھول چاہییں
مسخ کیے ہوئے جسم کو سجا کر
اصلی صورت میں لانے کے لیے
ہمیں بہت سارے پھول چاہییں
اُن زخمیوں کے لیے
جو اُن اسپتالوں میں پڑے ہیں
جہاں جاپانی یا کسی اور طرز کے راک گارڈنز ہیں

Scanned with CamScanner

ہمیں بہت سارے پھول چاہییں
کیوں کہ ان میں سے آدھے مر جائیں گے
ہمیں رات کو کھلنے والے پھولوں کا ایک جنگل چاہیے
اُن لوگوں کے لیے
جو لازنگ کی وجہ سے نہیں سو سکے
ہمیں بہت سارے پھول چاہییں
بہت سارے افسردہ لوگوں کے لیے
ہمیں گم نام پھول چاہییں
بے ستر کی گئی ایک لڑکی کو ڈھانپنے کے لیے

ہمیں بہت سارے پھول چاہییں

ہمیں بہت سارے پھول چاہییں
بہت ساری، رقص کرتی بیلوں پر لگے
جن سے ہم اس بڑے شہر کو چھپانے کی کوشش کر سکیں

ہمارے لیے

بڑی نشیلی آنکھوں والی
ایک خوب صورت لڑکی
نارتھ امریکا کے ایک شہر میں
ہمارے لیے امدادی ڈنر کے کارڈ فروخت کر رہی ہو گی

ویانا کی معزز عورتیں
ہمارے لیے پرانے کپڑے جمع کریں گی
جو مارسیلز سے
کراچی کے لیے جہاز پر چڑھائے جائیں گے

Scanned with CamScanner

روادار اسلام
کراچی کے پچاس لاوارث بچوں کو
قبول کرے گا

ایک حقیر اقلیت
بنگلہ دیش میں
ہمارے حق میں مظاہرے کرے گی

سرائیوو کے استیفانووسکی سے
رجکی میں مارے جانے والوں کی ڈائرکٹری
مرتب کرنے کو کہا جائے گا

ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا

اعلیٰ لباس ڈیزائن کرنے والوں سے
اس کی محبت
اس کا ایمبروئڈرڈ بولیرو
اس کا ابدی زندگی کا مصری تعویذ
اس کی اسلام اور چاکولیٹ چپ آئس کریم سے
رغبت
اس کا عودی ور سیرو نیلی صحت پروریوں کا جوڑ
اس کے حکم پر لوگوں کو برہنہ کیا جانا
ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا

کھیل

صدرِ مملکت
آنکھوں پر پٹی باندھ کر
[illegible] میں بورڈ پر بنے گدھے کے ناک میں
اس کی دُم [illegible] سے لگانے کی کوشش کر رہے ہیں
تین لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس رہی ہیں
[illegible]
[illegible]

ایک امیر شخص کی محبوبہ
اس کے کمرے میں دبے پاؤں آنے کے بعد
اس کی آنکھیں موند کر
اسے گیس کرنے کو کہتی ہے
اس وقت [illegible] ہے

وزیرِ اعظم
آنکھوں کی پٹی باندھ کر
اپنے بچوں کے ساتھ سبزہ زار پر
بلائنڈ مین بف کھیل رہی ہیں

بہت لوگوں کو
آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر
قیدیوں کی گاڑیوں میں دھکیلا جا رہا ہے

Scanned with CamScanner

افتتاحی تختی چوری ہو گئی ہے

ایک ہزار امریکی ڈالر کی
تختی
جو ایک منصوبے کے افتتاح پر نصب کی گئی تھی
چوری ہو گئی ہے

یہ سنگین مسئلہ ہے
نامعلوم چوروں کے خلاف ابتدائی رپورٹ درج کر کے
خاموش نہیں رہنا چاہیے

اسلام آباد کو چاہیے
پانچ ہزار پولیس اور رینجرز کے سپاہی
علاقے کے محاصرے کے لیے روانہ کرے
گھر گھر تلاشی لی جائے
نوجوانوں کو گرفتار کیا جائے
بچوں کو طمانچے مارے جائیں
بوڑھوں کے سر دیوار سے ٹکرائے جائیں
ہر پسند آنے والی چیز چھین لی جائے

تختی نہ ملنے کی صورت میں
اس حفاظتی دستے کو برطرف کیا جائے
جس نے
افتتاح کرنے والی شخصیت کی واپسی پر
اس کی سیاہ مرسیڈیز کی تلاشی نہیں لی تھی

Scanned with CamScanner

ہدایات کے مطابق

وزیرِ اعظم جنوب کی طرف نہیں جائیں گی

صرف عمودی پرواز کریں گے

ذاتی گھر چلیں گے
جاپو طلبی رضا
ساڑھے بائیس ڈگری پر گھومیں گے
توپیں
گھروں سے نہیں نکلیں گے
ٹیکسیاں
زگ زیگ چلیں گی
تاریخ
پہیے کی سوئی کلاک وائز چل رہی ہے

خداوند خدا کی روح

خداوند خدا کی روح پانیوں پر چل رہی ہے
رنگین پانیوں پر
سکاٹ لینڈ سے آئے ہوئے بارہ سال پرانے پانیوں پر
خداوند خدا کی روح دوڑ رہی ہے
رقص کر رہی ہے
قلابازی کھا رہی ہے
بانہیں پھیلا رہی ہے
طلائی بوسے دے رہی ہے

یک شخص کے حوصلے کو برقرار رکھنے کے لیے
نے صبح
اپنی آقا کی جگہ
ایک باقی پاس کا افتتاح کرنے جانا ہے

ایک لڑکی

مذمت کی انتہا پر
اُس کی سسکیاں
دنیا کے تمام قومی ترانوں سے زیادہ
موسیقی رکھتی ہیں

جنسی عمل کے دوران
وہ کسی بھی ملکہ حسن سے زیادہ
خوب صورت قرار پا سکتی ہے

اُس کے بو پرنٹ کا کیسٹ
حاصل کرنے کے لیے
کسی بھی فسادزدہ علاقے تک جانے کا
خطرہ لیا جا سکتا ہے

صرف اُس سے ملنا
ناممکن ہے
پاکستان کی طرح
بالد فاروقی کی
پولیس کی تحویل میں ہے

* *

Scanned with CamScanner

محمد انور خالد

نظم

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] موجود ہے
[illegible]
[illegible]
[illegible] موجود ہے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] گئے ہوئے
[illegible]
[illegible]

ایک گرتی ہوئی اینٹ کھسکی ہے دیوار سے
اور بچا لیتی ہے ہم سے کتنے ہی اہلِ قلم کو
جو ہر صبح لکھتے ہیں دیوار پہ
میں نے فرمان کے حاشیے پر لکھا "مسترد
اور ہر صبح اک اینٹ کھسکی ہے گرتے ہوئے
جھوٹ اس بار تک ٹھیک ہے

نظم

اب ایسے بھی کوئی دن اور جی لیں گے
سڈیروں پر جو سوتے ہیں انہیں کروٹ بدلنا کیا ضروری ہے
ہم ایسے ہی کوئی دن اور جی لیں گے
پرانی گنبدیوں کے بیچ اکڑوں بیٹھ کر
جب آخری تحریر لکھی جا رہی ہو
آخری لشکر گزر کر جا چکا ہو
آخری دن کی گواہی کے لیے بس ضروری ہو
ہم ابھی سخت جانی ہیں کوئی دن اور جی لیں گے
گھڑی اونچی جگہ آویزاں رکھو
پپوٹے بند کر دو ساری آنکھوں کے
کھلی آنکھیں گواہی کی ضمانت تو نہیں ہیں
ہم کہیں ہوں گے
یہ ممکن ہے کہ سب کچھ بس یونہی تا عمر رہ جائے
سو ہم بھی جیسے جتنا ہو سکے گا خود ہی جی لیں گے
کہیں وحشت نہیں ہے خیر و شر کے درمیاں تفریق کرنے کی
ہم ایسے ہی کوئی دن اور جی لیں گے
سڈیروں پہ جو سوتے ہیں انہیں کروٹ بدلنا کیا ضروری ہے

Scanned with CamScanner

نظم

۱

آموختۂ فساد کا مجنوں سنا ہے کل
اس کو خبر ہے کوچۂ لیلیٰ میں کیا ہوا
پتھر کی چوٹ سر پہ رہی دو کہ پیشتر
تب وہ رہے پاس کا پتھر کہ دور کا
ہر ہر بلند ہاتھ ہو پتھر کے واسطے
اک ساتھ کتنے لوگ بڑھیں سنگ کے لیے

اس بات سے فساد اٹھایا ہجوم میں
اس نے تو کچھ کہا بھی نہیں اور پڑ گیا
اس بات پر غبار اٹھایا ہجوم نے
اس نے تو پاؤں بھی نہ اٹھائے زمین سے
اس بات سے گماں اٹھایا ہجوم میں
وہ مطمئن ہوئے کہ ضرب کام کر گئی

پھر دیر تک حساب رہا سنگ و دست کا
[illegible]
جو ہاتھ رو رہے تھے غلط ہی لیے لیے
پھر دیر تک حساب رہا سنگ و دست کا
پھر اس نے ایک آخری کروٹ زمیں پہ لی
پھر اس نے دیر تک ہی دیکھا کہ دیکھنا
بے سود تو نہیں تھا کہ اس دیکھنے کے ساتھ
[illegible]

اس بات سے قتال مچایا ہجوم میں
پھر وہ ہوا کہ جس کی خبر بس اسی کو ہے
آموختۂ شہر کو بس انتظار ہے
آموختۂ فساد کا مجنوں سنا ہے کل

نظم

پہلے جی بھر کے دیکھ لینے دو
پھر کہانی بھی میں سناؤں گا
رات جنگل کی شاہزادی کو
ایک کمسن اداس چرواہا
اصطبل میں گھسیٹ لایا تھا
یہ کہانی بھی میں سناؤں گا
پہلے جی بھر کے دیکھ لینے دو
اس کی آنکھوں نے دن نہیں دیکھے
اس کو بارش اداس کرتی تھی
اس کو دلدل سے خوف آتا تھا
یہ اسی واپسی کا تحفہ ہے
ورنہ جنگل میں کیا برائی تھی
ایک کٹیا تھی اک بچھونا تھا
اور جنگل کی شاہزادی کو
ایک کمسن اداس چرواہا
اصطبل میں گھسیٹ لایا تھا
یہ کہانی بھی میں سناؤں گا
پہلے چہرہ تو دیکھ لینے دو

**

Scanned with CamScanner

محمد انور خالد

کی نظموں کا پہلا مجموعہ

ریت آئینہ ہے

قیمت: ۱۳۰ روپے

عمارہ پبلیکیشنز:
بی ۳۹، سیکٹر ۱۱ بی، نارتھ کراچی ٹاؤن شپ، کراچی ۷۵۸۵۰

افضال احمد سید

کی نظموں کا مجموعہ

دو زبانوں میں سزائے موت

قیمت: ۵۰ روپے

آج کی کتابیں

افتخار جالب

زیست کا کوڑا ملبہ

اسے ہوش مت نہ دیکھ سے
آدابِ سفارت کی بحالی کا ارادہ باندھا
ورنہ نام ایک نئے دور میں داخل ہو گا
صحت و حرمت و کبریٰ دونوں ہیں
کوئی قلّت ہے تو بس اتنی کہ
الفاظ کی ناداری ہے!
وہ زباں --- جس میں تو نفیس جواں
قیاجو جوگی رن وجوگی رن وجوگی گاتے
سارے عالم کے لیے قبلۂ امید بنے
سر لگی شیریں دہن چشتی نہیں
ادیدا کریں کہ چشتی ہے، کیسی فراوانی؟
کہ حلقوم تو حلقوم ہے: پابندی میں پاگل سا جگاڑ
دیکی سلیٹنگ ن نے لب و بیدو لہ مس کی مریاست کو
تحقیر کرتا ہے
شیر بکری کے نئے گھاٹ دوارے، آرے
ورلڈ آرڈر کے حیرانہ طلسمات نے ڈیرے ڈارے
ہم تہی دست تو پہلے ہی سے تھے، دیکھیے، مشہور فن
شیر و شکر ہوئی زبانوں کا جلن،

Scanned with CamScanner

ڈ بہت دلداری کا شکوا گیا
ماکسک ویسٹ میں تبدیل کیے دیتی ہے، تا حدِ نگہ زیست کا کوزۂ طلب
-- ہیروشیما سے دمِ عیسیٰ کا ہر لفظ نیا کیوں نہ کہوں؟
پھول کھلے، تازہ زباں
دیے سے لٹ ہاتھوں پہ آج ہے، سرکار ادھر دیکھیے
یہ کون جواں، رقص میں گلنار ہی گلنار، تر و تازہ

* *

سعید الدین

نظم

یہ آنکھ میری طرف اُٹھ رہی ہے
یہ آواز مجھ سے مخاطب ہے
یہ لفظ میرے لیے لکھے گئے ہیں
یہ گولی میری طرف آ رہی ہے
یہ قبر میرے لیے کھودی جا رہی ہے

یہ روٹی میرے لیے نہیں پکائی جا رہی
یہ لڑکی میرا انتظار نہیں کر رہی
یہ دریا میرے پاس سے نہیں گزرا
یہ پھول میرے لیے نہیں کھلا
یہ خط میرے نام نہیں آیا

جو آدمی یوں زندہ ہو
اس کی ہلاکت کا ذمے دار کون ہے؟

Scanned with CamScanner

بُل ڈوزر

شہر کی ایک مصروف شاہراہ کے کنارے
کھڑا کیا گیا ہے ایک بل ڈوزر
میونسپلٹی والے شاید سڑک کی توسیع کے لیے
اس سے کام لیں گے
جس پر سخت دھوپ اور بارش کے دن ہیں
ایک کتیا اس دیو ہیکل مشین کے خفیہ کونے میں
اپنی دوپہر گزارتی ہے
ایک بچہ اسکول سے واپسی پر
روز اسے حیرت سے دیکھتا ہے
پولیس پر پتھراؤ کرنے والے
آنسو گیس اور گولی سے بچنے کے لیے
اس کی آڑ لیتے ہیں
پھر بھی چار مارے جاتے ہیں

دیو ہیکل مشین اب وہاں نہیں ہے
نہ اس کو تکنے والا بچہ ہے
نہ پولیس ہے
کتیا نے بھی کہیں اور پناہ لے لی ہے
سڑک کشادہ کر دی گئی ہے
اور ہموار بھی
چار آدمیوں کی ہڈیاں اور خون کی تہہ
تارکول کے نیچے ہے

تفتیش

پہلے ہم ہنسے
پھر روئے
پھر کانپنے لگے
اب ہمارا وجود [illegible]

بعض آبی کیڑوں کی طرح
ہماری نس نس
عصابی ریشے
اور نازک عضلات
صاف دکھائی دیتے ہیں

ہم ہر چیز کو راہ دیتے ہیں
روشنی کو
اندھیرے کو
خوف اور نفرت کو
اس لیے بعض اوقات
کئی ہزار سرچ لائٹس،
ٹیلی لینسز
اور طاقت ور راڈار کے استعمال کے باوجود
ہم غائب ہو جاتے ہیں
اب ہر چیز ہماری پناہ گاہ ہے
کبھی کبھی تو ہم
ہمیں تلاش کرنے والوں کی آنکھوں میں چھپ جاتے ہیں
تب انھیں بہت جھنجلاہٹ ہوتی ہے
اور ہمارے نام پکار کر
ہماری تلاش از سر نو کی جاتی ہے
لیکن ہم پھر بھی نہیں ملتے

کبھی کبھی ہم اپنے آپ کو
تازہ خون کی شکل میں
سامنے لے آتے ہیں
تشخیص کے
[illegible]

خانہ جنگی

ساری خانہ جنگی کے دوران
اس نے اپنی بیوی کے ساتھ
کثرت سے مباشرت کی
کثرت مباشرت
یا بارود کی بو سے
حمل ہر بار ساقط ہو جاتا
[illegible]
اس کے منہ سے مسلسل سے الفاظ نکلتے
جو اس کی بیوی
اور فساد زدہ شہر سے
یکساں مطابقت رکھتے تھے
خزاں کے سرد وہ جھیلا جاتا
[illegible] تبدیل [illegible]
شیو بنائے بغیر گھر سے باہر نکل جاتا
اس کے مارے جانے کے دن
اس کی بیوی حاملہ تھی
اور متصادم گروہ
سمجھوتے کی میز پر

اُس کے پاؤں بہت خوب صورت ہیں

سبز قطعۂ زمین پر
ریت پر
اور بادلوں میں
اس کے پاؤں بہت خوب صورت ہیں

اگر وہ آگ میں چلنا شروع کر دے
تب بھی اس کے پاؤں خوب صورت ہوں گے
اگر سمندر میں اتر جائے تب بھی
اور تب بھی
جب اس کے پاؤں قطع کر دیے جائیں
یا ان میں کیلیں ٹھونک دی جائیں

میری آنکھیں نکال لی جائیں
تب بھی میں چھو کر
اس کے پاؤں شناخت کر لوں گا
وہ ایک بار اپنا پاؤں
میرے سینے پر رکھ کر گزری ہے

پاگل

ٹارچر کے بعد قتل کیے گئے شخص کے
ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے
یہ خبر بہت جلد
دوسری کئی افواہوں کے ساتھ
شہر میں پھیل گئی

Scanned with CamScanner

شہر کے پانچ پاگلوں کو بلوایا گیا
جو ایسے اجتماعی دل چسپی کے امور پر
عارضی طور پر متفق ہو جاتے ہیں
پانچوں نے متفقہ طور پر شرٹ کی تصدیق کی
اور خوف اور حقارت سے ایک دوسرے کو دیکھا

مرنے والا کس گروہ سے تعلق رکھتا تھا
اس کی ٹھیک سے تصدیق نہیں ہو سکی
لیکن پانچوں پاگلوں کے خوف زدہ ہو جانے کے
فوری ردِ عمل سے صاف ظاہر تھا
مرنے والا ان میں سے نہیں تھا

Scanned with CamScanner

ثروت زہرا

ہٹ

یہ ساحلوں کی بھر بھری ریت پر
کھڑا ہوا ایک مکان تھا
جسے آپ نے ہر بار اپنا سفر سپرد کر کے
ایک سرائے بنا دیا ہے
یہ ایک ہٹ ہے
جو چند سکوں کے عوض
وقت کی پیمائشوں کے مطابق
آپ کو تسکین دے رہی ہے
جو ساحلوں کی پچھاڑ دینے والی ہواؤں سے
لڑتے لڑتے بے رنگ ہو چکی ہے
کئی جگہ سے اس کی چھت اور دیوار کا
پلستر بھی اکھڑ چکا ہے
اور اس کے دالان کے چند ایک چھپر تو
زمیں کی طرف کو، شرم سے نگاہیں نیچی کر چکے ہیں
مگر ہوا
متواتر اسے گالیاں دے رہی ہے
جس کی دیوار پر، ہر آنے والے نے
اپنی یادگار ثبت کرنے کے لیے

Scanned with CamScanner

دلوں کے درمیان اپنا نام کرید کر
اسے گھر بنانے کی کوششیں کی ہیں
مگر محبتوں کے اعتبار کی اس کرید میں
اس کی دیوار کب کی دفن ہو چکی ہے
اس کے باورچی خانے میں
آپ کی بچی ہوئی روٹیوں کے چھوٹے ٹکڑے
اور جھوٹے برتن لڑھک رہے ہیں
[illegible] سے بچے ہوئے [illegible] ملتی ہے
یہاں [illegible] ہر چیز کی کوئی مستقل جگہ نہیں ہے
[illegible] کا وقت
[illegible] آپ سے پہلے قدموں [illegible] ملتی ہے
اور اس کے کواڑ
اجنبی دستکوں کو سنتے سنتے اتنا تھک چکے ہیں
کہ اب ان کے خوف سے
خود کو بند نہیں ہونے دے رہے ہیں
مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ جیسے
یہ سمندروں کے خوفناک شور میں
بہت مضطرب ہے، اور بہت دور
بھاگ جانا چاہتی ہے
مگر سمندر اور شہر کے درمیان کے
کسی وقت میں پھنس
ریت کی ہو چکی ہے

ورثہ

زندگی کو آدمیوں سے محبت ورثے میں ملی ہے
اور آئینے میں اس کے محبوب کا عکس
منجمد کر دیا گیا ہے

زندگی آئینے کے عکس کو دیکھ سکے گی
اور عکس کے منجمد زاویوں پر
اپنے ہونٹ رکھ سکے گی
مگر اپنے محبوب کی حرارتوں کو چھونے کے لیے
اسے آئینہ توڑنا پڑے گا
اور زندگی کو
آئینوں سے محبت ورثے میں ملی ہے

ہوائیں حاملہ ہیں

کبھی وہ حرف بننے کی صدا
اڑتی ہواؤں نے
چرالی تھی
مگر اب ساتھ اڑتی تتلیوں سے
اور پرندوں سے
نگاہیں وہ چراتی ہیں
بہاروں میں بھی اب وہ
لجاتے ہوئے چلتی ہیں
نہیں اب اپنی ہیئت ایسی حالت پر
بہت تشویش ہے کرب
ہوائیں حاملہ ہیں
مرے کانوں میں ان کے درد کی آواز
گونجیں دے رہی ہے
وہ میرے در پہ دستک دے رہی ہیں
نہیں میری ضرورت ہے مگر
خاموش ہوں میں
اور میرے شہر کے سارے مسیحاؤں نے بھی
چپ سادھ رکھی ہے

Scanned with CamScanner

مگر ہم سب اسی کی فکر میں ہیں
ہمیں اب خوف ہے کہ اس
انا کی ایک زنجیر ہے
ہمارے شہر کا کیا کچھ لٹے گا
ہمارے شہر کو کیا کچھ سہے گا

صداؤں کا سمندر

میرے وجود میں
صداؤں کا سمندر ٹھہر گیا ہے
میری آنکھ کسی خواب سے
جسم چٹخنے کی گونج دے رہی ہے
اور میں اسی کوک سے
خاموشیوں کے ٹوٹنے کی آواز
سن رہی ہوں
اور میری آنکھوں کی پتلیوں سے
میرے حرف بے پر رہے ہیں
میرے خون کی روانیاں
میرے جسم کی نالیوں میں سے
کسی بہتی ہوئی موج کی طرح
اپنے ساحل کو پکارتی ہیں
اور میری سانس
میرے احساس کے رنگ سے بدل جا رہی ہے
جیسے ویران جزیروں کے درمیان سے
گزرتی ہوئی ہوا
سنسنے دشتوں کے بجتے ہوئے ساز

اپنے جسم کی بوسیدہ دیوار سے

کان لگائے ہوئے
ان صداؤں کو بغور سن رہی ہوں
اور شاید انھیں میں بہہ رہی ہوں

ڈرو نہیں

ڈرو نہیں
میں اپنی کوکھ کو سنبھالنا
خوب جانتی ہوں
مجھے پتا ہے کہ خوفِ رسوائی،
خاندان اور معاشرہ
حفظانِ صحت کے ایسے اصول ہیں
جن سے میری کوکھ جاگ نہیں سکے گی
ڈرو نہیں
میں نے اپنے شعور کا ڈی ڈی ٹی چھڑک کر
اپنی کوکھ کو پاک کر لیا ہے
ڈرو نہیں
میں نے اپنی کوکھ کو
اپنے جذبوں کی زنجیر سے باندھ کر
اسے قید کر لیا ہے
اور زنداں میں داخلے کی منتظر
روشنی کی ہر دراڑ کو سی لیا ہے
اور اب بھی اگر کہیں
میرے وجود نے
کوکھ سے فرار ہونے کے لیے
کوئی سرنگ کھود لی
تو میں اپنے جذبوں کی مٹی سے
ہر دہانے کو پاٹ دیا کروں گی

Scanned with CamScanner

ڈرو نہیں
میں اپنے قید خانے کی ہر صدا کو
چند دو پہروں کے بعد
نچوڑ کر پھونک دیا کروں گی
اور اگر کبھی میرے خواب و خیال نے
تمہاری حد میں ہاتھ پیر نکالنے شروع کر دیے
تو ہم اپنے خوابوں کا
ابورشن کرائیں گے

Scanned with CamScanner

آصف فرخی

شہر بدری

شور تھوڑی دیر کے لیے بھی نہیں رکتا اور وہ ایک ایک کر کے جانے لگتے ہیں۔ وہ اپنی چیزیں سمیٹتے ہیں اور وہاں سے چلے جاتے ہیں۔

کوئی الوداع نہیں کہتا۔ کوئی کچھ بھی نہیں کہتا۔

وہ بھی کچھ نہیں کہتے۔ ان کے جانے سے کتابیں نہ زور سے بند کرنے، ڈیسک پیٹنے، پیر پٹخنے کی وہ آوازیں سنیں آتیں جو ہر بار آدھی چھٹی کی گھنٹی بجتے ہی بھگدڑ سی مچا دیتی تھیں۔ نہیں، اس طرح کی کوئی بات نہیں۔ سب آزاد ہو گئے، وہاں سے وہ ایک ایک کر کے گم ہوتے گئے اور چہروں کی قطار میں خالی جگہ رہ گئی جہاں اس سے پہلے وہ تھے۔

ایک دم سے دیکھو تو پتا چلتا تھا: ارے، یہاں تو وہ ہوتا تھا۔۔۔ وہ۔۔۔ بھلا سا نام ہے اس کا؟ اور وہ، اور وہ۔۔۔ ارے سبھی کہاں چلے گئے سب کے سب؟ ایک خلا سا رہ گیا اُن کی جگہ جو فوراً نظر بھی نہیں آتا۔

لیکن یہ سوال کوئی نہیں پوچھتا۔ یوں بھی شور بہت ہے۔ ہاتھ ہوا میں تیار بیٹھے ہیں، اسکول کا بینڈ زور و شور سے اس دھن پر اپنی ریہرسل جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ اسکول کا گیت نہیں ہے، تم کو ٹھیک سے یاد ہے اور تمہارا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ بات بہت بگڑ گئی ہے۔ کاش یہ سب محض ایک خواب ہو۔ لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ انگلی تمہاری طرف اشارہ کر رہی ہے۔ شرمندگی اور پشیمانی کے بوجھ تلے تم اس وقت دب بھی جاؤ گے تب بھی زمین نہیں پھٹے گی کہ تم اس میں سما جاؤ۔ میگزین والے کاؤنٹر پر دستاویز بہت جانچنے والے افسر کے درشت چہرے کے خدوخال، لوس ہوتے لگتے ہیں اور تمہارے دیکھتے دیکھتے وہ مسٹر سنکھم کی بھاری آواز میں پکارنے لگتا ہے: سری آپ، کہاں ہے ٹکٹ! تو

[illegible]

خواب میں دکھائی دے رہا ہے۔

[illegible]

[illegible]

مینڈک نہیں تھا تو پھر کیا تھا؟ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ابو سے بھی پوچھا تھا میں نے۔ یہ لوگ مچھلی کھاتے ہیں اس لیے ان کے دماغ تیز ہو جاتے ہیں، وہ کہتے تھے۔ مچھلی اور مینڈک کا یہ تعلق میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ مچھلی تو ہم بھی کبھی کبھار کھاتے تھے، بلکہ جاڑوں میں جب خشک ہوا سے کھال پھٹنے لگتی اور ہونٹ پھٹ جاتے اور پھر بھی اگر سکول جانا ضروری ہو جاتا تو امی ہمیں سنہری رنگ کی ایک گولی روز کھلاتی تھیں۔ مچھلی کے تیل کی گولی ہے یہ، وہ ہمیں بتایا کرتی تھیں۔ اس کی شیشی پر کھلے بادبان کی کشتی بنی ہوتی اور اس کے اوپر سنہری حروف میں لکھا ہوتا: سات سمندر۔ ہوتی ہو گی اس میں طاقت، مجھے اس کی بو سے نفرت تھی۔ اس لیے کہ ایک دفعہ میں نے چبا لیا تھا اسے اور کتنی ہی دیر تک اس کی کڑواہٹ حلق میں کھٹکتی رہی تھی کہ آج تک بھلائے نہیں بھولا وہ مہک اور کڑواہٹ۔ گولی منہ میں رکھ کر پانی کے گھونٹ کے بعد ہاتھ دھوتے ہوئے اگل دیا کرتا تھا۔ یہ میرا ڈر تھا۔ اس کا سکول سے، مسز [illegible] کے دیے ہوئے ہوم ورک سے یا کلاس میں آگے ڈیسک پر بیٹھنے والے عبد الباسط سے بھلا کیا تعلق ہو سکتا تھا، یہ سب میرے دماغ میں گڈمڈ ہو گیا اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ مچھلی وہ بہت شوق سے کھاتا تھا، میں نے اس سے پوچھ لیا تھا۔ پھر ایک وقت میں نے اسے مچھلی کھاتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ سکول ڈے کے ساتھ فوڈ فیسٹ تھی اور ہم سب بچے اپنے گھروں سے پکا کر لائے تھے تو ہیڈ ماسٹر کے حصے کے ساتھ والے ہال میں ڈائننگ ٹیبل پر سجا دیا گیا تھا۔ رنگین قمقموں میں سکول بھی مختلف لگ رہا تھا اور میرے دوست دیکھے ہوئے سے لگ رہے تھے۔ تب اس نے روٹی پلیٹ میں نکال کر شوق سے کھانے لگا کہ کسی نے ٹہوکا دے کر میرے کان میں کہا! دیکھو وہ عجیب بات ہے، مچھلی کھا رہا ہے بھوکا کہیں کا! ڈائننگ ٹیبل پر ایک بڑی سی قاب میں فش فرائی بھی تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ عبد الباسط نے میرے دیکھتے ہی دیکھتے مچھلی کا ایک بڑا ٹکڑا روٹی پر رکھ لیا۔ پھر بڑی صفائی سے اس کے کانٹے نکال نکال کر اپنی پلیٹ میں ایک طرف رکھنے لگا۔ مجھے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر وہ مسکرایا اور ہاتھ ہلا کر سلام کرنے لگا۔ میں نے جواب دیا۔ وہ پھر مزے سے کھانے لگا۔ اتنی ہی صفائی سے جیسے ہوم ورک مکمل ہوتا تھا؟ وہ تو مینڈک! وہ کہتا تھا۔ میں اس کی طرح ہونے کی کوشش کرتا تو کتنا کھا پاتا؟ کانٹا منہ میں رہ جاتا ہے یا میں اس کو کھاتے ہوئے ہوں گا، اس کی صفائی سے بولنے کے دوران حلق میں گدگدی سی ہونے لگتی ہے۔ میں اس کی طرح ہو نہیں سکتا۔ میں اس کی طرح کیسے ہو سکتا ہوں؟ ایک لمحے کے لیے خیال آیا کہ میں بھی اس طرح مچھلی کھاؤں تو سب ٹھیک ہو جائے گا اور میرے لیے بھی جیتے جاگتے مینڈک بن جائے گی۔ لیکن یہ خیال میں نے خود ہی ذہن سے جھٹک دیا۔ روٹی کا سوکھا لقمہ جیسے خود بخود حلق میں اٹکنے لگا۔

فیسٹ کے ختم ہونے کی گھنٹی بجی اور ہم کلاس روم میں قطار بنا کر کھڑے ہو گئے۔ اس بار اتفاق تھا کہ گھنٹی بجنے پر ہمیں کلاس روم میں جانا تھا جہاں ایک اور مشکل بحث میرا منتظر ہوتا، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میٹنگ ختم ہو اور بچے اپنے بڑوں کے ساتھ گھر واپس ہو جائیں۔ آج کی وہ مسز کی باتیں سن رہے ہوں گے، مجھے خیال آیا اور میں پڑھ۔ میرے آگے عبد الباسط کھڑا ہوا تھا۔

بالکل جس طرح کلاس میں ڈسکس کی ترتیب میں وہ پہلے آتا تھا۔ مس کی ہی پہلے باہر آئیں۔ دور سے لگتا
تھی [illegible] وہ [illegible] کی ہوں گی۔۔ [illegible] ٹک اور ہلکی سکرٹ۔ [illegible] سے ساڑھی باندھی ہوئی تھی جس
سے سرسراہٹ کی آواز آ رہی تھی جب وہ لڑکوں کی قطار کے درمیان چلتی ہوئی عبدالرحمن کے پاس آئیں۔ وہ
ان کے پاس ٹھہرتی ہوئی [illegible] سے کچھ بتا رہی تھیں۔۔ شاید یہی کہ مسز [illegible] نے کلاس میں اس کے کام کی
تعریف کی ہے۔ لیکن مجھے کچھ [illegible] ۔۔۔ مجھے ایسا لگا کہ [illegible] کی صبح سے [illegible] جانی
[illegible] پہچانے سنگار کر رہے ہیں [illegible] بارش [illegible] سے پڑھنے کے لیے آ گئی ہیں۔۔ گرم گرم
[illegible] ٹوٹ [illegible] ۔۔ [illegible] جیسے ہوا [illegible] ریز بوسے اٹھا دیا ہے۔۔
[illegible] اور ایک عجیب سی مہک [illegible] پھیلتی جاتی تھی۔
[illegible] ہتھیلیاں [illegible] بتاتے تھے۔ [illegible] دھوپ کی
[illegible] کی طرف سے [illegible] الفاظ [illegible] آئینہ
[illegible] جیسے میری جیبی گاڑی [illegible] اور میں الفاظ درست کرنے لگتا ہوں تو کبھی
[illegible] کی شکل سے [illegible] وہ [illegible] میرے ذہن
میں [illegible] ہے۔ [illegible] مجھے [illegible] ہتھیلیاں کے
[illegible] آتی؟) وہ [illegible] ہتھیلیاں [illegible] تھی اور عبدالرحمن کی [illegible]
سے [illegible] آئینہ [illegible] کیا یہ [illegible] کا کمال ہے؟ مجھے خود ہی اس بات
پر ہنسی آ گئی تھی۔

وہ [illegible] مجھے معلوم [illegible] جس طرح کلاس [illegible] لڑکوں کو ایک دوسرے کا پتا تھا۔
میں اس سے [illegible] کلاس [illegible] سے پہلے نہیں ہوتا تھا۔ وہ دن یوں ہی مشکل تھا اور ویسے
ہی مشکل [illegible] گئے تھے۔ [illegible] ٹی وی دیکھنا کافی کم کر دیا تھا۔۔ ٹی وی پر یوں بھی اور طرح کے
[illegible] رکھ [illegible] مسجد [illegible] اور [illegible] گیا۔
میں [illegible] رکھیں۔ [illegible] نہیں ہوگی؟ [illegible] میں لیا ہو گیا ہے تو سب کو [illegible] پڑھنا ہے
[illegible] نہیں آتا تھا۔ پہلے سے زیادہ [illegible] رہتا تھا۔ [illegible] پہلے [illegible]
[illegible] عبدالرحمن کی [illegible] سے [illegible] دیتی ہیں وہ مجھے
سکھاتا بھی تھا۔

[illegible] مجھے [illegible] کلاس روم کے ایک کونے
میں لے گیا [illegible] تھوڑی [illegible] گئے [illegible] ہے۔ [illegible] یاد کرو [illegible]

[illegible] نہیں ہوں۔

[illegible] اشتیاق [illegible]

[illegible] سے کہا۔

"کیا؟" میں حیران رہ گیا۔

"ہاں بوڈماس۔ مسٹر پے ڈیمبی کہتے ہیں یہ یاد رکھ لو، پھر کسی پیپر کے سوال غلط نہیں ہوں گے۔ بریکٹ، آف، ڈویژن، ملٹی پلیکیشن، ایڈیشن، سبسٹریکشن۔ ان کو شارٹ کر لو۔ بوڈماس۔"

میں نے سر ہلا دیا جیسے مجھے کسی چھپے خزانے کی کلید مل گئی ہو۔ عبدالباطن کا شکریہ ادا کر کے اپنے ڈیسک پر واپس آیا اور کاپی پر نوٹ کرنے لگا تو مقصود وہاں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھ کر منہ بنایا اور آواز دھیمی کرنے کی کوئی کوشش کیے بغیر کہا۔ "وہ غدار ہے۔ اس سے دوستی ختم کر دو۔"

کچھ کچھ کہتے ہوئے بھی میں نے جان بوجھ کر ہنستے ہوئے پوچھنے لگا: "کیا بات ہے؟ کس کو کہہ رہے ہو؟"

مقصود کوئی جواب دیے بغیر چلا گیا۔ میں نے عبدالباطن کی طرف دیکھا کہ اس نے سن تو نہیں لیا۔

وہ سر جھکائے اپنی کاپی پر سوال حل کر رہا تھا۔

"کچھ ہونے والا ہے۔" میرا دل زور سے دھڑکا۔ میری سمجھ میں کچھ کچھ آ رہا تھا لیکن پوری طرح نہیں۔ دراصل پچھلے دس دنوں کی گنتی دیر سے یاد آیا۔ اس وقت تک کلاس ورک کا پیریڈ ختم ہو رہا تھا۔ مسز لنکسٹن نے پہلے مجھے ہاف ٹائم میں ڈسمس دے دیا۔ باقی سارے لڑکے باہر جا چکے تھے۔ میں ڈیسک پر بیٹھا سوال میں مگن تھا۔ سامنے والا ڈیسک خالی پڑا تھا۔ مسز لنکسٹن ہولڈنگ نیپ سامنے بیٹھ کر ٹیسٹ ایسے ورڈ کا اعلان کر رہی تھیں۔ کہ باہر کلاس روم کے سامنے شور سنائی دیا۔ میں نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ کلاس کے بہت سارے لڑکے ایک جگہ جمع تھے۔ میں تیر کی طرح بھاگا اور وہاں پہنچ گیا۔

کلاس کے لڑکے دائرہ بنائے ہوئے تھے اور ان کے بیچوں بیچ جو کھڑا تھا وہ عبدالباطن تھا۔

"یہ غدار ہے،" مقصود نے مجھے بتایا۔ "یہ دشمن ہے۔ میرے ابو اور ان کے فرینڈز کہتے ہیں یہ سب لوگ ایسے ہی ہیں۔ یہ بلیک آؤٹ نہیں کرتے۔ یہ راتوں کو اپنے گھر کی چھت پر ٹارچ جلا کر دشمن کے جہازوں کو اشارے کرتے ہیں۔۔۔"

میں نے عبدالباطن کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کا رنگ اور زیادہ گہرا لگ رہا تھا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی۔

"غدار ہے غدار۔۔۔!" لڑکے نعرہ لگا رہے تھے۔

مقصود ایک نعرہ کہتا اور باقی سب لڑکے اسے دہراتے۔ "بنگالی بابو آیا،" وہ گیت سا بن گیا تھا۔ "بنگالی بابو آیا، مرغی چرا کر لایا۔" اس گیت کی لے پر سب تالیاں بجا رہے تھے۔ "مرغی نے ماری چونچ، بنگالی بابو بھاگا۔" اور بھاگنے سے پہلے ہی کسی لڑکے نے تھپڑ کی آواز جو اپنے ہاتھ اوپر کر لینے کے باوجود عبدالباطن اپنے سر پر پڑنے سے بچا نہیں سکتا تھا۔

"بنگالی بابو آیا۔۔۔ تم بھی کہو،" مقصود نے مجھے ٹہوکا دیا۔ پھر خود ہی رک گیا۔ عبدالباطن کے چہرے سے زیادہ اس کی پتلون بھیگ رہی تھی۔

[illegible] مقصود [illegible]

[illegible] میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سے کیوں کر ان کا ملک الگ ہو گیا ہے۔

[illegible] مجھے اب بھی یاد ہے [illegible] ایک بات ایسی ہے جو میری سمجھ میں نہیں آتی...

[illegible] کے لیے آوازوں کی [illegible]!

[illegible] درد ہو رہا ہے۔

[illegible] وقت تک [illegible] ہے۔

**

انور خاں

بسر ہو سکے تو بسر کیجیے

ناشتہ کر رہا تھا کہ یہ فون آیا۔ چونکا وہ مدت سے تھا۔ جنس روڈ سے رمیش سدانی کا فون تھا۔ رمیش سدانی سوشل ورکر ہیں اور بڑی تن دہی سے کام کرتے ہیں۔ اپنے علاقے کی بہبودی کا انہیں بڑا خیال رہتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں وہ چیئرمین بلدیہ کے انتخابات ہونے والے ہیں اس لیے ان دنوں وہ کچھ زیادہ ہی سرگرم ہیں۔ بہرحال وجہ جو بھی ہو، کم از کم اپنے علاقے کے لوگوں کے کام تو آتے ہیں۔ ویسے بھی آج کل بے غرض کوئی کام نہیں کرتا۔ اور کرے بھی کیوں، اب ہماری سوچ بدل گئی ہے۔ اب تو ہم خود نہیں چاہتے کہ کوئی بے غرض ہمارا کام کرے۔ الٹا ہمیں بے کلی محسوس ہوتی ہے۔ کام کرے اور پیسا لے لے۔ وہ بھی خوش، ہم اپنے گھر خوش۔ ہاں، اگر جیب پر زیادہ گراں نہ ہو۔ فسادات کے بعد یہ ان کا پہلا ٹیلی فون تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم جنس روڈ پر اپنی ڈسپنسری پھر شروع کریں جو فسادات کے دوران بری طرح توڑ دی گئی تھی۔ کھڑکی دروازے تک نکال کر لے گئے تھے۔

وہاں زیادہ تر لوگ غریب ہیں۔ جھونپڑیاں بہت ہیں۔ بلکہ بعض جگہ تو زمین میں گڑھے کھود کر ایک سرے سے جھونپڑیاں بنائی گئی ہیں۔ جیسے چیتے دفعتاً زمین کی سطح پر آ سکیں، پھر سے ڈھکے ہوئے نظر آتے ہیں اور برسات میں برا حال ہو جاتا ہے۔ برسات میں پانی بھر جاتا ہے۔ مچھروں کی تعداد انسانوں سے بڑھ جاتی ہے۔ غلاظت کے انبار ہر طرف لگے رہتے ہیں۔ سنتے ہیں دو ایک بار بلدیہ والے آتے ہیں؛ کچھ غلاظت اٹھاتے ہیں، باقی اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں۔ دو روز بعد پھر وہی انبار جمع ہو جاتا ہے۔ جا بجا کسی سیاسی تنظیم کے [illegible] پوسٹر لگا رکھے ہیں۔ مچھروں اور غلاظت کی وجہ سے لوگ آئے دن بیمار رہتے ہیں۔ میری ڈسپنسری وہاں خوب چلتی تھی۔ تانتا بندھا رہتا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں دوسروں سے کم پیسے لیتا تھا۔ مجھے پتا ہے یہ غریب لوگ زیادہ پیسے نہیں دے سکتے۔ والد صاحب نے مجھے ڈاکٹر اسی

Scanned with CamScanner

خیال ہے بنایا ہے کہ میں [illegible] کی خدمت کروں اور دنیا بھر کی دواؤں سے [illegible] ہیں۔ وہ خدا ترس انسان ہیں۔ بہر کیف بیماری۔ ہماری پشتینی جڑی بوٹیوں کی دکان ہے۔ اس لیے دل آسودگی ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے گھر کا ماحول بھی کچھ مختلف نوعیت کا ہے۔ [illegible] نہیں [illegible] دکھوں میں آپ دیکھتے ہیں۔

وہ جب ڈسپنسری دوبارہ شروع کرنے کا [illegible] نہیں۔ پہلے ہی ہمارا [illegible] کچھ تباہ ہو گیا ہے۔ وہ دوبارہ رسک نہیں لینا چاہتے۔ رئیس بھائی سے [illegible] وہ صاحب جو [illegible] پڑا دیتے ہیں۔ رئیس بھائی کا کہنا ہے کہ [illegible] کے ڈاکٹر [illegible] فیس [illegible] لیتے ہیں [illegible] دن تک دوا جاری رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا [illegible] سے [illegible] کی کوشش [illegible] ہو سکے۔ [illegible] کو آسودہ دل ملی۔ [illegible] لوگوں کے درمیان کام کرتے ہوئے [illegible] ہو گئی [illegible] لیکن ایک اندیشہ یہ بھی ہے کہ [illegible] شاید میری والدہ کو پسند نہ کریں [illegible] اطمینان [illegible] خوشی سے ان کا [illegible] ہیں۔ [illegible] خوشی سے [illegible] ہیں۔ ان سوشل ورکروں کو [illegible] میڈیکل ٹیسٹ [illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible] سوشل ورک [illegible] ان ڈاکٹروں کی [illegible] ملتا ہے۔ [illegible] مستقل [illegible]۔

ڈسپنسری کا وقت [illegible] دکان پر طاہر بھائی سے ملاقات ہو گئی۔ طاہر بھائی کسی دفتر میں کلرک ہیں اور شوقیہ ہومیوپیتھی کرتے ہیں۔ [illegible] رکھتے ہیں۔

آج آپ دفتر نہیں گئے؟ میں نے پوچھا۔

ہاں، آج چھٹی ہے۔

تو آیئے ڈسپنسری چلیں۔ میں نے کہا۔ کچھ گپ شپ رہے گی۔

آپ کی یہ ڈسپنسری [illegible] طاہر بھائی مسکرائے۔

ہاں یار، ایسا لگتا ہے جیسے گرہستی پھر سے بسا رہا ہوں۔

طاہر بھائی بڑے خوش مزاج ہیں۔ انہیں [illegible] کی باتوں میں بڑا لطف آتا ہے اور چاہتے ہیں کہ [illegible] سے زیادہ سے زیادہ تبادلہ خیال کریں۔

چیچک [illegible] آپ کا کیا خیال ہے؟ [illegible] گفتگو کی ابتدا میں نے کی۔

چیچک ایک وبائی بیماری ہے۔ جب [illegible] کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو بیمار ہو جاتے ہیں۔ [illegible] کا کوئی گروہ جب [illegible] حد سے گزر جاتا ہے تو وبائی بیماریاں پھیلتی ہیں۔

"یہ تو ہمیں نقطۂ نظر ہوا" میں نے کہا۔

"یہی تو ہمیں ایلوپیتھی سے اختلاف ہے،" طاہر بھائی نے کہا۔ "آپ لوگ صرف علامت کو دبا دیتے ہیں، بیماریوں کو دفع نہیں کرتے۔ اس لیے ایک شکایت دور ہوتی ہے تو دوسری شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔"

"اور ہومیوپیتھی میں کیا ہوتا ہے؟" ہری روشنی دیکھ کر میں نے گاڑی بڑھائی۔

"ہومیوپیتھی روح کا علاج کرتی ہے،" طاہر بھائی نے کہا۔ "جب روح میں ڈسٹربنس پیدا ہوتا ہے تو جسم پر بھی اس کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ ہم اس ڈسٹربنس کا پتا چلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی کی مناسبت سے دوا دیتے ہیں۔ اسی لیے بے حد معمولی مقدار میں ہونے کے باوجود دوا اثر کرتی ہے، اور بعض وقت ایک یا دو خوراکوں سے ہی مریض ٹھیک ہو جاتا ہے اور پلٹ کر نہیں آتا۔"

"شاہراہ سے گلی میں گاڑی موڑتے ہوئے میں نے دیکھا کہ وہاں خاصی بھیڑ ہے اور دس پندرہ لوگ ہاتھوں میں لاٹھیاں لیے کھڑے ہیں۔"

"کیا پھر جھگڑا ہو گیا؟" طاہر بھائی نے تشویش سے کہا۔

گاڑی گلی میں موڑنے کے بجائے میں شاہراہ پر آگے بڑھ گیا اور پھر اگلے موڑ سے گاڑی گھماتے ہوئے نسبتاً طویل راستے سے ڈسپنسری پہنچے۔ وہاں جھگڑے کے کوئی آثار نہ تھے۔ ہر چیز حسبِ معمول تھی۔ ڈسپنسری کھلی تھی اور کمپاؤنڈر حساب دیکھ رہا تھا۔

"کچھ گڑبڑ ہے کیا؟" طاہر بھائی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں تو۔ آپ ایسا کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ابھی ہم آ رہے تھے تو اِس گلی کے سرے پر دس پندرہ آدمی لاٹھیاں لیے کھڑے تھے۔"

"وہ!" کمپاؤنڈر ہنس پڑا۔ "وہ چوہے مار رہے ہیں!"

"چوہے مار رہے ہیں؟" مجھے بھی حیرت ہوئی۔

"ہاں صاحب، وہ سورت میں پلیگ پھیلا ہے نا۔ یہاں نہ پھیل جائے اس لیے۔"

"اوہ!" ہم ہنس پڑے۔ تناؤ اور الجھن سے نجات ملی جس نے پریشان کر دیا تھا۔

مجھے انکل ہوش کا خیال آیا۔ انکل ہوش شتابی (؟) "کچھ عجیب قسم کے عمر رسیدہ چوہے ہیں جنھوں نے برسوں سے ساری کتابوں میں ڈیرا جما رکھا ہے۔ یہ کبھی کبھی دن میں نظر نہیں آتے، پھر اچانک کبھی ٹیبل پر، کھڑکی میں، کپ بورڈ کے پیچھے ٹہلتے ہوئے یا کسی گوشے میں مراقبہ کرتے ہوئے دکھائی دے جاتے ہیں۔ شروع میں ہم نے ان کے پکڑنے کی بہت کوشش کی، طرح طرح کے پنجرے منگوائے، دوائیں چھڑکیں، ڈنڈے، جوتے، چپل آزمائے۔ بہت ہوا تو یہ کہ دو چار روز کے لیے کہیں غائب ہو گئے۔ ہم ذرا غافل ہوئے کہ پھر سینے پر مونگ دلنے کو موجود۔ کئی بار ایسا ہوا کہ رات کو آنکھ کھلی۔ رات کے سناٹے میں کتاب کترنے کی آواز سن کر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی دل کتر رہا ہو۔ گھبرا کر اٹھے۔ بتی جلائی۔

Scanned with CamScanner

[illegible] ان کی ضرورت پڑے۔ [illegible] کتاب کسی کو تحفے میں دوں۔

[illegible]
جا رہا ہے، میں نے غلام بھائی سے کہا۔

[illegible]
[illegible] کی باتیں کیا جانتے ہیں

[illegible]
[illegible] یہ تو ہے، میں نے تائید کی۔

چائے منگوا لی گئی۔ اس دوران دو مہمان آ گئے۔ ظاہر ہے کہ چائے پی اور گپ شپ میں ہم دونوں ان کے ساتھ مصروف ہوئے۔ ہمیں بٹھا کر بیٹھے ہی تھے کہ ایک نوجوان تیزی سے اندر آیا اور ایک کاغذ پکڑا کر تیزی سے واپس چلا گیا۔ چھوٹا سا پمفلٹ تھا: طاعون اور اسلام۔

سنی تھی کہ سورت میں ایک جگہ سے۔ گھر گھر میں ایک ڈر ہے۔ کسی نے دو پرچوں میں سے تعویذ بنا کر دروازوں اور دیواروں پر چسپاں کر دیا تاکہ طاعون سے بچا جائے۔ یہ بھی نہ سوچا کہ یہ عمل میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا نہیں۔ شرک و بدعت تو نہیں کہ عقیدہ یا ایمان ختم ہو جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تو یہ ہے کہ موت مومن کے لیے تحفہ ہے۔ مومن کا طاعون میں مرنا شہادت ہے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرت محمد نبی اور کسی صحابی سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان لوگوں میں سے کسی نے بیماری کے ڈر سے حدیث کی دعا یا کوئی تعویذ یا دعا کا دروازے پر چسپاں کر دیا ہو۔ قرآن کی کوئی آیت لکھ کر لگائی ہو، جو بدعات ہیں، جو اللہ کو خوش کرنے کے بجائے ناراض کرتی ہیں۔ بدعت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی وہ مردود ہے (بخاری و مسلم)۔ بدعتی شخص کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ بدعتی شخص تو اسلام کے دائرے سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے آٹا گوندھتے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

طاعون سے آپ کے یہاں نہیں بھاگنا چاہیے۔ مطلب یہ نہیں کہ موت کے ڈر سے گھر میں کود کر گھسا ہو۔ علماء حکمت و فطرت سمجھاتے ہیں۔ طاعون سے نہ بھاگنے میں دو حکمتیں ہیں۔ (۱) موت برحق ہے۔ آپ کہیں بھی رہو، اپنے وقت پر آ کر رہے گی۔ مسلمانوں کو کسی کی جان میں گھبرانا نہیں چاہیے۔ (۲) گھبرانے اور ڈرنے سے جسم کی بیماری سے لڑنے کی قوت کم ہو جاتی ہے اور یہ کمزوری جسم کو توڑ رکھتی ہے۔ لیکن آج رسول کے امتی اس شہادت کی موت سے بچ رہے ہیں۔ ہائے افسوس نبی سے عشق کا دعویٰ رکھنے والو! اللہ سے ملاقات سے گھبراتے ہو؟ آخر میں یہ عرض ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب بھی کوئی آفت آتی فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوتے اور یہی تعلیم ہمارے لیے بھی ہے۔ یہی ہماری نجات کا سبب ہے اور جنت کی کنجی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دین پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فرمان رسول: پہنچا دو میری طرف سے اگرچہ ایک آیت ہی ہو (بخاری)

حسین الحق۔ فون ۳۱۸۴۰۸۹

پڑھنے کے بعد ندامت ہوئی کہ خوف ایک بشری تقاضا ہے، اور اسی تقاضے کی بنیاد پر ہماری بلڈنگ کے طاعون وروبائی امراض سے بچنے کی دعا جو گھر گھر تقسیم ہو رہی تھی، دروازے پر چسپاں کر دی تھی۔ اور ہمیں ہماری خاموشی تاسید حاصل تھی کہ ایسے موقعوں پر کون چوکس رہتا ہے۔

دو چار روز انکل موش نظر نہیں آئے۔ بیگم نے یاد دلایا تو تشویش لاحق ہوئی۔ بیگم نے کہا:
خدانخواستہ۔۔۔

"کیا اپ شگون ہے!" ہم نے فوراً ٹوکا۔ "انکل موش آ رہے ہیں۔"

آخرش کئی روز بعد وارد ہوئے۔

دیکھا انھیں جو آج تو جی تن سے ہو گیا
سمجھے تھے ہم کہ ہو کے جدا خیریت سے ہیں

سانس تک مشکل سے لے پا رہے تھے۔ شاید شہر میں جو دوا پاشی ہوئی تھی، شدت سے چھڑکی گئی دوا کا اثر تھی۔ دو دن سے دو جگہوں پر ہو رہی تھی۔ بچا سے انکل موش بمشکل بچ کر آئے تھے۔ آنکھوں سے جیتی سی لگ رہی تھیں اور وہ۔ بیٹھ کر ہانپ رہے تھے۔ سیکڑوں میل دور چند جنگلی چوہوں کی ذہانت سے نئے چوہوں کی باتیں کرتے رہے۔ ہم انسان جس قدر چاہو سے چوہوں کی پرورش کرتے ہیں ... نہیں کرتے۔ دیر تک وہ کھلی ہوا میں لمبی لمبی سانسیں لیتے رہے۔ پھر ڈگمگاتے لڑکھڑاتے میز کے پیچھے روپوش ہو گئے۔

اس کے بعد انکل موش میرے پاس کبھی نہیں آئے۔ بہت اداس تھے اور پریشان۔

ان سے تو چپ نہ رہا گیا ... ہاتھوں پر ... خاموش کر دیتے۔ ان کے لہجے میں تلخی تھی۔

مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ میں سمجھ سکتا ہوں انکل موش۔

ہم انسان منافق ہیں ... اس نے کہا۔ منافقت ... ہم انسانوں کو دیتے ہو۔

آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ لیکن انکل، ہماری حالت تو چوہوں سے بھی بدتر ہے۔ آپ بھی ... دیکھ آئے ہیں، ہماری جان تو ہمہ وقت آفت میں رہتی ہے۔

لیکن ... تو چوہوں کی پوری نسل کو ختم کرنے پر تلے ہیں۔ انکل موش نے ... لہجے میں کہا۔

ارے نہیں آپ کو ... میں نے تسلی دی۔ یہ صفائی مہم پندرہ روز سے زیادہ نہ رہے گی۔ آپ نے تو ... مطالعہ کیا ہے۔ مجھے بھی ... کی کتاب یاد آئی۔ انکل موش ... کٹ گئے تھے۔

یہ ... کئی ... سے بروئے کار آتی۔ جیسے ... ہو کر کھٹکتا ہے۔ واقعی تو ... کیسی عادت سی کہ ہر ... بلکہ زخمی جائے گی۔ ... کی شکل میں بانٹ دے۔

مجھے غصہ آ گیا۔

... آپ کہتے ہیں؟ میں نے برہم ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے، اب میں جاتا ہوں،" انکل موش نے کہا۔ "اب ہماری ملاقات خوابوں میں ہوگی۔"

اگلی صبح ناشتہ کرتے ہوئے میں نے دیکھا، انکل موش کھڑکی کی منڈیر پر بیٹھے لمبی سیدھی سانسیں لے رہے ہیں۔ مجھے ان پر رحم آیا۔ ان کی مشکل آسان کرنے کے خیال سے میں نے ایک لکڑی اٹھائی اور ان کی طرف بڑھا۔ وہ مجھے مایوس نگاہوں سے دیکھتے رہے، بھاگ جانے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے ہلکی سی ضرب لگائی۔ وہ بغیر چوں کیے وہیں ڈھیر ہو گئے۔ پیچھے سے ان کے بے جان بدن کو اٹھا کر گٹر میں پھینکنے ہی والا تھا کہ اخباروں میں چھپی روایت یاد آئی۔ تھوڑی سی سپرٹ چھڑک کر ماچس کی تیلی دکھا دی۔

پھر جو دیکھا کچھ نہ تھا جز شعلۂ پیچ و تاب

رات دو بجے اچانک آنکھ کھلی۔ ایسا لگا جیسے انکل موش رو رہے ہوں۔ میرے دل کو کوئی مسل رہا تھا۔ میں کروٹیں بدلنے لگا۔ پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے ہوں گے کہ صبا جاگ گئی۔

"آپ رو رہے ہیں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"میں رو رہا ہوں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

میرا تکیہ گیلا تھا۔

"شاید آپ کوئی خواب دیکھ رہے تھے،" صبا نے کہا۔

میں تکیہ پلٹ کر پھر لیٹ گیا۔ لیکن نیند آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی۔ اگلے روز میں نے رمیش بھائی کو فون کیا۔ انھیں اطلاع دی کہ میں ڈسپنسری کھول رہا ہوں۔ وہ کسی مناسب کاریگر کو بھیجیں جو ایک بار پھر ڈسپنسری ٹھیک ٹھاک کر دے۔ دروازے بھی نئے لگانے ہوں گے۔

رمیش بھائی بہت خوش ہوئے۔ فوراً کسی بااثر شخصیت سے ڈسپنسری کا افتتاح کرانے کا پروگرام بنانے لگے۔ دو منٹ بعد میں نے ناصر بھائی کو فون کیا۔ میں نے انھیں اطلاع دی کہ میں پھر سے روڈ والی ڈسپنسری شروع کر رہا ہوں، لیکن صرف صبح کے اوقات میں۔ وہ چاہیں تو شام کے اوقات میں وہاں اپنی ہومیوپیتھی کی پریکٹس کر سکتے ہیں۔ وہ خوش ہوئے اور اس تجویز پر غور کرنے کے لیے چند روز کی مہلت چاہی۔

ایک ہفتے بعد پرکاش کا فون آیا جو اس تنظیم کی جسے فسادات میں استعمال کیا گیا، علاقائی شاخ کا سربراہ ہے۔ اس نے یقین دلایا کہ میں بے خوف و خطر ڈسپنسری شروع کر دوں، وہ حفاظت کی گارنٹی لیتا ہے۔

"ٹھیک ہو گیا ڈاکٹر صاحب،" اس نے کہا۔ "پہلی کو بعد میں سب لوگ بولا آپ بہوت اچھا آدمی۔ غریب لوگ کا مدد کرتا ہے۔ چنتا مت کرو۔ میں ایک آدمی بھیجتا ہے۔ وہ آپ کا ڈسپنسری فسٹ کلاس بنا دے گا، ایک دم چکاچک۔ پہلے سے بھی ایک دم اچھا۔ سارا کام چٹکی میں کرے گا۔ اس کے بعد اپن خود اس کا اُدگھاٹن (افتتاح) کرے گا۔ یہ سالا پولیٹکس بہوت گندا چیز ہے۔ سب دھندے کا بات ہے۔ نہیں تو اپن عید مناؤ کرنے والا آدمی ہے۔ میرے پاس بہوت مسلمان ہے۔ اپن سب کا خیال رکھتا ہے۔ کیا۔ میں

Scanned with CamScanner

کہ [illegible] سے وہ [illegible] ہے۔ وہ [illegible] سے [illegible] ہیں۔
میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے فون رکھ دیا۔

Scanned with CamScanner

نکہت حسن

جاگنگ پارک

"پالیس منٹ برسک واک اور کنٹرولڈ ڈائٹ۔" ڈاکٹر آدم حسرت جو اپنی آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے اور زبیدہ کی ایکسرے، الٹراساؤنڈ اور بلڈ رپورٹ کو بڑی دیر سے دیکھ رہے تھے، بولے۔

زبیدہ ان کے سامنے تپائی سے ایک تکلیف دہ سٹول پر بیٹھی ہے۔ آرام کرسی بچھی ہوئی ہی ڈاکٹر کی تھی۔ ڈاکٹر حضرات مریضوں کے بیٹھنے کے لیے اس قدر تکلیف دہ سٹول ہی رکھتے ہیں۔ یہ بھی شاید ان کی پالیسی میں شامل ہے، تاکہ مریض جب اس سٹول سے اٹھ کر جائیں تو ایک دن کا اضافہ کر کے جائیں: ہوئی تو سہی۔

برسک واک اور ڈائٹ کا مشورہ دینے کے بعد انھوں نے رپورٹیں زبیدہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے:

"سب ٹھیک ہے۔ معمولی سے لپڈز بڑھے ہوئے ہیں، یورک ایسڈ بھی ٹھیک ہے۔ پیشاب کی رپورٹ بھی درست ہے۔ ہیموگلوبن بھی گیارہ ہے، یعنی بہت بہتر۔ کولیسٹرول بڑھنے کا خدشہ ہے۔ شوگر کا حال تو وہ بھی ٹھیک ہے۔ البتہ آپ کا وزن زیادہ ہے۔ اس کو برسک واک اور ڈائٹ سے کنٹرول کیجیے۔ یہی آپ کا علاج اور یہی دوا۔"

"اور وہ دم گھٹنا!" زبیدہ بلبلائی اور پھر بولی:

"ڈاکٹر صاحب، میرا گلا بالکل بند ہو جاتا ہے۔ دل گھٹنے لگتی ہے۔ رات میں سر اٹھا کے بیٹھ کر گزرتی ہے۔ تھوڑی کی بھی محنت کروں تو سانس۔ یہ سب کیا ہے؟"

وہم اور سانس کا مسئلہ تو شکر ہے آپ کے پاس ہی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ پروفیسری سے کہا۔

"میں تو اپنے گھر میں سارا دن چلتی ہوں۔ گھر کا سب کام خود ہی کرتی ہوں،" وہ پھر بولی۔

Scanned with CamScanner

کام آپ بے شک نہ کریں۔ گھر میں سارا دن بیٹھی بھی رہیں۔ لیکن دن کے کسی بھی وقت باہر نکل کر چالیس منٹ کی چہل قدمی آپ کا واحد علاج ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے گھنٹی بجا کر دوسرے مریض کو طلب کیا

زبیدہ [illegible] ہوئی ڈاکٹر کے کمرے سے نکلی۔ وہ خود ہی خود بول رہی تھی: ایک ماہر [illegible] ہوتے [illegible] اپنی فیس کے لیے، اور علاج کیا بتایا، چہل قدمی!

اس شہر میں [illegible] گھریلو عورتوں [illegible] چہل قدمی کا شوق [illegible] ہیں! بالکل ہی ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ [illegible] کھیل [illegible] محلوں میں کا شوق ختم ہوتے [illegible] سے [illegible] والی کو [illegible] شوں کے دنوں سے بہت [illegible] دوں سے پارک اور باغ میں جہاں [illegible] کوئی شریف عورت چہل قدمی [illegible] باغ تھا جہاں جھوٹی اور موسمی [illegible] کھلتے تھے، جہاں [illegible] میں گھاس اور [illegible] پھولوں کی مہک تھی، جہاں چڑیوں اور پرندوں کی چہکاریں تھیں۔

[illegible] کی [illegible] پھرتی ہیں مست جھکی
قدرت نے تیری [illegible] تسکین [illegible] بنایا

[illegible] اور پرندوں کے ساتھ رشتہ ایک [illegible] ہو گیا تھا اور جو [illegible] گھٹتے ہی نہیں، موسمی کے درخت کے نیچے گھنٹوں میں [illegible]۔۔۔

[illegible] اور سیاہ رال

[illegible] چالیس منٹ [illegible] چل سکتی تھی۔ کہتے ہیں آپ [illegible] اور [illegible] کا حکیم [illegible] کے پاس گئی [illegible]!

[illegible] حکیم قدوس کا ہیں [illegible] ہو [illegible] بیماری کی [illegible] کہتے ہی [illegible] بات کہی تھی اس سے زبیدہ کے سارے [illegible] ہوتی [illegible]۔

[illegible] کی گولیاں رکھو تو [illegible] کارخانہ ٹھیک چلتا رہے گا۔

[illegible] کو [illegible] پیچھے حصے میں جا [illegible] کی [illegible] ہوتی تھیں

[illegible] گودا، بیل اور [illegible] سیاہ ہو [illegible] کی ڈبیا سے میں شامل [illegible] زبیدہ [illegible] دوائیں [illegible] شامل کرتی تھی، [illegible] کے بعد دونوں وقت کے [illegible] حکیم صاحب [illegible] گئے۔ [illegible] زبیدہ [illegible] تھی کہ دوبارہ پھر سے ڈاکٹر

Scanned with CamScanner

صاحب سے پاس آتی جو اس کے سہارے اور اس کو پس پشت ڈال کر بریک واک کا مشورہ دے رہے ہیں۔ بریک واک نہ ہوئی آبِ حیات ہو گئی کہ برسوں کے پیچیدہ امراض جن کو ایک عرصے سے مرغی کی طرح سے دبا پکا کر اور کھا کر گھر کی چار دیواری میں بیٹھ کر اس نے پالا تھا، ختم ہو جائیں گے۔ اور چلو واک بھی کر لو، مگر کہاں؟

"پڑوسیوں کے سامنے دھما دھم کر دوں؟"

مشکل تو یہ تھی کہ وہ ایک میعار پرست معاشرے سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے نزدیک مذہب اور بنیاد پرستی ایک ہی چیز کے دو نام تھے۔

وہ اپنے سنیاسی باوا ہی تو ہیں۔ کتنی خوب مذہب سے میں روشنی کی ایک کرن! فیڈرل بی ایریا، ناظم آباد اور بہادر آباد، ناظم آباد کی دیواروں پر لکھے ہوئے سنیاسی باوا کا نام اور ان کی کرامات ایک ایک کر کے اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگیں۔

آپ بے اولاد ہیں۔ مردانہ کمزوری کا شرطیہ علاج۔ شربت اکسیر۔ عورتوں کے بے پردے کا خاص انتظام ہے۔ شربت جوانی بہار آپ کی کھوئی ہوئی بہاریں واپس لا سکتا ہے۔

ان علاقوں کے دونوں میں فیڈرل بی ایریا اور سنیاسی باوا کو ڈھونڈنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ وہ سوتنوں کی طرح منہ کھولے شہر کو گھورتے رہتی۔ شاید کوئی باغ نظر آ جائے، کوئی پارک، کوئی چھوٹا موٹا میدان ہی سہی، جہاں وہ سب کی نظروں سے چھپ کر تیز تیز چل سکے۔

بوڑھا صحافی اردو میں کہہ رہا ہے:

یہ پورا شہر ایک پارک جیسا ہی تھا، صاف ستھرا۔ ان سالا لوگ نے پورے شہر کا بیڑا غرق کر دیا۔ ہم بولا یہ ہزار میں چار تھوکتا۔ پولیس والے ڈبے کو استعمال تو کرو۔ پر وہ تو یہ ہر روڈ پر تھوکتا رہتا ہے۔ یہ سب اسی کے باپ، اتنا بڑا بڑا حوض سے پانی نکلتا۔ وہ پیا سر واکی جب میرا لگا تھا، روڈ شیشے کی طرح چمکتا تھا۔ ہر طرف پارک ہی پارک تھا۔ اب پتا ہی نہیں چلتا روڈ کدھر ہے، پارک کدھر ہے۔ سالا لوگ پورا شہر بیچ کر کھا گئے۔ ہم بولتا ہے بچوں کے لیے پارک بناؤ، وہ بولتا ہے ہم پلاٹ بنائے گا۔ لونڈیا کا کاروبار کرتا ہے پلاٹ بنا کر۔

گلشن اقبال سے آگے نکل کر تین تلواروں والے چوراہے سے گزر کر آتا ہے عزیز آباد، لیٹ والے چوراہے پر جب وہ سیدھے ہاتھ کی طرف خیابانِ رومی پر مڑی تو بوٹنگ بیسن اور جلوس ہاؤس کی طرف جاتے ہوئے بائیں ہاتھ کی طرف اس کو اچانک ایک پارک نظر آ گیا: جاگنگ پارک۔

اس نے گاڑی کو سڑک پر موڑا۔ دور سے بھٹے والے کے ٹھیلے پر جلتی آگ کی چنگاریاں ہوا میں اڑ اڑ کر اس کو اپنی طرف بلا رہی تھیں۔ بھنے ہوئے بھٹوں کی خوشبو دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ٹھیلے کے گرد بچے اور بڑے گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ اپنی باری کے انتظار میں۔ پارک کے باہر حد نظر تک چھوٹی بڑی گاڑیوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں جن میں پجارو اور لینڈ کروزر بھی شامل تھیں، سیاہ ... لیڈی ... کی،

Scanned with CamScanner

[illegible]

[illegible] بیٹھے ہوئے ہیں۔ [illegible] سے بالکل محفوظ!

[illegible]

[illegible]

[illegible] عمل پیرا تھے اور بیک وقت آئس کریم [illegible] جوتے اور جرابیں خرید رہے تھے۔
[illegible] کی دکان میں گھس گئی اور مختلف جوتوں کو اپنے پیروں میں ڈال ڈال کر
[illegible] تو کسی کی تو گھونسے کی شکل سے ملتی تھی۔
[illegible] خاصی مشقت ہے۔" اور [illegible]
[illegible] آئس کریم کے پیالے [illegible]

Scanned with CamScanner

ایڈجسٹ ہو کر رہ گیا۔ سستی کا بچہ، کل کا سیاست دان۔ زبیدہ نے جوتا پیر میں ڈالا۔ صاف کرنے سے لٹ پٹ جوتا اس کے پیر میں پورا فٹ بیٹھتا تھا۔ کاؤنٹر پر پیسوں کی ادائیگی کے بعد اس نے اپنے پرس کے اندر جھانکا۔ شہر اسلام آباد، ہنڈی ریوٹ، ڈاکٹر کی فیس اور واکنگ شوز۔۔ پورے سترہ سو روپے خرچ کرنے کے بعد اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی بیٹھتے ڈائٹنگ اور واکنگ والی کار روائی، جو بقول ڈاکٹر کے صرف اسی کا علاج تھا اور اب تو مجبوری بھی تھی کہ اس کے بجٹ میں سے سترہ سو روپے کا خسارہ کسی نہ کسی طور تو پورا کرنا تھا۔

دوسرے دن غروب آفتاب کے بعد جوتے مورے پہن کر اس نے جاگنگ پارک کا رخ کیا۔

پارک میں صحافی اور دانشور اور ان کی سیکرٹری بھی اپنے مداحوں کے جلو میں تیز تیز چل رہے تھے۔ دانشور، کراچی کا نوزائیدہ صحت کا صحافی، جو ماحولیات پڑھا ہوا تھا اور شہر کو خوب صورت بنانے کی کوشش میں حکومت اور بلند عمارات بنانے والے ٹھیکے داروں سے برسرپیکار تھا، کہہ رہا تھا:

کراچی میں تو پہلے ہی جنگلات نہیں تھے۔ اب ان لالچی لوگوں نے شمالی علاقوں کے بھی جنگل ختم کر دیے۔ یہ لوگ جنگلوں کو فصل کی طرح استعمال نہیں کرتے بلکہ معدنی کانوں کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ ساحلوں سے آلودگی کو کھنڈر بنا دیا ہے۔ زمینیں بیچ کر کھا گئے۔ بچوں کے کھیلنے کے میدانوں اور پارکوں پر پلاٹنگ کر کے اونچی اونچی بلڈنگیں بنا دیں۔ اب ان پارکوں پر بھی دانت لگائے بیٹھے ہیں۔ گندگی الگ۔ ایسی تیسی کر ڈالی پورے شہر کی۔ ان پینتالیس کا یہ شہر بیرونی ملکوں کے سیاحوں کا ایک خوب صورت خواب تھا۔ آج ان گدھوں کی خوراک بن چکا ہے۔

زبیدہ نے آگے ایک تیز طرار لڑکی کو ٹائٹ جینز اور کولہوں سے اوپر والا جیکٹ پہنے ہوئے بڑی ادا کر کولہوں کو دائیں بائیں مٹکاتی ہوئی تیز تیز چل رہی تھی۔ اس کی چال میں ایسی کشش تھی کہ مرد تو مرد زبیدہ اس کی شکل دیکھنے کے لیے بے چین ہو گئی۔ سامنے پہنچ کر اس کو دور سے دیکھ نہیں سکی۔ وہ ماموں مبارک علی کی پندرہ سالہ پوتی حرا تھی۔ ماموں مبارک علی نے زندگی بھر عورتوں کی بے باکی اور بے پردگی پر وعظ دیا تھا، تقریریں کی تھیں، اور گزشتہ ربع صدی میں خاندان بھر کی نوجوان لڑکیوں کے بیاہ ہوتے رہے تھے۔ لڑکیوں کے نصاب سے تاریخ نکلوانے کے حق میں اس پر فتوے دیا کرتے تھے۔ ان ماموں مبارک علی کی پوتی نیلی جینز اور شرٹ میں ملبوس اپنے نسوانی اعضاء کا مظاہرہ کرتی ہوئی مرد تو مرد، عورتوں کو بھی دعوتِ نظارہ دے رہی تھی۔

دور میدان میں کرکٹ کی دنیا کے مشہور کھلاڑی کی سابق، فیشن ایبل اور دولت مند بیوی مرزی کی ایک کرم خوردہ بچی بن کر رہی ہوئی سی جھکی تھی۔ اس کو ان مرتبے عرصے تک میں بھی اس کرم خوردہ بچی کی چمک سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ شاہانہ آرائشی کرسیوں کے بارے میں سوچ رہی تھی جن کو وہ خود ڈیزائن کرتی تھی اور بیرونی ممالک میں بیچتی تھی۔ اس کا سابق ہم شوہر، جو کبھی اپنے چوکوں چھکوں، وجاہت اور سرتی بدن کے لیے ہزاروں دلوں کی دھڑکن تھا، جاگنگ پارک کے کچے راستے پر سی

Scanned with CamScanner

ماری ہو کر ہاتھی کی طرح بے ڈھب سپ گردو زبان تھی۔

زبیدہ کے ذہن میں چھپی ہوئی اس لڑکی کی پہلی بیوی کا ایک با پھر دیکھا اور تب اس کو ایک اور عورت کا خیال آیا خوبصورت سی تھی بیاہی گئی تھی اور دو معصوم بچوں کی ماں بھی تھی۔ وہ بھی شاید کسی [illegible] جیسی مہمان ہے سمجھتا رہی ہوگی۔ اس نے بڑی مختاری [illegible]

ان میں ایک گوشے میں بڑا دستر خوان بچھا تھا۔ کوئی [illegible] کھیل رہی اور چھوٹے کی بات میں بچوں کا شور اور پان مسالے سے آلودہ ہوئے پلنگ سنانے میں مشغول تھا۔ بچے جو کھیل کھیل میں بڑا تھک گئے تھے، سر لٹکا بیٹھے ہوئے دودھ کی انگلیاں کرنے میں مصروف تھے۔ [illegible] پیوستے اور پان مسالے کا ملاجلا۔ بو سے ان میں [illegible] کی پوری خوش باش ماحول میں [illegible] رہا تھا۔ ان کی نظروں نے [illegible] ماحول پہ تبادلہ خیال کر رہے ہیں۔

خوشبو کا تیز جھونکا زبیدہ کی ناک میں گھستا چلا گیا۔ دونوں کو میں لمبے لمبے پیچے ہوئے تھیں۔ گلے میں پڑی ہوئی ہونے کی بجائے بیٹھے میں کہ جہاں گھنٹیوں کی طرح بجتی تھیں۔ معصوم [illegible] کی یہ چیزیں سیاہ [illegible] سے پیر تک ڈھکی ہوئی تھیں۔ حسن کی اعلیٰ مثال [illegible] دو شیزائیں [illegible] یا قطیہ کسی سے جھلک کر آئی ہی نہیں۔

وہ سبھی دولہن کے سامنے ہوتے [illegible] وسیع [illegible] میں آئی [illegible] مبارک علی ہی [illegible] تیر کا نشانہ [illegible] تھے تو تنگ پائجامہ میں تیر تیر چلتے ہوئے [illegible] جاتی تھی، اپنے وضعیت اور [illegible] کا بوجھ کے لیے۔ ایک چکر میں [illegible] کے لئے [illegible] بجتے ہیں، ان کا [illegible] تو۔ وہ ایک [illegible] کو جھٹکنے کے لیے تنگ پائجامہ میں تیر تیر چل رہی تھی۔ [illegible] اور ان جیسی [illegible] اور کھلے چہرے [illegible] سے خوش تھے تو [illegible] مناسب سمجھے گئے ہے جس شام تنگ پائجامہ [illegible] رسمی ادا کرتی تھیں۔

[illegible] زبیدہ کو [illegible] فائدہ ہوتا [illegible] یہ کہ جسم پر چڑھی ہوئی چربی کم ہونا شروع ہو گئی تھی، علاوہ اس کے جو خصوصی برف کی تہ جمی ہوئی تھی وہ بھی آہستہ آہستہ پگھلتی جا رہی تھی۔ وہ تو [illegible] تنگ ہونے کا [illegible] کی پیچ کی [illegible] کھائی رہتی تھی۔ ایک ہی جھٹکے میں باہر نکلی تو [illegible] تھے، یہ معلوم ہوتا تھا جیسے پاکستانی خواتین آج کل [illegible] تھیں۔ [illegible] جس کو وہ [illegible] کے لیے استعمال کرتی تھیں، یعنی چپاتیاں، کوفتے اور ہڈیاں، وہ [illegible] کی طرف مائل تھے [illegible] رکھنے کے لیے خواتین کو پریشان کی حد تک [illegible] کرنی پڑتی تھی۔

تنگ پائجامہ کے [illegible] چپکی ہوئی [illegible] سے نکلتی [illegible] جلد از جلد وزن کم کرنے کی کوششیں میں سرگرداں ہو رہی تھیں۔ ان کی یہ کوشش مردوں کو بھی [illegible] حاصل

تھی۔ پھیلے ہوئے دائیں بائیں ہلتے ہوئے کولھے، ڈھلکی ہوئی ساری چھاتیوں پر جرزی کے سڈھتے ہوئے بلاؤز، پنڈلیوں پر ڈھلتی ہوئی عمر کے نشان ان کی تنگ مہریوں والی جینز میں سے صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ سب اپنا وزن جلد سے جلد کم کرنے کی لاحاصل کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔ مرد، جو بیک وقت دانشور، سیاست دان، صحافی اور کھلاڑی سب ہی تھے، ادھیڑ عمر تھے۔ ان میں بیشتر کو خود نمائی اور نمائش کا جو موقع ملتا تھا اس کو وہ گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ خود نمائی کو مبالغہ آمیز حد تک لے گئے تھے۔ اپنی بھاری بھرکم رانوں کی نمائش کے لیے کسی ہوئی نیکریں پہن رکھی تھیں۔ بازو کی مچھلیوں کو حرکت دیتے ہوئے وہ نوجوان لڑکیوں کے سامنے سے ایسے گزرتے تھے جیسے جہان سے گزر رہے ہوں۔ کھلے گریبانوں اور بنیانوں میں سے نظر آتے سیاہ بالوں کے گچھوں کی نمائش، تنگ نیکروں کے اندر سے دکھائی دیتا ہوا پیڑوؤں کا ابھار، اور پھر نوجوان عورتوں کو آتا ہوا دیکھ کر جسم کی کج روی سے مغلوب ہو کر اپنے عضلات کی نمائشی مالش میں مصروف ہو جانا، یہ سب ان کی برسک واک میں شامل تھا۔

ان میں سے کوئی مسٹر کراچی بن کر کھڑا ہو جاتا اور پیچھے آگے اور پیچھے کے دھڑ کو عجیب و غریب انداز میں ملتا ہوا گزر جاتا۔ زبیدہ حیران آنکھوں سے، اور تیز تیز چلتے ہوئے یہ سب کچھ دیکھتی۔ دیکھنا اس کی مجبوری تھی۔ اس کو چالیس منٹ کی برسک واک جو کرنا تھی۔

بہت سی نوجوان لڑکیاں ایک ساتھ اور ایک ہی سمت میں چل رہی تھیں۔ دروازے میں سے ایک آدمی، عمران خان سے ملتا جلتا، پارک میں داخل ہوا۔ چلتی ہوئی لڑکیوں سے قدم ملا کر ساتھ چلنے لگا۔ لڑکیوں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر بازو کی مچھلیوں کو حرکت دیتے ہوئے نوجوان نے پیڑو کو مسلنا شروع کر دیا۔ اپنے پیٹ کو دبایا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر مینڈک کی طرح اچھلنے لگا۔ لڑکیوں نے اس کی حرکتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی واک جاری رکھی۔ وہ جس قدر تیزی سے چل رہی تھیں اسی قدر تیزی سے بول رہی تھیں۔

کل شام کی پارٹی میں دو چھپکلیاں۔۔۔ واٹ اے ونڈرفل ٹائم! بٹ بیسٹ ڈریس واز ٹو ڈے
بیکر برج سے منگائی تھیں۔ لیلیٰ کنبوہ کی بگ کلکشن سے اٹھا لی۔

کلکشن کا بس یہ ہی اچھا ہوتا ہے۔ چرا لے کر اور ہے ہی کی کہاوتوں پر ہاتھ مار کر کوئی مردوں کا اندر رہ گیا جو واش روم سے دیکھ کر اور ہنس کر یہ چیز کھا کر ایک دم رک گئے تھے۔ اس نے چلتے ہوئے اپنے بھاری جسم کو زور زور سے جھٹکے دیے۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے بلاؤز کے سامنے کے بٹن کھل گئے۔ اس کی گدرائی چھاتیوں پر بنیان کا گرم جس کے درمیان میں ایک خوب صورت بو بھی لگی ہوئی تھی۔ لڑکیوں کو حیران کر گیا۔

کہاں سے خریدا ہے؟ ایک ساتھ کئی سمت سے آوازیں بلند ہوئیں، اور وہ اترا کر چلتے چلتے پیچھے مڑ کر بات کرنے لگی۔

سامنے والے دروازے کے سامنے ہری گھاس پر ایک جماعت ابھی ابھی آ کر بیٹھی تھی جس میں کچھ ناکام سیاست دان تھے جو کرتے پاجامے میں ملبوس تھے۔ چند اونچی شلواریں پہنے اور کندھوں پر رومال

والے تبلیغی جماعت سے تھے، ان میں موجود بھی تھے و دیوبندی فرقے اسی جماعت کی۔ سندھی،
بلوچی، پنجابی، پٹھان۔۔۔ یہ ایک ملی جلی جماعت تھی جس کے اپنے اپنے موضوع تھے۔ ایک سیاست دان جو
تھے اور چہرے سے ... لگتے تھے، یاقوت علی خان کو ... ان سب دوستوں سے الگ
تھے۔

سیاست دان سب ایک ہی تھے، وہ جیسے یاقوت علی خان۔ ... اسمبلی میں ... اور صوفی رشید کہ
دیکھئے ... کی بات؟ ایک ... دوسرے صاحب بولے:
وہ ... بشیر ... ہے؟
جب ... نہیں ... نہیں۔ ... بشیر کر
گا۔
آپ ... ساتھی کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ ... تو آپ لوگوں کی ... کرے تو
جنتیں کی ناگہانی ... !
... نہیں کی ... ایک ... بشیر ...۔
وہ ... آپ ... یاقوت علی سے ... بولے۔
... آپ ... دوسروں میں ... سکتے ہیں۔ ...
... پہلے۔ ... تو شاید تبلیغی جماعت سے ... تھے۔ ... خلقی ہوئی
... نسل کی ... تبلیغ ...:
جب ... وقت تک
برائی سے روکنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔
اس شہر میں تو کوئی ایسا فرد نظر نہیں آتا، دوسرے صاحب بولے۔
... ضرورت نہیں۔ ... صاحب
بولے۔
... جاتی ہے۔ ... پر
جاتیں قوموں پر فوراً عذاب وارد ہو جاتا ہے۔
... تو چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ ... جو تبلیغی
جماعت ... سے تعلق رکھتا تھا ... کمی کی ... جیسی طرح کی تھی،
جوش اور جذبے میں سب سے آگے تھا۔
... بڑی اہمیت ہے۔ سورہ ... میں اللہ نے فرمایا
... گا۔ ... شکر ... ایمان ... اور اللہ
قدر شناس ہے۔ تمہیں خوف ... کی ضرورت نہیں۔ ... ہے۔ ... میں اچھے ...

سب کے لیے حدود مقرر ہیں۔ سورۂ ہود میں صاف صاف وضاحت کی گئی ہے: جب کسی قوم پر عذاب آیا، پیغمبر اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے لوگوں کو عذاب سے بچا لیا گیا۔ حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھی غرق ہونے سے بچ گئے، مگر کنعان جو ان کا بیٹا تھا، وہ غرق ہو گیا۔ حضرت لوطؑ اور ان کا کنبہ بچا لیا گیا، مگر ان کی بیوی نہ بچ سکی کیونکہ وہ بستی کے لوگوں کے جو برے کام کرتے تھے، دل سے ان میں شامل تھی۔

یہ سن کر وہ نوجوان کچھ اور زیادہ بےچین ہو گیا۔ وہ بیچارہ شاید جیپ کی پچھلی نشست میں بیٹھ کر آیا تھا جو باہر کھڑی تھی۔ اس میں دو گارڈ کلاشنکوف سنبھالے بیٹھے تھے ان کی حفاظت کے لیے، کیونکہ ان کو جماعت کے ساتھ رائےونڈ جانا تھا۔

میرا انجام بھی حضرت لوطؑ کی بیوی جیسا ہو گا۔ میں اب سے ۔۔۔ وہ آدھا جملہ کہہ کر رک گیا اور اس گروہ میں سے اٹھ کر دور لان میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ شاید وہ نروان حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ایک ماہ بعد زبیدہ پھر ڈاکٹر آندھرے کے مطب میں اسی ٹین کے اسٹول پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر آندھرے کے سامنے اس کی ٹیسٹ رپورٹیں کھلی ہوئی رکھی تھیں۔ وہ بار بار اپنے چشمے کو صاف کرتے، اپنی گول گول آنکھوں کو شیشے کے اندر ہی اندر گھماتے، پھر زبیدہ کو دیکھتے۔ ایک ماہ پہلے والی زبیدہ اور آج کی زبیدہ میں نمایاں فرق تھا۔ نہ جسم پر چربی چڑھی ہوئی تھی، نہ چہرے پر گھبراہٹ۔ نہ ذہن پر بوجھ اور نہ تھکاوٹ کا احساس۔ وہ ہلکا پھلکا جسم اور بے فکری سے آزاد ذہن لیے ڈاکٹر کے سامنے اسی ٹین کے بے آرام اسٹول پر بڑے آرام سے بیٹھی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر آندھرے خوش بھی تھے اور فکرمند بھی۔ وہ بار بار اپنے چشمے کے شیشے صاف کرتے اور نظریں کبھی زبیدہ پر اور کبھی اس کی بلڈ رپورٹ پر گاڑ دیتے۔ وزن کم ہونے کے باوجود اس کی بلڈ رپورٹ صحیح تصویر پیش نہیں کر رہی تھی۔ لپڈس، کولیسٹرول، یورک ایسڈ، ہر چیز پہلے کے مقابلے میں بہت بڑھی ہوئی تھی۔

"ایسا کیوں ہے؟" ڈاکٹر نے خود سے کہا، اور پھر اونچی آواز میں بولے:

"آپ کے خون میں لپڈس اور کولیسٹرول بہت بڑھ گیا ہے۔ یورک ایسڈ بھی پہلے سے زیادہ ہے۔ کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

"آپ کا مطلب فاسد مادوں سے ہے؟" زبیدہ نے حکیم قدوس کی زبان استعمال کی۔

"جیسے فاسد مادے ہی کہہ لیجیے۔ مگر کیوں؟" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"اچھا، تو پھر ایسا کیجیے کہ آپ اپنی واک کا ٹائم کچھ اور بڑھا دیجیے۔"

"بہت اچھا" کہہ کر زبیدہ اسٹول سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے میز پر پڑی اپنی رپورٹوں کو اٹھایا،

[illegible] تھوڑا سا [illegible] کا شعر [illegible] کر [illegible]
گئی۔

گاڑی میں بیٹھنے [illegible] یاد [illegible] میں [illegible] مست [illegible]
کرتے ہوئے [illegible] شامل
ہوتے ہیں، یہ سب اُنہیں کا قصور ہے۔

[illegible] گاڑی [illegible] سمت [illegible] داخل ہوتے [illegible] بیٹھے
ہوئے [illegible] جیسے [illegible] تھی۔

[illegible] قسمتی [illegible] چکی تھی۔

* *

ماہ نامہ

شب خون

ترتیب و تہذیب: شمس الرحمن فاروقی

رانی منڈی، الہ آباد

ماہ نامہ

ایوانِ اردو

مرتبین: زبیر رضوی، مخمور سعیدی

دہلی اردو اکادمی، گھٹا مسجد روڈ، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

رسالہ

جامعہ

مدیر: شمیم حنفی، سہیل احمد فاروقی

ذاکر حسین انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

ادبی ماہ نامہ

شاعر

مدیر: افتخار امام صدیقی

پی او بکس ۳۷۷۰، گرگاؤں ایچ پی او، ممبئی ۴۰۰۰۰۴

سہ ماہی

رجحانات

مدیر: طاہر اسلم گورا

۲۵ سی، لوئر مال، لاہور

Scanned with CamScanner

امیتاو گھوش (Amitav Ghosh)

انگریزی کے معروف و جدید ناول نگار امیتاو گھوش ۱۹۵۶ میں کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ دلی یونیورسٹی سے گریجویشن کرنے کے بعد وہ سماجی بشریات (social anthropology) میں ڈی فل کرنے کے لیے آکسفورڈ چلے گئے۔ اس علمی تحقیق کے دوران وہ مصر کے چھوٹے شہروں اور دیہات میں رہے۔ امیتاو گھوش کا پہلا ناول The Circle of Reason ۱۹۸۶ میں شائع ہوا۔ اس نے ادبی پذیرائی کے علاوہ بہترین غیر ملکی ناول کا میڈیسی انعام حاصل کیا۔ دوسرا ناول The Shadow Lines ۱۹۸۸ میں چھپا اور اس نے ہندوستان کی ساہتیہ اکادمی کا ایوارڈ حاصل کیا۔ ان کی تیسری کتاب In an Antique Land ۱۹۹۲ میں شائع ہوئی۔ دیگر موضوعات کے علاوہ اس کتاب میں مصر کے [illegible] کی [illegible] ہے۔ ان کا بنیادی موضوع [illegible] کے تہذیبی مسائل ہیں۔

امیتاو گھوش کا مضمون The Ghosts of Mrs Gandhi، جس کا ترجمہ [illegible] کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے، دراصل نیویارکر کے ۱۷ جولائی ۱۹۹۵ کے شمارے میں Personal History کے ذیل میں شائع ہوا۔

اس مضمون میں بوسنیا کے ادیب جیواد قراحسن (Dzevad Karahasan) کا ذکر آیا ہے۔ قراحسن ۱۹۵۳ میں [illegible] میں پیدا ہوئے [illegible] سرائیوو یونیورسٹی میں ڈرامے کے استاد اور ادبی [illegible] Kriza کے مدیر [illegible] ناولوں کے علاوہ ان کی [illegible] شائع ہو چکی ہیں جن میں سے ایک کا نام The Eastern Divan ہے۔ قراحسن کی تازہ ترین کتاب Sarajevo: Exodus of a City ۱۹۹۴ میں شائع ہوئی ہے۔ اس سے ایک مضمون Sarajevo: Portrait of an Inward City کا اردو ترجمہ [illegible] کے عنوان سے "آج" کے شمارہ ۱۱ ("سرائیوو سرائیوو") میں شائع ہو چکا ہے۔

ایوان کلیما (Ivan Klima)

ایوان کلیما اس [illegible] چیکوسلوواکیہ کے ایک [illegible] نقش نگاروں میں [illegible] (Prague Spring) سے وابستہ [illegible] مصنفوں میں شامل تھے۔ ۱۹۶۸ میں چیکوسلوواکیہ پر روسی حملے کے بعد ان کی تحریروں کی اشاعت پر پابندی [illegible] ٹائپ شدہ [illegible] کی صورت میں [illegible] ممنوع [illegible] ۱۹۸۹ [illegible] ان کی تحریروں کے [illegible] شائع ہوئی ہیں۔ انگریزی میں کلیما کی کئی کتابیں [illegible] شائع ہو چکی ہیں جن میں My Merry Mornings، My First Loves، My Golden Trades وغیرہ شامل ہیں۔ ان کا ناول Love and Garbage بھی انگریزی ترجمے کی شکل میں چھپ چکا ہے۔ کلیما کا مضمون Freedom and Garbage جس کا ترجمہ [illegible] پیش کیا جا رہا ہے، مشرقی یورپ میں کمیونزم کے خاتمے کے بعد کی تہذیبی [illegible] ہے۔ یہ مضمون [illegible] Index on Censorship کے شمارہ ۲، ۱۹۹۳ میں شائع ہوا۔

امیتاو گھوش

انگریزی سے ترجمہ: اجمل کمال

مسز گاندھی کی بدروحیں

۱۹۸۴ کے سال سے دنیا میں کہیں اور بڑی بدشگونیاں تو اسے مکمل طور پر پورا نہیں کیا جتا ہندوستان میں۔ پنجاب میں علیحدگی پسندوں کا تشدد؛ امرتسر کی عظیم سکھ عبادت گاہ پر فوج کا حملہ؛ وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کا قتل؛ متعدد شہروں میں فسادات، بھوپال میں گیس کا سانحہ — واقعات یکے بعد دیگرے ہوتے چلے گئے۔ ۱۹۸۴ کے بعض دن تو ایسے تھے کہ نئی دلی میں صبح کو اخبار کھولنے کے لیے بڑے حوصلے کی ضرورت پڑتی تھی۔

اس سال کے بہت سے سانحوں میں سے مسز گاندھی کی موت کے بعد ہونے والے خونریز فسادات نے میری زندگی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا۔ اب پیچھے مڑ کر دیکھنے پر مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ان واقعے کے تجربات ادیب کے طور پر میری نشوونما کے لیے گہری اہمیت رکھتے تھے؛ ان کے باوجود میں نے آج تک ان کے بارے میں لکھنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

ان دنوں میں نئی دلی کے ایک علاقے ڈیفنس کالونی میں رہتا تھا جو وسیع، پیچیدہ دالانوں پر مشتمل مکانات کی چھتوں پر اور گیراجوں کے اوپر نوکروں کے تنگ تنگ، اپنے آپ میں مکمل، ایک ایک کمرے کے گھر ایک طرف کو بنے ہوتے ہیں۔ جب میں وہاں رہتا تھا تب تک ان گھروں نے اپنے مقام کی تلاش میں کوشاں نوجوانوں — صحافیوں، کاپی رائٹروں، نچلے درجے کے افسروں اور میرے جیسے یونیورسٹی کے استادوں — کو سر چھپانے کی جگہ دے دی تھی۔ ہم لوگ ان مالداروں کے بیچ یوں رہتے ہوتے تھے جیسے شہد کے چھتے میں، جو چھتوں پر دور تک پھیلا ہوتا تھا، مکھیاں بھری ہوتی ہوں؛ شہتیروں کے سہارے انٹینوں اور ٹی وی ایریلوں کے جنگل ہماری ناپائیدار زندگیوں اور مستحکم مکانوں کے درمیان حائل

تھے۔

میں تب تک تین سال کا تھا جس شہر کو میں اپنا گھر کہتا تھا وہ کلکتہ تھا، لیکن چند برسوں کو چھوڑ کر جو میں نے انگلستان اور مصر میں گزارے، میری ملازمت کی تمام مدت کی دہلی ہی میں گزری تھی۔ میں دو سال پہلے آکسفورڈ میں ڈاکٹریٹ مکمل کر کے ہندوستان واپس آیا تھا اور حال ہی میں مجھے دہلی یونیورسٹی میں ایک مدرسی کی ملازمت ملی تھی۔ مگر میری اصل مدرسی میری تپتی ہوئی چھت پر بسر ہوتی تھی۔ میں اپنا پہلا ناول کسی وضع کے مطابق ایک الماری پر بیٹھا لکھ رہا تھا۔

۳۱ اکتوبر کی صبح جب مسز گاندھی کا قتل ہوا، میں معمول کے مطابق تقریباً ساڑھے نو بجے دہلی یونیورسٹی جانے کے لیے بس میں سوار ہوا۔ جہاں میں رہتا تھا وہاں سے اس میں ڈیڑھ گھنٹہ لگتا تھا جو میں ایک طویل راستہ طے کر کے دہلی کے حساب سے کچھ غیر معمولی نہیں۔ قتل اس وقت سے کچھ پہلے ہو چکا تھا لیکن مجھے بس میں سوار ہوتے ہوئے اس کی خبر نہ تھی۔ نہ ہی میں نے راستے کے سفر کے دوران کوئی نامعلوم بات محسوس کی۔ مگر خبر لوگوں کے ہونٹوں سے ہوتی ہوئی یونیورسٹی پہنچنے کے لیے میری بس سے آگے دوڑ رہی تھی۔

جب میں یونیورسٹی کے میدان میں داخل ہوا تو میں نے لڑکوں کے شور و غل کرتے ہوئے بیٹھے ہوئے دیکھے، جو ہمیشہ نظر آتا تھا، وہ بسوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کو بڑا راستوں کے گرد جمع دیکھا۔ ایک طالب علم اپنی ایک ٹولی سے الگ ہو کر میری طرف بڑھا، اس کا مسکراہٹ سے بند ہونٹوں پر پھیلی کچھ بات مسکراہٹ سے کھینچ ہوتا تھا جو کچھ معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے کچھ سنا۔۔۔؟

جو سب کہیں میں وہ کر رہے تھے، اس نے بتایا، کوئی شخص یقین سے نہیں جانتا تھا، مگر کہا جا رہا ہے کہ مسز گاندھی کو گولی لگی ہے۔ خبر یہ تھی کہ آج صبح ان کے سرکاری اقامت میں دو سکھ محافظوں نے کوٹھی کے باغ میں کئی برسوں سے ان کی حفاظت پر مامور تھے، ان کی حفاظت سے دو سکھ محافظوں نے انہیں قتل کر دیا ہے۔

یونیورسٹی میں قدم رکھنے سے دو پہلے میں نے ہندوستان کے قومی ریڈیو نیٹ ورک، آل انڈیا ریڈیو، نے ایک رپورٹ میں مسز گاندھی کو زخمی کیا۔ حملے کے بعد ہسپتال لے جایا گیا تھا۔

کوئی مشتعل نہیں تھی۔ روزانہ کے معمول کا درس جاری ہونے سے جاتا رہا۔ میں کلاس روم میں چلا گیا اور سبق شروع کیا، مگر وہاں کچھ زیادہ طلبہ نہیں آئے تھے اور جو آئے تھے وہ کھوئے ہوئے اور منتشر تھے؛ کلاس میں بہت اضطراب تھا۔

لیکچر کے درمیان میں نے کمرے کی دور، دھوپ بھری کھڑکی میں سے باہر دیکھا۔ نیچے سڑک پر دور دور تک روشن دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ یہ سال کے وہ دن تھے جب دہلی اپنی بہترین کیفیت میں ہوتی ہے گرمی اور برسات کے دن ختم ہوتے ہوئے ہوا میں سردی کے بادلوں کی خوب ہلکی سی تھی اور آسمان دھند سے صاف ہو چکا تھا۔ تب میں دو بجے گھر تو مجھے پتا چلا کہ کیا بات ہو رہی تھی اور مجھے اپنے نوٹس پر نظر ڈالنی پڑی۔

مجھے اپنی بے کلی نے حیرت میں ڈال دیا۔ مسز گاندھی کے لیے میری پسندیدگی تنقید سے مبرا نہ تھی۔ ۱۹۷۰ کی دہائی کے درمیانی برسوں میں ان کی حکومت کا نیم آمرانہ دور میری یادداشت میں اب بھی زندہ تھا۔ لیکن ان کے قتل نے جھنجھوڑ دیا۔ میں نے اچانک ان کی بعض حقیقی خصوصیات یاد کیں جنھیں حسن و معمول کی بات سمجھا جانے لگا تھا: استقامت، وقار، جسمانی جرأت اور ثابت قدمی۔

لیکن اس لمحے میں صرف دکھ نہیں محسوس کر رہا تھا۔ اس سے بڑھ کر کسی شے کے ہاتھ سے پھسلتے چلے جانے کا احساس تھا، اندر کہیں کسی گہری دراڑ کے اچانک کھل جانے کا احساس۔

مسز گاندھی کی موت کی پہلی قابلِ اعتبار رپورٹ پاکستان کے سرکاری ریڈیو نیٹ ورک کے کراچی اسٹیشن سے تقریباً ڈیڑھ بجے نشر ہوئی۔ آل انڈیا ریڈیو پر معمول کی نشریات کی جگہ موسیقی نے لے لی تھی۔

میں یونیورسٹی سے اپنے ایک دوست ہری سین کے ساتھ نکلا جو شہر کے دوسرے کنارے پر رہتا تھا۔ مجھے ایک ٹرنک ڈسٹنس کال کرنی تھی اور اس نے مجھے پیش کش کی تھی کہ میں اس کے گھر کا فون استعمال کر سکتا ہوں۔

ہری کے گھر پہنچنے کے لیے ہمیں کناٹ پلیس پر بس بدلنی تھی جو دہلی کے ٹھیک بیچ میں واقع ہے: وسیع دائرے کی شکل کا ایک نفیس آرکیڈ ہے اور پرانی اور نئی دہلی کو ایک دوسرے سے جوڑتا ہے۔ جس وقت بس آرکیڈ کے محیط پر گھوم رہی تھی، میں نے دیکھا کہ دکانیں، شراب اور کھانے کی جگہیں بند ہونے لگی ہیں، جب کہ ابھی سہ پہر بھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

اگلی بس جس میں ہم سوار ہوئے پوری بھری ہوئی نہیں تھی، جو معمول سے مختلف بات تھی۔ عین اس وقت جب وہ نکل رہی تھی ایک شخص کسی دفتر سے دوڑتا ہوا نکلا اور کود کر سوار ہو گیا۔ وہ درمیانی عمر کا آدمی تھا اور قمیص پتلون پہنے تھا، لگتا تھا کہ پاس کی کسی سرکاری عمارت میں ملازم ہوگا۔ وہ سکھ تھا، لیکن اس وقت مجھے اس کا کوئی احساس نہیں ہوا۔

وہ شخص غالباً کچھ زیادہ سوچے بغیر بس میں چڑھ گیا تھا، کیوں کہ وہ روز اسی بس میں آتا جاتا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس روز کوئی اور فیصلہ اس سے زیادہ بدقسمتی کا نہیں ہو سکتا تھا، کیوں کہ اس بس کا راستہ اس اسپتال کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا جہاں مسز گاندھی کی لاش رکھی ہوئی تھی۔ ان کی پارٹی کے بعض وفادار وہاں موجود تھے جو سکھوں کو سزا دینے پر اکسانا شروع کر چکے تھے۔ اس وقت تک [illegible] سکھ، [illegible] ہجوم کا حملہ ہو چکا تھا۔

مگر اس وقت ہمیں ان میں سے کوئی بات معلوم نہیں تھی، اور ہمیں اس کا شبہ تک نہیں ہو سکتا تھا: دہلی شہر میں سکھ کبھی بھی تشدد کا ہدف نہیں بنائے گئے تھے۔

جس وقت ہماری بس نئی دہلی کی جانب دو رویہ پیڑوں سے ڈھکی سڑکوں پر آگے بڑھ رہی تھی، مجھے

کانیاں [illegible] جیسے [illegible] کاری [illegible] تھیں، [illegible] آگے نکل کر [illegible] قریب پہنچنے [illegible] زیادہ تر سرخ آنکھوں اور بھنی گھنی [illegible] کرنے والے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اس بس میں کوئی سکھ سوار نہیں ہے۔

[illegible] بالکل ساکت ہو جاتا۔

[illegible] زیادہ وحشت زدہ [illegible]

[illegible]

[illegible] تیز رفتاری سے [illegible]

[illegible]

بالکل درست اور ٹھوس انداز میں درمیانہ طبقے کا محلہ تھا جو خوش حالی سے زیادہ خوش حالی کی اُمنگوں سے آباد تھا۔ نئی دہلی کے ایسے دیگر نواحی علاقوں کی طرح یہاں بھی ملی جلی آبادی تھی؛ سکھوں کی بھرپور نمائندگی تھی۔

اس محلے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک لمبی سڑک یوں دوڑتی چلی گئی تھی جیسے کنگھی کے بیچ کا سالم حصہ ہوتا ہے، اور اس کے دونوں جانب متوازی تنگ گلیاں تھیں۔ میری ایک ایسی ہی گلی کے آخری سرے پر ایک دوست عام نمونے کے ایک منزلہ بنگلے میں رہتا تھا۔ لیکن اس کے برابر کا مکان ان سے کہیں زیادہ عالی شان اور تعمیر کے نمونے کے لحاظ سے غیر معمولی طور پر بے باک تھا۔ یہ ایک زاویہ دار عمارت تھی جس کا ڈھانچا ستونوں پر کھڑا تھا۔ اس کے مالک مسٹر باوا ایک عمر رسیدہ سکھ تھے جنھوں نے ایک طویل عرصہ ملک سے باہر مختلف بین الاقوامی اداروں کی ملازمت میں گزارا تھا۔ تیس برس سے وہ جنوب مشرقی ایشیا میں رہ رہے تھے۔ ان چوبی ستونوں کا یہی جواز تھا۔

میری اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ایک تنگ لمبی آباد اور عجیب و غریب جگہ میں رہتا تھا۔ اس کے دوست احباب کا زیادہ تر حلقہ سیاسی ... کے مضافاتی گاؤں کے باہر ... گئے تھے۔ لیکن اس موقعے پر گھر میں صرف میری کی والدہ اور گھر سنبھالنے والی موجود تھیں۔ میں نے وہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ ایک بہت روشن دن تھا۔ جب میں نے باہر نکل کر دھوپ میں قدم رکھا تو مجھے ایک ایسا منظر دکھائی دیا جس کا میں کبھی تصور تک نہ کر سکتا تھا۔ ہر سمت میں دھوئیں کے ستون آہستہ آہستہ شفاف آسمان میں بلند ہو رہے تھے۔ سکھوں کے گھر اور ان کی کاروباری عمارتیں جل رہی تھیں۔ آگ کے ہدف اتنی احتیاط سے منتخب کیے گئے تھے کہ دیکھ کر ہر طرف پھیلی ہوئی آتش زدگی کا نہیں، بلکہ ان سے قطعی مختلف شے کا تاثر ابھرتا تھا؛ بالکل ایسا جیسے بے شمار ستونوں والے کسی وسیع و عریض دالان میں کوئی شخص نیچے سے اس کی چھت کو دیکھ رہا ہو۔

میرے وہاں کھڑے کھڑے ہی دھوئیں کے ان ستونوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان آتش زدہ عمارتوں میں سے بعض بہت پاس معلوم ہوتی تھیں۔ میں نے ایک راہ گیر سے استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ صبح سے علاقے کے کئی سکھ مکانوں کو لوٹا اور جلایا جا چکا ہے۔ ہجوم نے یہی کارروائی محلے کے پرلے سرے سے شروع کی تھی اور اب وہ ساری سمت میں بڑھ رہا تھا۔ جن ہندوؤں اور مسلمانوں نے سکھوں کو پناہ دی یا بچانے کی کوشش کی ان کے بھی مکان لوٹے اور جلائے گئے تھے۔

ہر طرف خاموشی اور سکون تھا، اور یہ بات عجیب لگتی تھی۔ سویرے کے وقت کی ٹریفک کا شور غائب تھا۔ مگر تھوڑی تھوڑی دیر بعد بڑی سڑک پر تیزی سے جاتی کسی کار یا موٹر سائیکل کی آواز سنائی دیتی۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ یہ بے شمار تیز رفتار گاڑیاں قتلِ عام کی رسد رسانی میں بہت اہم کردار ادا کر رہی تھیں۔ بعض سیاست دانوں کے تحفظ میں موٹر سائیکل سوار شہر میں تیزی سے چکر لگا رہے تھے، ہجوموں کو کمک فراہم کر رہے تھے اور انھیں سکھوں کے مکانوں اور دکانوں تک پہنچنے کے لیے ٹرانسپورٹ فراہم کر رہے تھے۔

Scanned with CamScanner

[illegible]

انھیں، اکثر موقعوں پر مکینوں سمیت، آگ لگا دی گئی۔

[illegible] ایک خالی مکان میں چھپ جاتے ہیں۔ [illegible]

[illegible] پر ایک دوسرے سے چپکی ہوئی پڑی تھیں۔

[illegible] سارے شہر میں تشدد و دیوانگی کے اسی درجے پر جا پہنچا تھا۔

[illegible]

مذاق کر رہی ہیں اور ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ انھیں اس سے محظوظ ہونا چاہیے یا نہیں۔

دوپہر کے قریب مسز سین کے پاس ایک فون آیا: ہجوم اب بالکل پاس کی گلیوں تک پہنچ چکا تھا اور یک ایک گلی کر کے بڑے منظم طریقے سے آگے بڑھ رہا تھا۔ مرسی نے فیصلہ کیا کہ فوراً جا کر مسٹر باوا سے بات کرنی چاہیے۔ میں بھی اس کے ساتھ گئی۔

مسٹر باوا ایک پست قد، دبلے پتلے آدمی تھے۔ اگرچہ انھوں نے گھر کے کپڑے پہن رکھے تھے، لیکن ان کی پگڑی بالکل درست انداز میں بندھی ہوئی تھی اور داڑھی بھی قرینے سے کنگھی کر کے جالی میں لپیٹی ہوئی تھی۔ انھیں ہماری آمد سے اچنبھا ہوا۔ خیر مقدمی کلمات کے تبادلے کے بعد انھوں نے دریافت کیا کہ وہ ہمارے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ وضاحت کرنے کا کام مرسی کے حصے میں آیا۔

مسٹر باوا کو بلاشبہ مسز گاندھی کے قتل کیے جانے کی اطلاع مل چکی تھی، اور یہ بھی کہ کوئی ہنگامہ ہو رہا ہے۔ لیکن انھیں گمان تک نہ تھا کہ اس ہنگامے سے وہ یا ان کی بیگم کیوں کر متاثر ہو سکتے ہیں۔ سکھ دہشت پسندوں سے انھیں ہم سے بڑھ کر ہمدردی نہیں تھی؛ مسز گاندھی کے قتل پر ان کی ناخوشی ہم سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ نہ صرف ہندوستان اور ہندوستانی ریاست سے ان کی کمٹ منٹ مطلق تھی، بلکہ ان کے رویے سے ظاہر تھا کہ وہ ملک کے حکمراں طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ایسے شخص کو جس کی تمام عمر مراعات کی حفاظت میں گزری ہو، آپ کیوں کر اطلاع دے سکتے ہیں کہ اس کے حفاظتی خول میں ہلاکت خیز دراڑ پڑ گئی ہے؟ ہم نے ایسی رکاوٹ کو اُٹھتا محسوس کیا۔ مسٹر باوا کو کسی صورت باور نہیں کرایا جا سکتا تھا کہ کوئی ہجوم ان پر حملہ کر سکتا ہے۔

جس وقت ہم واپس ہوئے تب تک صورت یہ ہو چکی تھی کہ مسٹر باوا ہمیں تسلی دے رہے تھے۔ انھوں نے پیٹھ پر تھپکی دے کر ہمیں رخصت کیا۔ انھوں نے buck up کا فقرہ تو نہیں کہا لیکن ان کا انداز یہی ظاہر کر رہا تھا۔

ہمیں اعتماد تھا کہ حکومت تشدد کو روکنے کے لیے جلد اقدام کرے گی۔ ہندوستان میں شہری ہنگاموں سے نمٹنے کے لیے کارروائی بالکل طے شدہ ہے: کرفیو نافذ کیا جاتا ہے؛ پولیس اور فوجی دستے تعینات کیے جاتے ہیں؛ انتہائی ضرورت کی صورت میں فوج متاثرہ علاقوں میں بھیجی جاتی ہے۔ ہندوستان کا کوئی اور شہر اس کارروائی کے لیے حفاظتی مشینری سے دلی سے زیادہ لیس نہیں ہے۔ ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ بعض شہروں میں۔۔۔ مثلاً کلکتے میں۔۔۔ حکام نے تشدد کو روکنے کے لیے فوری اقدام کیے۔ لیکن نئی دلی، اور شمالی ہند کے بیشتر علاقوں میں، حکام گھٹنوں پر گھٹنے دھرے رہے اور کچھ نہ کیا گیا۔ ہم ہر چند منٹ بعد یہ خبر سننے کی توقع پر ریڈیو لگاتے کہ فوج کو طلب کر لیا گیا ہے۔ لیکن ہمیں مایوسی ہوتی۔ مسز گاندھی کی میت کے رکھے جانے، اور اہم ملکی اور غیر ملکی شخصیتوں کی آمد و رفت کی تفصیلات کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا۔ محسوس ہوتا تھا کہ خبروں کے بلیٹن کسی دوسرے سیارے سے موصول ہونے والے پیغامات ہیں۔

جوں جوں سہ پہر کا وقت گزرتا گیا، ہمیں ہجوم کی متواتر پیش رفت کی اطلاعیں ملتی رہیں۔ کچھ ہی دیر میں وہ برابر کی گلی میں پہنچ چکا تھا: ہمیں آوازیں سنائی دینے لگیں؛ دھواں ہر طرف پھیل رہا تھا۔ فوج یا پولیس کا اب تک کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

ہری نے ایک بار پھر مسٹر باوا کو فون کیا، اور اب، اپنی کھڑکی میں سے نظر آتے شعلوں کو دیکھ کر، وہ ہماری بات سننے پر پہلے سے زیادہ آمادہ تھے۔ وہ [illegible] تھوڑی دیر کے لیے، ہری کے گھر آنے پر راضی ہو گئے۔ مگر اب مسئلہ یہ تھا: آئیں کیسے؟ دونوں مکانوں کے بیچ کندھوں تک اونچی دیوار تھی، اس لیے ایک سے دوسرے مکان میں صرف گلی ہی سے ہو کر جانا ممکن تھا۔

گلی کے سرے پر لگے کچھ جھنڈے دکھائی دینے لگے تھے۔ کچھ کچھ دیر بعد گلی میں آتی جاتی موٹر سائیکل کی آواز سنائی دے جاتی۔ مسٹر باوا اور ان کی بیگم گلی میں قدم رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ [illegible]؛ سورج ڈوب چکا تھا لیکن روشنی اب تک باقی تھی۔ مسٹر باوا کو دیوار پر چڑھنے کی تجویز عجیب لگی؛ ان کی عمر میں دیوار ایک ناقابلِ عبور رکاوٹ معلوم ہوتی تھی، مگر آخر کار ہری نے انھیں کوشش کرنے پر آمادہ کر لیا۔

ہم ہری کے ساتھ [illegible] ان کا انتظار کرنے لگے، ایک ایسے مقام پر کھڑے ہو کر جو اوٹ میں ہونے کے باعث گلی میں سے دکھائی نہ دے سکتا تھا۔ ہجوم اب وحشت ناک حد تک قریب محسوس ہوتا تھا اور فیصلہ کرنے میں مسٹر باوا کی تاخیر [illegible] کے خلاف جا رہی تھی۔ ایک طویل وقفہ [illegible] کے بعد دونوں میاں بیوی آخر کار نمودار ہوئے اور تیزی سے چلتے ہوئے ہماری طرف آئے۔

مسٹر باوا نے گھر سے نکلنے سے پہلے لباس تبدیل کیا تھا: اپنے [illegible] میں وہ نہایت عجیب [illegible] لگ رہے تھے۔ مسز باوا، جو چھوٹے قد کی اور نحیف ناتواں معلوم ہوتی تھیں، [illegible]۔ ان کا باورچی ان کے ساتھ تھا، اور اسی کی مدد سے وہ دونوں دیوار پھلانگ کر اس طرف پہنچ گئے۔ باورچی، جو مسلمان تھا، واپس گھر میں چلا گیا تاکہ پہرہ دے سکے۔

ہری ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں لے آیا جہاں مسز سین، [illegible] ساری پہنے، انتظار کر رہی تھیں۔ کمرہ [illegible] آراستہ تھا: اس کی دیواروں پر [illegible] اور حسین [illegible] تصویریں لگی تھیں۔ پردے کھینچ دیے اور شمعیں جلا دی گئی تھیں [illegible] محسوس ہوتا تھا۔ لیکن باہر گلی میں گھومتے ہجوم سے اور ہمارے درمیان محض [illegible] کی ایک قطار اور اس کی دیوار حائل تھی۔

[illegible] میاں بیوی کے داخل ہونے پر مسز سین نے ہاتھ جوڑ کر ان کا استقبال کیا۔ انھوں نے ایک دوسرے [illegible] قریب بیٹھ گئے اور جلدی جلدی چائے کی ٹرے لائی گئی۔ تمام تکلفات دم بھر میں ختم ہو گئے، اور [illegible] دونوں کی [illegible] کے درمیان گفتگو کا رخ [illegible] کسی بھی ڈرائنگ روم کے پسندیدہ موضوعات کی طرف مڑ گیا۔

میں خود وہاں بیٹھے [illegible]

دروازے میں سے باہر جھانکنے لگا۔

موٹر سائیکلوں پر سوار کچھ نوجوان برابر والے مکان کے دروازے پر پہنچ گئے۔ وہ مکان کا جائزہ لینے کی غرض سے موٹر سائیکلوں سے اتر آئے اور کنکریٹ کے ستونوں کے درمیان گھوم پھر کر اندر کی سن گن لینے لگے۔ کسی طرح انھیں مسز باورچی کی موجودگی کا اندازہ ہو گیا اور انھوں نے اسے پکار کر باہر بلایا۔

باورچی سخت ڈرا ہوا تھا۔ وہ چاروں طرف سے غنڈوں کے گھیرے میں تھا جو اس کی آنکھوں کے آگے چاقو لہرا رہے تھے اور چیخ چیخ کر سوالات کر رہے تھے۔ وہ حیران ہو گیا تھا اور ان میں کچھ نے مٹی کے تیل کی بوتلیں اٹھا رکھی تھیں۔ سیاہ پگڑی والے انھوں نے چلا کر پوچھا، کیا اس کے مالک سکھ ہیں؟ کہاں ہیں وہ؟ کیا اندر چھپے ہوئے ہیں؟ مکان کس کا ہے -- ہندو کا یا سکھ کا؟

ہری اور میں دونوں مکانوں کی بیچ کی دیوار کی اوٹ میں ہو گئے اور تفتیش کی آوازیں سننے لگے۔ ہماری قسمت اس شخص، ڈرے ہوئے آدمی کے ہاتھ میں تھی۔ ہمیں قطعی اندازہ نہ تھا کہ وہ کیا کرے گا: اس کے مالک کس حد تک اس کی وفاداری پر بھروسا کر سکتے ہیں، یا کہیں وہ کسی پرانی شکایت کا بدلہ لینے کے لیے ان دونوں کا پتا تو نہیں بتا دے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو دونوں مکانوں کو آگ لگا دی جائے گی۔

وہ مارے دہشت کے ہکلا رہا تھا، مگر ثابت قدم رہا۔ ہاں، اس نے کہا، ہاں، اس کے مالک سکھ ہیں، مگر وہ شہر سے باہر ہیں، گھر میں کوئی نہیں ہے۔ نہیں، مکان ان کا نہیں ہے، کسی ہندو کا ہے، وہ لوگ کرائے پر رہتے ہیں۔

اس کی باتوں پر بیشتر غنڈوں نے یقین کر لیا، مگر چند ایک مشتبہ نظروں سے ارد گرد کے مکانوں کا جائزہ لیتے رہے۔ ان میں کچھ ہمارے سامنے کے فولادی گیٹ کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور سلاخوں سے اسے کھڑکھڑانے لگے۔

ہم دونوں آگے بڑھے اور گیٹ پر جا کھڑے ہوئے۔ ڈرائیووے میں سے چہل قدمی کرتے ہوئے مجھے پہانا ہوں احساس یاد ہے، جیسے میں بہت دور کسی مقام پر کھڑا خود کو دیکھ رہا ہوں۔

ہم نے گیٹ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور جواب میں چلانے لگے: جاؤ یہاں سے! یہاں تمھارا کیا کام ہے؟ اس مکان میں کوئی نہیں ہے! خالی پڑا ہے!

ہمیں حیرت ہوئی کہ وہ لوگ ایک ایک کر کے جانے لگے۔

اس سے کوئی ہفتہ پہلے، میں نے یہ دیکھنے کے لیے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تھا کہ مسز سین اور ان کے مہمان کیسے وقت گزار رہے ہیں۔ لیمپوں سے روشن ڈرائنگ روم میں غنڈوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں، صرف ایک باریک سے پردے نے کمرے کے اندر کے منظر کو ان کی نگاہوں سے چھپا رکھا تھا۔

میں نے ڈرائنگ روم میں جو کچھ دیکھا اس کی یاد اب تک میرے ذہن پر واضح طور پر نقش ہے۔ مسٹر باوا کی پیالی میں چائے انڈیلتی مسز سین کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ ان کے برابر میں بیٹھی

مسز پاڑا، مضبوط، مستحکم آواز میں موازنہ کر رہی تھیں کہ گھریلو ملازموں کے معاملے میں نئی دہلی اور ممبئی میں کیا فرق ہے۔

میں ان تینوں کے حوصلے پر حیران تھا۔

اگلی صبح میں نے سنا کہ ایک بڑی ... سے وسیع احاطے میں احتجاجی جلسہ کیا جا رہا ہے۔ جب میں وہاں پہنچا تو کارروائی شروع ہو چکی تھی اور وہاں سات آٹھ سو لوگ موجود تھے۔

جلسے کا موڈ غم انگیز تھا۔ کچھ لوگ ان محلوں کے بارے میں بتا رہے تھے جو اس مقام پر زیادہ ہجوموں کے قبضے میں آ گئے تھے۔ انھوں نے بے شمار واقعے قتل کا — جن میں سے بیشتر کو زندہ جلایا گیا تھا — اور بے پناہ تباہی کا تذکرہ کیا؛ سکھوں کے گھر دور سے جلائے گئے، سکھوں کے سکول لوٹے گئے، سکھوں کے مکان اور دکانیں مسمار کی گئیں۔ تشدد اس سے کہیں زیادہ ہوا تھا جتنا میں نے تصور کیا تھا۔ فیصلہ ہوا کہ سب سے موثر ... یہ ہوگا کہ کسی شدید متاثرہ علاقے میں مارچ کر کے فسادیوں کا روبرو سامنا کیا جائے۔

جلسہ گاہ تقریباً ڈیڑھ سو مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا جن میں ہندو ... سوامی اگنی ویش، ... اور حزب اختلاف کے چند سیاست دان بھی تھے، مثلاً چندر شیکھر جو کئی برس بعد مختصر مدت کے لیے وزیر اعظم بھی ہوئے۔

گروپ، ایک ایسے شہر کو دیکھتے ہوئے جہاں لاکھوں لوگ ... سیاسی جلسوں کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں، قابل رحم حد تک مختصر تھا۔ اس کے باوجود ہم ... پیدل ... ہوئے اور مارچ شروع کر دیا۔

برسوں پہلے میں نے وی ایس نائپال (V S Naipaul) کا لکھا ہوا ایک مضمون پڑھا تھا جو ... ذہن میں تب سے بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے دوبارہ اس کی تلاش نہیں کی ... اس لیے اس کا مفہوم حافظے کی مدد سے لکھ رہا ہوں۔ اسی مضمون میں نائپال نے ایک مظاہرے کا حال بیان کیا ہے۔ وہ ... جنوبی امریکہ کے کسی مقام پر ایک ہوٹل سے ... رہے ہیں؛ وہ نیچے نظر ڈالتے ہیں اور لوگوں کو سڑک پر مارچ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ انھیں تعجب ہوتا ہے کہ یہ منظر ان میں ایک مبہم آرزو جگا دیتا ہے۔ ایک طرح کی ...؛ وہ باہر نکلیں، جا کر ہجوم میں شامل ہو جائیں، اپنی انفرادیت کو اس میں گم کر دینے کی خواہش سے آشنا ہوتے ہیں۔ لیکن انھیں معلوم ہے کہ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکیں گے؛ ان کی فطرت انھیں نہیں ... کہ ہجوم میں شامل ہو سکیں۔

میں نے ... نائپال کی لکھی ہوئی ہر چیز تلاش کر کے پڑھی ہے؛ ان کی تحریروں سے میری طبیعت کبھی سیر نہیں ہوئی۔ میں نے ... مگر زیادہ توجہ سے ... پڑھا ہے جو کوئی شخص اپنے سب سے ... کے لیے محفوظ رکھتا ہے۔ ... میرے لیے ... خود کو ...

Scanned with CamScanner

تصور کرنا ممکن ہو جو آگ زنی میں پیش قدمی کر سکے۔

مجھے وہ واقعہ اس لیے یاد آیا، کیوں کہ مجھے یقین تھا کہ دنیا بیان کی طرح میں بھی شامل ہونے والوں میں سے نہیں ہوں، اور میرا خیال تھا کہ ماحول کے سفاک آئینے میں میں نے اپنے وجود کے ایک پہلو کو ظاہر ہوتے دیکھ لیا ہے۔ لیکن جس وقت اس مختصر گروپ نے، احاطے کی پناہ سے نکل کر، اپنا مارچ شروع کیا تو مجھے ایک لمحے کو بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوئی۔ دوسری بار سوچنے کا موقع آنے سے پہلے میں اس گروپ میں شامل ہو گیا۔

مارچ کی پہلی منزل لاجپت نگر تھی، جو وہاں سے تقریباً ایک میل دور واقع مصروف تجارتی علاقہ ہے۔ میں اس علاقے سے واقف تھا۔ نئی دہلی کی حدود میں ہوتے ہوئے بھی وہاں کی سڑکیں شہر کے قدیم حصوں سے مماثلت رکھتی تھیں جہاں چھوٹی چھوٹی، ایک دوسرے میں گھسی ہوئی دکانیں ابل کر راستوں تک پھیل جانے پر آمادہ رہتی ہیں۔

ہم مارچ کرتے ہوئے نعرے لگا رہے تھے: امن اور بھائی چارے کے وہی پرانے گاندھیائی نعرے جو نصف صدی سے سنتے آ رہے ہیں۔ تب اچانک ہمارا سامنا ایک چونکا دینے کی حد تک مانوس منظر سے ہوا، بیسویں صدی کے ایک بہت عام شہری (urban) منظر سے: جلی ہوئی گاڑیاں جن کی ٹوٹی ہوئی کھڑکیوں میں سے اندر کا اُلٹا پلٹا سامان دکھائی دے رہا تھا؛ ملبہ اور تباہ شدہ چیزیں ہر طرف تھیں۔ سڑک کے دونوں کناروں پر ٹرک جل کر سیاہ ہوئے پڑے تھے۔ ایک سنیما کو آگ لگا دی گئی تھی اور فلمی ستاروں کے جھلسے ہوئے چہرے ادھڑے ہوئے پوسٹروں میں سے باہر گھور رہے تھے۔

اب جب میں اس مارچ کے بارے میں سوچتا ہوں تو میرا حافظہ جواب دے جاتا ہے۔ تفصیلات گڈمڈ ہونے لگتی ہیں۔ میں نے پچھلے دنوں میں سے فون پر کچھ ایسے دوستوں سے بات کی جو وہاں موجود تھے۔ ان سب کی یادیں صرف ایک اعتبار سے میری یاد سے مشابہت رکھتی ہیں: ان کے ذہنوں میں بھی منظر کی کوئی ایک تفصیل اٹک کر رہ گئی ہے جس نے باقی تمام تفصیلوں کو دھندلا دیا ہے۔

جس منظر کو میری یادداشت نے محفوظ رکھا ہے وہ اس لمحے کا ہے جب یہ گویا معلوم ہو رہا تھا کہ ہم پر حملہ کیا جائے گا۔

ایک موڑ مڑتے ہوئے ہم نے خود کو ایک ایسے ہجوم کے مقابل پایا جو اس سے پہلے ہمارے سامنے آنے والے کسی بھی ہجوم سے زیادہ بڑا تھا اور کہیں زیادہ پرعزم دکھائی دے رہا تھا۔ اس سے پہلے اس طرح کے ہر موقعے پر ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ مارچ کرتے ہوئے ہجوم کے بالکل قریب پہنچ کر انھیں بحث میں الجھا لیتے جو بہت جلد چیخنے چلانے کے ایک طویل مقابلے میں بدل جاتی۔ اور اس سے پہلے ہر موقعے پر ہم نے ہجوم کو مغلوب کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ مگر یہ ہجوم محاذ آرائی پر تلا ہوا تھا۔ جب وہ ڈنڈے چاقو اور سلاخیں لہراتے ہوئے ہماری طرف بڑھے تو ہم رک گئے۔ جوں جوں ہجوم ہمارے نزدیک آتا گیا ہمارے نعروں کی آوازیں اور دھیمی ہوتی گئیں؛ ہم پر ایک طرح کی بے خودی چھا گئی، کسی کلائمکس کے

Scanned with CamScanner

قریب پہنچ جانے کی سی سرخوشی۔ ہم محض کام سر انجام دے رہے تھے جیسے ہوا آنے کو جھک کے پیچھے سامنے سے کوئی تیز آندھی آرہی ہو۔

اور تب ایک ایسی بات ہوئی جسے میں آج تک پوری طرح سمجھ نہیں پایا ہوں۔ کسی کی طرف سے ایک لفظ نہیں نکلا، کسی نے کوئی اشارہ نہیں دیا۔ ہمارے سامنے والی قطار میں کوئی تبدیلی سی آگئی۔ لیکن چونکہ ہمارے گروپ میں شامل تمام عورتیں ... گروپ میں شامل ... کی نصف تعداد سے زیادہ نہیں۔۔۔ مردوں کے درمیان سے نکل کر سامنے آگئیں اور ... پیچھے کھسک گئیں ... اور ... ایک دیوار، ہم سب کی ہوئی رکاوٹ کی شکل میں ڈھل گئیں۔ انہوں نے ہمارے گرد ایک دیوار کھینچ دی۔ پھر وہ حملہ کرنے کی غرض سے بڑھتے ہوئے مردوں کے مقابلے کے لیے ڈٹ گئیں اور انہیں چیلنج کیا کہ ہمت ہو تو آگے بڑھیں۔

مردوں نے چند قدم ان کی طرف بڑھائے اور پھر ان کی ہمت جواب دے گئی۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ایک لمحے بعد وہ فرار ہو چکے تھے۔

... جانے میں ... جو ... سے شروع ہوا تھا۔ اگلے چند گھنٹوں میں ایک تنظیم قائم کی گئی ... پتھراؤ بند ہو گیا ... اور اگلی صبح ... کا کام شروع ہو گیا۔ زخمیوں اور بے سہاروں کی مدد، بے گھروں کی آباد کاری کا کام۔ ... اور ... کی ضرورت تھی ... لوگ ... کے ... جو ... اب ... نہیں رہ گئی۔ ... تک ... ہونے ... معمولی طور پر ... بچ گئے۔ ... لوگوں ... گھروں، ... جوڑوں، ... شعلوں ... ان کے ... اس کے پیچھے ... ٹوٹے اور ... باقی تھے۔ ... میدان میں پیچھے ہٹ کے ... گئی۔

خود ... کام میں ... بہت معمولی تھا۔ میں نے چند گھنٹے دلی ... کی ایک ... کے ساتھ مل کر ... غریب ... لوگوں کی بستیوں میں ... سب سے بری طرح متاثر ہوئی تھیں، ... تقسیم کرنے کا کام کیا۔ پھر میں اپنی ڈیسک پر لوٹ آیا۔

میرے بیشتر ... وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ... طور پر اپنی اپنی روزمرہ زندگی کی طرف لوٹ گئے۔ لیکن کچھ ... ان میں نمایاں وہ عورتیں تھیں جنہوں نے پناہ گزینوں کے کیمپوں کا ... عورتوں اور بچوں کے ساتھ برسوں تک کام میں مصروف رہیں۔ ... عورتوں سے ... میں سے ہر ایک ... میں ... کہتی تھی اپنے وقت میں سے ... سال ... نقصان کی تلافی کرتے ہوئے ... دو یا تین دن ... آیا تھا۔

محاذ نے فسادات کی تحقیقات کرنے کے مقصد سے ایک ٹیم بھی تشکیل دی۔ میں نے اس میں شامل ہونے پر کچھ دیر غور بھی کیا، مگر پھر فیصلہ کیا کہ تحقیقات کرنے سے ہونے والے وقت ضائع کرنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا کیوں کہ سیاست داں، جو تشدد کو کرانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، حساس شہریوں کے ایک مختصر سے گروپ کی بات پر کان نہیں دھریں گے۔

میرا خیال غلط تھا۔ اس تحقیقاتی ٹیم نے آخرکار ایک چھوٹی سی کتاب تیار کی -- ایک مختصر پمفلٹ جس کا عنوان تھا "مجرم کون ہیں؟" -- جسے اب کلاسیک کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ یہ دستاویز ان سیاست دانوں کے خلاف ایک سخت فردِ جرم ہے جنھوں نے فسادات کو ہوا دی تھی، اور پولیس کے خلاف بھی جس نے فسادیوں کی کارروائی میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔

برسوں کے عرصے میں ہندوستانی حکومت نے ۱۹۸۴ کے فسادات کے بعض متاثرین کو معاوضہ ادا کیا ہے اور کچھ بے گھروں کو آباد کیا ہے۔ مگر سرکاری اقدام میں ایک خلا آج تک موجود ہے: فسادات کو بھڑکانے والے کسی ایک بھی شخص کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ لیکن حکومت پر دباؤ مسلسل برقرار رہا ہے، اور اس دباؤ میں اضافہ ہوا ہے: ہر سال اس مختصر دستاویز کی گونج ہوتی کہیں کچھ اور گہرائی تک اتر جاتی ہیں۔

یہ پمفلٹ اور اس کے بعد شائع ہونے والی دوسری دستاویزات ان لوگوں کے لیے موجود ہر ممکن انسانی راستے کی شہادت درج کرتی ہیں جو کئی نسلی گروہوں، کئی مذہبوں کے ماننے والوں پر مشتمل معاشرے میں رہتے ہیں، جیسے معاشرے اس برصغیر میں موجود ہیں۔ "مجرم کون ہیں؟" جیسی انسانی حقوق کی دستاویزیں شہری (civil) گروہوں کو وسیع بنیادوں پر کام کرنے کے عمل کے لیے رہنما ہیں: یہی وہ ہتھیار ہیں جن کے ذریعے سے معاشرہ ایک ایسی ریاست کے خلاف اپنے عزم کا اظہار کرتا ہے جو مجرمانہ طور پر بے قابو ہو سکتی ہو، جیسے ہندوستانی ریاست نومبر ۱۹۸۴ کے دہلی شہر میں ہو گئی تھی۔

یہ بات دل کو تقویت دینے والی ہے کہ پنجاب میں آج ہوش مندی کو عروج حاصل ہے۔ لیکن دوسری جگہوں پر نہیں۔ بمبئی میں ہندوستانی حکومت کے اہلکار کسی عوامی عمارت پر سبز روغن کرنے کی ممانعت کر رہے ہیں -- کیوں کہ اس رنگ کا تعلق مسلمانوں کے مذہب سے جوڑا جاتا ہے۔ اور شہر کی نچلے طبقے کی آبادیوں (slums) سے سیکڑوں مسلمانوں کو شہر بدر کر دیا گیا ہے۔ کم سے کم ایک ایسے واقعے کا جواز محض یہ تھا کہ وہ لوگ ایک بنگالی اخبار پڑھنے کا جرم کر رہے تھے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ حکومتیں ایسے لوگوں کو سزا سے نہ بچنے دیں جو ہجوم کے تشدد کو کرواتے ہیں۔

بوسنیائی ادیب جواد قرہ حسن (Dzevad Karahasan) نے اپنے ایک شاندار مضمون میں، جس کا عنوان "ادب اور جنگ" ہے اور جو پچھلے برس شائع ہونے والے ان کے مجموعے "سرائیوو: ایک شہر کی جلاوطنی" (Sarajevo, Exodus of a City) میں شامل ہے، جدید ادبی جمالیات

برتری (aestheticism) اور تشدد کے معاملے میں معاصر دنیا کی بے حسی کے درمیان ایک حیران کن تعلق دریافت کیا ہے: 'انتشار مرتبے کا اور تشدد کی جمالیاتی مظہر کے طور پر ارتفاع... اور خیر اور سچائی سے متعلق معیاروں کو مکمل طور پر نظر انداز کر دینا... کا فیصلہ ایک ذاتی فیصلہ ہے۔ یہ جدید آرٹ کی دنیا میں پیدا ہوا اور تیزی سے معاصر دنیا کی خصوصیت بن گیا ہے۔

جب نومبر ۱۹۸۴ میں میں نے اپنی ڈائری کے صفحوں کو ترتیب دے کر خود کو لکھنے سے متعلق کچھ ایسے فیصلوں سے دوچار پایا جن سے میرا سامنا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا اس کے بارے میں کس طرح لکھوں کہ وہ محض ایک نظارہ (spectacle) بن کر نہ رہ جائے؟ میرے ذہن کا پہلا سوال مجھے وہاں پر شروع سے ہوا تھا، مگر مجھے کوئی تدبیر سمجھ نہیں آتی تھی کہ ان واقعات کے بارے میں ایماندار رہتے ہوئے کس طرح لکھوں کہ وہ تشدد کے ایک مرکزی … کی تخلیق نہ بنیں، جو کسی کے لفظوں میں 'جمالیاتی مظہر' … بن جائیں۔ اس وقت یہ سوال مجھے فحش اور بے معنی معلوم ہوتا تھا۔ تشدد کا شاہد بننے والوں کی شہادتیں کافی ہیں۔ حقیقت بیان کرنے سے کہیں زیادہ اہم تھا کہ یہ کام ان لوگوں کے ہاتھوں سے ہو جو پہلے ہی … تھے، جن کی صلاحیت مجھ سے کہیں زیادہ رکھتے ہیں۔

چند مہینوں کے بعد میں نے ایک ناول لکھنا شروع کر دیا، جس کا نام آخرکار The Shadow Lines رکھا گیا۔ یہ کتاب مجھے وقت میں پیچھے کی طرف لے گئی، فسادات کے بارے میں میری ابتدائی یادوں کی طرف، جب میں نے بچپن میں ان کا مشاہدہ کیا تھا۔ یہ ایک ایسی کتاب بن گئی جو کسی ایک مخصوص واقعے کے بارے میں نہیں، بلکہ ایسے واقعات کے مفہوم اور ان واقعات سے گزرنے والے انفرادی ذہن پر ان کے اثرات کے بارے میں تھی۔

ان واقعات کا مشاہدہ میں نے ۱۹۸۴ کے نومبر میں کیا تھا ان کے بارے میں میں نے درحقیقت آج تک کچھ نہیں لکھا۔ ان معاملات میں میں اکیلا نہیں ہوں: امدادی کام میں حصہ لینے والے کئی دوستوں کی … رپورٹیں شائع ہوئی تھیں، جہاں تک مجھے معلوم ہے کسی ایک شخص نے بھی … کے بارے میں … ان واقعات کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔

… وجوہات موجود ہیں، ان میں صورت حال کا سیدھا سادہ … سب سے اہم ہے کہ ہم ہرگز … نہیں … سے، خاص طور پر … کے لیے کچھ کہنے کی گنجائش بہت کم رہ جاتی ہے۔ ان فسادات کو تشدد کے ایک سلسلے سے … دیا، جس میں ایک جانب پنجاب کے دہشت گرد، اور دوسری جانب ہندوستان کی حکومت … اس موضوع پر بے احتیاطی سے لکھنا، یا اس طرح لکھنا کہ اس سے دہشت گردی … کی حمایت کا پہلو نکلتا ہو، بڑی آسانی سے مسئلے کی پیچیدگی میں اضافہ کر سکتا ہے۔ … ایسے حالات میں لفظوں کی قیمت … نہیں کی ہو سکتی تھی، اور یہ بات بالکل مناسب ہے … جو … سے … کہتے ہیں … زبان سے نکلنے والے الفاظ پر بڑی احتیاط سے توجہ

Scanned with CamScanner

دیں۔ اور یہ بات بھی بالکل مناسب ہے کہ وہ خود کو کچھ کہنے سے معذور پاتیں۔

لیکن اس کی ایک مزید توضیح بھی موجود ہے۔ اس سے پہلے کہ میں کاغذ پر ایک لفظ لکھ سکتا، مجھے ایک الجھاوے کو اپنے ذہن میں سلجھانا تھا: ادیب اور شہری کے طور پر میری دو حیثیتیں آپس میں گڈمڈ تھیں۔ ادیب کی حیثیت سے میرے سامنے ایک وسیع موضوع تھا: تشدد۔ اخباری رپورٹوں سے، یا جدید ترین فلم یا ناول سے، ہم تمام خونریز تفصیلات یا بہت خوش اسلوبی سے اسٹیج کی ہوئی آتش زنی کی توقع کرنے لگے ہیں جو کسی باب کے اختتام پر، یا کلائمکس کے مقام پر، پیراگراف میں واقع ہو۔ لیکن یہ سوال بہت بامعنی ہے کہ اس موضوع -- تشدد -- کا اس قدر وسیع ہونا کہیں اظہار کی بابت ہمارے جدید اصولوں کی بنا پر تو نہیں ہے: ہمارے زمانے کی غالب جمالیات کی حدوں میں -- جسے ... نے بے حسی کی جمالیات کا نام دیا ہے -- تشدد کو بہت بےباک نظارے کے طور پر پیش کرنا بے حد آسان ہو گیا ہے، اور تشدد کی مزاحمت کو اتنی ہی آسانی سے نظرانداز، یا اس سے بھی بری بات کہیں تو قنوطی، یا لغو ردعمل قرار دے دیا جاتا ہے۔

ادیب ہجوموں میں شامل نہیں ہوتے -- یہاں اور متعدد دوسرے ادیب ہمیں یہی سکھاتے ہیں لیکن جب آئینی حاکمیت اپنی ذمہ داری پوری نہ کر رہی ہو تب کیا کیا جائے؟ تب آپ شامل ہو جاتے ہیں، اور شامل ہونے کے عمل سے وابستہ تمام ذمہ داریوں، تمام فوائد اور تمام تر احساسِ جرم کو قبول کر لیتے ہیں۔ تشدد کی بابت میرا تجربہ بہت خاص اور یادگار طور پر تشدد کی مزاحمت پر مبنی تھا۔ جب میں غنڈوں کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورتی ان عورتوں کے بارے میں سوچتا ہوں تو یہ حیوان مجھ میں ادیبوں کی سی سرخوشی نہیں پیدا کرتا۔ مجھے جسمانی ضرر سے بچائے جانے پر بڑی ممنونیت یاد آتی ہے۔ جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا -- صرف اس مارکیٹ میں نہیں بلکہ بس میں بھی، سڑک کے کنارے بھی، ضرورت کی چیزوں سے بھرے احاطے میں بھی -- وہ تشدد کی ہولناکی نہیں بلکہ انسانیت کا وقار تھا: ان میں سے ہر موقعے پر میں نے اس خطرے کا مشاہدہ کیا جو بہت عام لوگ ایک دوسرے کی خاطر مول لینے کو تیار تھے۔

اب میں جب کسی دنیا کے پرآشوب خطوں کا احوال پڑھتا ہوں، جس کی رو سے تشدد بہت بنیادی اور ہمہ گیر حقیقت معلوم ہوتا ہے، ایک ایسی تقدیر جس نے لوگوں کی کثیر آبادیوں کو گھیر لیا ہے، تو میں خود کو یہ سوال کرتے ہوئے پاتا ہوں: کیا بات محض اتنی ہی ہے؟ یا یہ بھی ممکن ہے کہ ان احوال کے مصنف کوئی ایسی ہیئت -- یا ایسا اسلوب یا ایسی آواز یا ایسا پلاٹ -- پانے میں ناکام رہے ہوں جو بیک وقت تشدد، اور تشدد کی مذمت اور دانستہ مزاحمت، دونوں کا اظہار کر سکے؟

سچ یہ ہے کہ تشدد کا سب سے عام ردعمل ناگواری کا ہوتا ہے، اور یہ کہ دنیا میں ہر جگہ، واضح نمایاں تعداد میں لوگ، جس طرح ان سے بن پڑے، تشدد کی مزاحمت کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کوششیں تشدد کے تذکروں میں شاذونادر ہی جگہ پاتی ہیں، اور اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے: یہ کوششیں بہت

Scanned with CamScanner

غیر ذمہ دار ہوتی ہیں۔ ان کوششوں میں حصہ لینے والوں کے لیے ان کے بارے میں لکھنا اکثر دشوار ہوتا ہے، اور اس دشواری کی وجوہ وہی ہیں جنہوں نے ۱۹۸۴ کے بارے میں میری اس تحریر کو اتنے عرصے تک ملتوی کیے رکھا۔

ہمیں خود کو یہ سبق یاد دلانا چاہیے، جو حسن نے لکھا ہے۔ دنیا پہلے تحریر میں رونما ہوتی ہے۔۔ مقدس کتابیں بتاتی ہیں کہ دنیا کو لفظوں میں تخلیق کیا گیا تھا۔۔ اور جو کچھ پیش آتا ہے وہ پہلے زبان کے اندر پیش آتا ہے۔

جب ہم اس دنیا کا تصور کرتے ہیں جسے بے حسی کی حمایت پیدا کرتی ہے، تبھی ہم ان کہانیوں کو یاد رکھنے کی بے پایاں اہمیت پہچان پاتے ہیں جنہیں ہم نے اب تک نہیں لکھا۔

**

Scanned with CamScanner

ایوان کلیما

انگریزی سے ترجمہ: اجمل کمال

آزادی اور کوڑا کرکٹ

کسی مطلق العنان حکومت کے سلسلے میں کلچر کا ذکر کرنا ہی بظاہر قولِ محال (paradox) سا معلوم ہوگا۔ آدمی کو خیال ہوگا کہ دانشورانہ بندشیں، نظریہ پرستی، سنسر شپ، تعلیمی نظام کے مرکزی کنٹرول، اور کلیسائی زندگی اور فنون پر عائد پابندیوں نے کلچر کے لیے جگہ ہی کہاں چھوڑی ہوگی۔ مگر حقیقت بہرحال یہ ہے کہ معاملہ ایسا سیدھا سادہ نہیں تھا۔ کتابیں شائع ہوتی تھیں، ٹیلی وژن پروگرام نشر کیے جاتے تھے اور، بدترین حالات میں بھی، وہ سب کی سب کتابیں اور ٹی وی پروگرام گھٹیا نہیں ہوتے تھے۔ پراگ ٹیلی وژن کلاسیکی ڈراموں کی شاندار پیش کشیں، فطرت کے موضوع پر فلمیں، بچوں کے لیے، ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویروں پر مبنی اینی میٹڈ (animated) فلمیں وغیرہ نشر کرتا تھا۔ نمائشیں ہوتی تھیں اور تھیئٹر تماشائیوں سے بھرے رہا کرتے تھے۔ کتابوں کا بازار محدود تھا، صرف کچھ ہی کتابیں دستیاب تھیں، اور یہی بات تھیئٹروں اور سنیما گھروں کے ذخیروں، بلکہ خود سرکاری سفری ایجنسیوں کی جانب سے کرائے جانے والے سفری دوروں کے بارے میں بھی درست ہے۔ دوسری جانب یہ بھی حقیقت ہے کہ کتابوں اور ثقافتی تقریبوں کے ٹکٹ کم قیمت تھے کیوں کہ کلچر کی جو بات جاری رکھی جاتی تھی اسے بھاری مالی امداد ملتی تھی۔ جو کچھ اخباروں میں لکھا جاتا یا ریڈیو یا ٹیلی وژن سے نشر ہوتا، وہ بلاشبہ دانستہ دروغ گوئی پر مبنی تھا، بلکہ دروغ گوئی نے، بچوں کو دی جانے والی تعلیم سے لے کر تجارت کے عمل تک، زندگی کے بہت سے پہلوؤں میں جگہ حاصل کر لی تھی۔

سنسر شپ کو وسیع ترین بنیادوں پر نافذ کیا جاتا تھا: یہ ایک طرف لوگوں کو ہر اُس چیز سے لاعلم رکھتی تھی جو نظریاتی طور پر مشتبہ ہو، یا جو توازن کو درہم برہم کرنے کا امکان رکھتی ہو، اور دوسری

Scanned with CamScanner

[illegible] سے کوئی فن پارہ تخلیق کرے، تصور سے باہر کی بات تھی۔

[illegible] بلکہ حقیقت [illegible] مشتغل [illegible]

[illegible] (consumerism) [illegible]

[illegible] روزگار اور اجرت کی ضمانت دیتا تھا (اور [illegible]

[illegible] تھا، جس کا مقصد خود وقت [illegible] مجموعی نظام کا حصہ رہیں۔

[illegible]

سرحدوں کی حفاظت کرتی تھی۔ اگرچہ اس کا مطلب اکثر صورتوں میں انھیں شہریوں کو اندر قید رکھنا ہوتا تھا، لیکن ساتھ ساتھ ہی بین الاقوامی جرائم کی بدترین شکلوں کو اندر آنے سے روکنا بھی تھا۔ یہ علم لوگوں کے شعور میں پوری طرح جڑ پکڑ چکا تھا کہ ریاست ان کی دیکھ بھال کر رہی ہے، بلکہ یہ بھی کہ یہ ریاست کا فرض ہے، اور کوئی اوسط درجے کا شہری خود کو مقابلتاً اس سے کچھ زیادہ محفوظ خیال کر سکتا تھا جتنا آج ایک جمہوری معاشرے میں کر سکتا ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ لوگوں نے کس طرح اس نظام اور اس سے پیدا شدہ کلچر سے مفاہمت کی، غیر شعوری طور پر انھوں نے اس کے بہت سے پہلوؤں کو تسلیم کر لیا تھا اور میں تو یہاں تک کہوں گا، اگرچہ قدرے سادہ بیانی کے ساتھ، کہ اس نظام کے تحت زندگی بسر کرنے والے لوگوں نے اپنے اندر دانستہ طور پر ایسی خصوصیات پیدا کر لی تھیں جو آزاد حالات میں پروان چڑھنے والے لوگوں کی خصوصیات سے مختلف تھیں۔

جو لوگ اس طرز زندگی کو قبول کرنے سے انکار کرتے، یعنی جو اس نظام کی دروغ گوئی اور منافقت کے پردے کے پار دیکھ لیتے، ان کے ساتھ اکثر سختی کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ انھیں مادی طور پر نقصان اٹھانا پڑتا، لیکن شاید اس سے بھی بڑھ کر انھیں ذہنی اور روحانی تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی تھیں: آزادی سے محرومی، اطلاعات سے محرومی، قسم قسم کی پابندیاں جو ان کی زندگی کی تقریباً ہر سطح کو متاثر کرتی تھیں۔ اس حقیقت کا احساس کرنے پر کہ وہ آزاد دنیا سے کٹے ہوئے ہیں، جو فاصلے سے دیکھنے کے باعث خوشگوار حد تک دلکش رنگوں میں نہائی دکھائی دیتی اور غیر محدود امکانات، سہولیات اور مکمل آزادی کی دنیا معلوم ہوتی تھی۔ وہ لوگ طیش میں آ جاتے اور انھیں محسوس ہوتا کہ ان کی بدبختیوں کا کوئی مستقبل نہیں ہے جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس پورے سماجی نظام ہی کا، جس میں وہ رہ رہے ہیں، کوئی مستقبل نہیں ہے۔

اس قسم کی ذہنی صورت حال سے محض آمریت کے خلاف حقارت ہی پیدا نہیں ہوتی تھی؛ اس سے یہ خیال بھی جنم لیتا تھا کہ ایک آزاد معاشرہ (آمریت کے اس پروپیگنڈے کے باوجود جس کا مقصد اس کے برعکس یقین دلانا تھا) تمام انسانی مسائل کو حل کرنے پر قادر ہے، کہ ایسا معاشرہ تمام سماجی اور ذاتی معاملات کے خوش اسلوبی سے ترتیب پا جانے کا مکمل نمونہ ہے۔ ریاست، جسے متعدد بار جو اس خوش اسلوب ترتیب کی علامت تھا، اس انسانی تکمیل کا بھی نمونہ بن گیا۔ مسابقانہ زندگی کی معمولی قدریں، خود داری اور ماس کلچر کے سیلاب کی مذمت، جو یورپ کے آزاد حصے کی ثقافتی زندگی کے عمومی اجزا ہیں، کم سے کم نظریے میں ہی کہا جائے تو، یورپ کے غیر آزاد حصے کی ثقافتی آب و ہوا میں مفقود تھے۔ سیاسی پردے کے مشرق میں آباد جیش ترقی ۱۹۸۹ کے بعد آزاد تجارت میں یوں داخل ہونے کی ثقافتی تیاری نہیں تھی، کھلے بازار پر مبنی معاشرت اور اس کے ماس کلچر میں پوشیدہ مستقل بیماریوں کے جراثیم (جو انسان کی پیدا کردہ ہر صورت حال میں مضمر ہوتے ہیں) کی مدافعت کے لیے مثبت جراثیم ان کے اجسام میں موجود نہیں تھے۔

انقلاب کے بعد کے پہلے چند مہینوں میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب سے بڑھ کر ان چیزوں کو عروج نصیب ہو رہا ہے جنہیں سابق آمریت نے ممنوع قرار دے رکھا تھا۔ مثال کے طور پر ادب میں اختلاف رائے رکھنے والوں (dissidents) کی تحریریں اور کثیر تعداد میں بکنے والے مغربی مصنفین (مثلاً جیکی کولنز یا سٹیفن کنگ، یا ویسٹرن یا پکچر سٹوری کی نگری، پر مبنی خالص غلاظت، دونوں قسم کی مطبوعات فوری طور پر مقبول ہو گئیں۔ تھیٹر کی مقبول ہونے والی چیزوں میں بیکٹ یا یونسکو کی تخلیقات بھی تھیں اور Les Miserables کے میوزیکل، ویسٹ اینڈ جیسے ڈرامے بھی۔ لوگ محض تجسس کے زیر اثر تھے۔ واکلو ہاول (Vaclav Havel) کی پہلی کتاب خریدنے کے خواہش مند لوگوں کی قطار ایک کلومیٹر لمبی تھی۔ ڈرامہ رو... کی آزادی سے قبل میں مخالف رائے رکھنے والے ادیبوں کی تحریریں ایک ایک لاکھ کے ایڈیشنوں میں شائع ہوتی ہیں۔ لیکن بہت جلد بیکٹ آہستہ خالی تھیٹروں کے ذخیروں سے غائب ہو گئے اور مشہور ترین ملکی ادیبوں کی تحریروں کے ایڈیشن بھی گھٹ کر ہزاروں کی تعداد پر پہنچ گئے۔ اس کے برعکس ہولسیل ریٹ نے کلچر کے تمام مظاہر میں اپنا فاقہ ماری شروع کر دیا۔ جس کی تشکیل ہو چکی تھی، اور جو صدر ... کا ذوق، جسے اب کسی قسم کی مزاحمت یا رہنمائی حاصل نہیں تھی، پیش منظر پر آ گیا تھا۔

ان متوازی تبدیلیوں نے کلچر کے تمام پہلوؤں کو متاثر کیا، جن میں نظام اقدار بھی شامل تھا۔ کل جو کچھ درست سمجھا جاتا تھا، آج ان میں سے کوئی شے بھی درست نہیں رہی، اور جو کچھ نامرغوب تھا وہ آج مرغوب ہو گیا ہے۔ اگرچہ اکثر لوگ اس تبدیلی کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن ہر شخص اس سے مطابقت پیدا کرنے کا اہل نہیں ہے، اور معاشرے کی تمام سطحوں کو ایک قسم کے ثقافتی صدمے سے دوچار کر دیا ہے۔

وہ لوگ جو سابقہ نظام کی سادہ ترتیب اور خیالات کے عادی ہیں (اور معمر لوگوں میں نوجوانوں اور سادہ لوحوں کے مقابلے میں آگے جانے کا رجحان ہمیشہ زیادہ قوی ہوتا ہے) اکثر غیر شعوری طور پر پرانے نظریوں سے مشابہ تلاش کرتے ہیں، ایسی توضیحات کی جستجو کرتے ہیں جو موجودہ صورت حال کی ڈرامائی پیچیدگی کی وضاحت کر سکیں۔ یہاں کی ایک مقبول عام وضاحت یہ ہے کہ بازار کی معاشرت تمام بنیادی مسئلوں کو آپ ہی آپ حل کر دے گی۔ میں معاشیات کے علم میں درک نہیں رکھتا اور نہیں کہہ سکتا کہ معاشی میدان میں یہ دعویٰ کس حد تک معقول ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ کلچر کے میدان میں یہ بات کچھ زیادہ درست نہیں ہے۔

ہم سب کو پتا ہے کہ یہ تبدیلیاں، قابل لحاظ حد تک، دانشوروں کی کوششوں کا نتیجہ تھیں، بلکہ دانشوروں نے ہی ان تبدیلیوں میں اہم کردار ادا کیا۔ ان سب کو آج وہ کچھ حاصل ہے جسے کسی بھی حقیقی مفکر کی نظر میں سب سے اہم کہا جا سکتا ہے، یعنی مکمل آزادی۔ اس کے باوجود ان میں بہت سے لوگ اس سے ساتھ ہی تجارتی تھیٹر ... عام لوگ بھی، ان تبدیلیوں سے مایوسی نہیں تو کم سے کم شدید ذہنی صدمہ محسوس کر رہے ہیں۔

بہت سے غیر مطابقت پسند (non conformist) فنکار، حکومت کی جانب سے زیادتیوں کا نشانہ بننے کے باوجود، تعلیم یافتہ عوام کی جانب سے غیر معمولی احترام کے عادی ہو چکے تھے۔ انہیں عوام کا ترجمان سمجھا جاتا تھا، اور اکثر صرف وہی ان باتوں کا اظہار کرتے تھے جو دوسرے لوگ سوچتے تو تھے لیکن کہنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ انقلاب کے بعد یہ خاص وجاہت یافتہ مقام غائب ہو گیا۔ اب معاشرے کے بارے میں حقائق کا اظہار کرنے کے لیے غیر معمولی جرأت درکار نہیں ہے، اور عوام کے سچے ترجمان اب وہی کچھ ہو چکے ہیں جو فنکار آزاد دنیا کے معاشرے میں ہوتے ہیں: یعنی فقط فنکار۔

سوشلسٹ آمریت کے دور میں بیشتر فنکار ۔۔ حتیٰ کہ مطابقت پسند فنکار بھی ۔۔ اس قسم کا خواب دیکھا کرتے تھے کہ اگر کبھی انہیں آزادی نصیب ہوئی تو وہ کیا کیا کارنامے انجام دیں گے۔ اداکار، ڈراما نگار، ادیب، مصور، ناشر، فلم ساز اور ٹیلی وژن کے کارکن، سب کا یہی خواب تھا۔ یہ ان کی تعبیر سے رشتے کے تصور کا ایک پہلو تھا جسے بڑے مبہم انداز میں بیان کیا جاتا تھا: کہ آمریت کے خاتمے کے بعد ریاست آرٹ کی سرپرستی جاری رکھے گی، مگر اس کے ساتھ ساتھ آرٹ کی تخلیق کرنے والوں کو مکمل آزادی بھی دے گی اور کوڑے کرکٹ کے پھیلاؤ کو روکنے کا کوئی انوکھا طریقہ بھی ڈھونڈ نکالے گی۔ اس بات کا احساس مشکل ہی سے کسی کو ہوا ہوگا کہ مکمل آزادی اگر ان کو حاصل ہوگی تو باقی سب کو بھی حاصل ہوگی۔ یہ خیال بہت کم لوگوں کے ذہن میں آیا کہ انہیں مسابقت کا بھی سامنا کرنا ہوگا، اور یہ احساس تو شاذ ہی کسی کو ہوا ہوگا کہ کیا چیز خریدی جائے، اور پھر اسے بڑی تعداد میں تیار کرنے کا فیصلہ وقت کے لیے رکھ چھوڑا جائے، یہ تمام فیصلے اوسط درجے کے پڑھنے یا دیکھنے والے کے ذوق اور معیار کو سامنے رکھ کر کیے جاتے ہیں۔

اچانک، تقریباً راتوں رات، معاشرے نے خود کو کھلے بازار کی معیشت کی آزاد صورت حال میں پایا، اور تب ہر چیز اس تصور سے قطعی مختلف تھی جو خواب دیکھنے والوں کے ذہن میں قائم تھی۔ اپنے دشمن کی تلاش میں ۔۔ سنسر ۔۔ کے بجائے ان کا سامنا بازار سے ہوا۔ بازار کے لیے خواب بے مصرف چیز ہیں، اسے تو سرمایہ، تجربہ، حوصلہ، بے پناہ محنت، قوت فیصلہ اور صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ آزادی کے خواب دیکھنے والوں میں سے بیشتر ان اوصاف میں سے ہر ایک سے، یا تقریباً ہر ایک سے، محروم تھے۔ وہ سخت صدمے کی حالت میں دیکھتے رہ گئے اور کوڑا کرکٹ (اور وہ بھی غیر ملکی برانڈ کا کوڑا کرکٹ) ان کے آرٹ کے ورثے، آزادی کے ماحول میں تیار ہونے والی اور بے تابی سے ہاتھوں ہاتھ لی جانے والی تخلیقات کے خوابوں کی پسلیوں میں کہنیاں مار کر آگے نکل گیا، اور ان کے پڑھنے یا دیکھنے والوں نے، جن سے انہوں نے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں، مستند تخلیقی کارناموں کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں اور ان پر نہایت گھٹیا صارفانہ اشیا کو ترجیح دینے لگے۔

اس میں شک نہیں کہ امید و توقعات کا نتیجہ بعض اوقات تلخ شکایات کی صورت میں برآمد ہوتے۔ جیسے اگنی یشکا ہولینڈ اور کرشتوف زانوسی کی فلمیں جو کبھی دہائی کی بہترین فلموں میں شمار ہوتی تھیں، ذلتی کی سوقیانہ پیداوار سے شکست کھا گئی ہیں۔ یہی بات غالباً چیکوسلوواکیہ کے بچوں کے ادب کے بارے میں کہی

جا سکتی ہے، جس میں بچوں کی کتابوں میں شامل تصویریں بھی شامل ہیں جو بہترین چیک مصوروں کی کئی دہائیوں کی کوششوں کا ثمر تھیں۔ چیک سینما جو ۱۹۶۰ کی دہائی میں بہترین یوروپی سینما میں شمار کیا جاتا تھا، بدترین پست حالت میں ہے اور زیادہ تر کامیڈی، پورنوگرافی و ایکشن فلموں کے ملغوبے تیار کر رہا ہے۔ ٹیلی ویژن بھی [illegible] کامیڈی یا [illegible] ایکشن فلموں کی [illegible] کے لیے کوشاں ہے۔ ثقافتی [illegible] ہیں کیونکہ [illegible] پڑھنے والوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ انقلاب سے [illegible] ہونے [illegible] ملک [illegible] ادوار میں [illegible] کی [illegible] خاص سمجھتے ہیں اور [illegible] کی کامیابی سے ہمکنار ہو رہے ہیں۔

[illegible] نے اس [illegible] سے [illegible] تھے، [illegible] ہیں اور ایک [illegible] یقینی [illegible] کی تشکیل [illegible] ہیں۔ [illegible] بے [illegible] ماہرین، جو [illegible] تھے، [illegible] کوئی قدر نہیں رہی۔

[illegible] کا [illegible] موجود ہے: [illegible] کا [illegible] کی تخلیق [illegible] معاصر [illegible] مشغول [illegible] ہیں۔ [illegible] آزاد دنیا کے تجربات سے بہت کم سبق حاصل [illegible] ہیں [illegible] مطلوب ہیں، [illegible] دکانیں جن میں ابھی کچھ دن پہلے تک [illegible] دوسری [illegible] ساتھ ساتھ، [illegible] یا بچوں کے بہترین ادب کے [illegible] سے [illegible] ہیں۔ [illegible] خرید [illegible] ہیں۔

[illegible] آج بھی [illegible] اور [illegible] ہیں، [illegible] ملک [illegible] دو [illegible] ہے۔ ریاستی [illegible] سنجیدہ [illegible]

[illegible] کی [illegible] ہے۔ اس کا مطلب [illegible] مستقبل [illegible] سوچتے ہیں، [illegible] انسانی زندگی کے [illegible] وقت [illegible] پوشیدہ [illegible] ہیں، [illegible] کوشش کریں۔

**

فہمیدہ ریاض

کیا گلابی کبوتر جیت گئے؟

الماآتا کے ہرے بھرے درختوں میں اوائل اگست کی ہوا سرسراتی ہوئی چلتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے پتّے تالیاں بجاتے ہیں۔

میں اپنی مترجم سے پوچھتی ہوں:

ان درختوں کا کیا نام ہے؟

وہ مہ جبیں، خوش رُو، نازک اندام تاتاری حسینہ مجھے امریکی لہجے میں بولی ہوئی انگریزی میں نرمی سے بتاتی ہے:

توپی۔۔۔

اس کا نام گلناز ہے۔ اتنی خوب صورت، نازک اور پیاری، اسے دیکھنا ہی جنت نگاہ ہے۔ وہ باتیں کرتی ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ اس کے ترشے ہوئے سنہری بال ہوا سے اڑ اڑ کر بار بار اس کی بھوری آنکھوں کے سامنے بکھر رہے ہیں۔ وہ اپنے نازک گورے ہاتھ سے انھیں ہٹاتی ہے۔ اس کی طلائی انگشتری کا ننھا سا سفید نگینہ دھوپ میں چمکتا ہے۔

گلناز، الماآتا میں تم سے مل کر مجھے ملا یوسف صبائی کیوں یاد آ رہے ہیں؟

ہم قزاقستان میں ہیں، ایک سہ روزہ ادبی میلے میں شرکت کر رہے ہیں۔ یہ ۱۹۹۵ ہے۔ صدی آخری سانسیں لے رہی ہے۔

گلناز مجھ سے گھل مل گئی۔ ستائیس برس کی حسینہ، وہ بیاہتا ہے۔ اس کی ایک پانچ سال کی بیٹی ہے۔ ہینڈ بیگ سے نکال کر وہ مجھے اس کی چھوٹی سی رنگین تصویر دکھاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

تم دوسرے مترجموں سے بہت بہتر انگریزی بولتی ہو۔ کہاں سے سیکھی؟

سکول میں، وہ کہتی ہے۔ [illegible] انگلش سکول میں پڑھتی ہے۔

بہت سے [illegible] ہیں۔ وہ مجھے بتاتی ہے۔ میں [illegible] شپ پر [illegible] جاؤں گی، ڈپلومیٹک [illegible] ڈیپارٹمنٹ میں پڑھتی ہے۔

لیکن قزاق نہیں ہے۔ وہ مجھے بتاتی ہے۔ قزاقستان میں کوئی ایک سو قومیں رہتی ہیں: روسی، تاتار، [illegible]۔۔۔ سوویت یونین کے وجود میں آنے سے بہت پہلے سے، صدیوں سے، مختلف قوموں کے لوگ [illegible] رہتے ہیں۔

[illegible] دی [illegible] واپس چلے گئے؟ میں نے [illegible] سے پوچھا۔

[illegible] ہے۔ [illegible] وہ [illegible] ہیں۔ [illegible] بنایا [illegible]

[illegible] ہیں۔

[illegible]

[illegible] وہ کالی [illegible] پر [illegible] بڑی [illegible] ایک [illegible] کی [illegible] پر چلے جا رہے تھے۔ [illegible] میں نے [illegible] سے [illegible] اور بے ساختہ پوچھا: ان کا کیا نام ہے؟

[illegible] وقت [illegible] مجھے [illegible] معلوم ہو رہے تھے۔ میں [illegible] کا [illegible] دیا۔ [illegible] سے [illegible]۔۔۔

[illegible] یوسف ضیائی [illegible]

[illegible] یوسف ضیائی برسوں پہلے میرے پڑوسی تھے۔

یہ ۱۹۷۷-۷۸ کی بات ہے۔ وسطی کراچی کے ایک معمولی سے تین کمروں کے مکان میں میں اپنے دو [illegible] اور شوہر کے ساتھ [illegible] تھی۔ میرے شوہر [illegible] انقلابی جماعت کے کل [illegible] پر [illegible] تقسیم [illegible] روٹی کا [illegible]۔ اور اس [illegible] اس کام [illegible] پر [illegible] پر مصر تھا۔

[illegible] یوسف ضیائی [illegible]۔ پھر کافی [illegible] مجھے [illegible]

Scanned with CamScanner

ساتھی کا شرف نصیب رہا۔

وہ مشکل زمانہ تھا۔ ملا یوسف کی ہمسائیگی نے اسے کچھ مشکل تر بنا دیا تھا۔ کراچی میں ہمارا چھوٹا سا گھر عرصے سے اس سندھی انقلابی کسان جماعت کے کارکنوں کا مسکن رہا تھا۔ گاؤں سے کراچی آنے پر وہ وہیں اکٹھے ہوتے۔ وہیں بیٹھ کر پمفلٹ لکھے جاتے اور مستقبل کے پروگرام بنتے۔ پھر ملک کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو گرفتار کر لیے گئے اور ان پر قتل عمد کا مقدمہ دائر کر دیا گیا۔

حالات کے اس اچانک موڑ نے سیاست کا اس طرح رخ پلٹا کہ دوسری چھوٹی بڑی سیاسی جماعتوں کی طرح اس سندھی کسان انقلابی جماعت کا بھی شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔ بھٹو صاحب کی گرفتاری اور متوقع سزائے موت نے سندھ کے دیہی عوام کو فرد واحد کی مانند متحد ہو کر زیر عتاب سیاسی جماعت کا حامی بنا دیا تھا۔ اس نئی صورت حال میں کسان انقلابی جماعت کی قیادت نئی حکمت عملی بنانے میں ناکام رہی تھی اور کارکنوں کے شدید اختلافات کے باعث معطل ہو گئی تھی۔ اس جماعت کے کارکن، سیدھے سادے پرجوش اور گرم جوش ہاری، اس تحریک کے صدر کی اس منطق کا ساتھ نہ دے سکے تھے کہ مارشل لا کو کسی طرح پارٹی کے فائدے میں استعمال کیا جائے۔ ان کے دل عام سندھی لوگوں کی طرح معزول وزیراعظم کی سلامتی کے لیے دھڑک رہے تھے اور کوئی بھی نظریہ ان کے اس فطری ردعمل کو بدل نہیں سکتا تھا۔ میرے گھر میں وہ اب بھی جمع ہوتے، مگر اب ان کی سرگرمیاں اس سخت مارشل لا میں بھٹو صاحب کی جان بچانے پر مرکوز ہو چکی تھیں۔

ملا یوسف اور ان کے خاندان سے میری ملاقات روبرو شاید نہ ہوئی، مگر بی بی جان ہمارے گھر اور ان کے بیچ میں ایک کڑی بن گئی۔ بی بی جان میرے بچوں کی آیا اور اس گھر کی واحد ملازمہ تھی۔ ایک خوب رو ادھیڑ پٹھان عورت، جس کا باپ بمبئی میں ٹرک چلایا کرتا تھا۔ اس کا بچپن بمبئی میں گزرا تھا۔ اس کا شوہر کراچی میں ٹرک چلاتا تھا۔ ایک ٹریفک حادثے میں اس کی موت کے باعث بی بی جان کو ملازمت ڈھونڈنی پڑی تھی۔ وہ اپنے سسرال سے علیحدہ رہنا چاہتی تھی اور اپنے دو بچوں کی پرورش خود ہی کرنا چاہتی تھی۔

وہ ایک محنتی اور چلبلی عورت تھی۔ بیوی نے اس کے فطری ذہن کو دراصل متاثر کیا تھا۔ بچوں کو سلانے دھلانے کے بعد، وہ گھر میں جمع سوگوار اور سنجیدہ پارٹی کارکنوں کے لیے میری مدد سے دیگچیاں بھر چائے بنانے کے بعد، وہ محلے کی سیر کو نکل پڑتی۔ پاس پڑوس کی پوری خبر رکھتی اور سب کے راز اور قصے مجھے رات گئے تک سناتی رہتی۔

وہ رمضان کا مہینہ تھا جب بی بی جان نے مجھ سے کہا:

بی بی صاحب، وہ مجھے یہی کہتی تھی، آپ قسم خدا کی پاگل ہیں، ملا یوسف جان کے گھر ایک دن افطار کر کے دیکھو۔ آپ کو کیا بتاؤں، کتنی زیادہ چیزیں ہوتی ہیں ان کے دستر خوان پر۔ اور آپ تو بس پکوڑے بنا کر بیٹھ جاتی ہے۔

کیا کیا چیزیں ہوتی ہیں؟ میں نے پوچھا۔

Scanned with CamScanner

وہ مجھے مٹھائیوں اور پھلوں کے نام گنوانے لگی اور اصرار کرنے لگی کہ دوسرے دن میں اس کے ساتھ ملا یوسف سیانی کے گھر روزہ افطار کرنے ضرور چلوں۔ میں ہنسنے لگی۔ میں نے اس سے کہا، یہ کرتے ہیں کہ کل ہم ہی پکوڑوں کی افطاری ملا یوسف کے گھر بھیجیں گے۔ جواب میں وہ ہمیں یقیناً بہت سی چیزیں بھجوا دیں گے۔"

یہ ترکیب ٹھیک ہے، بی بی جان نے اصرار کیا۔ دوسرے دن افطار کے وقت وہ واقعی بیٹھی ہوئی مٹھائیاں، کئی طرح کے کھانے اور پھل ملا یوسف کے گھر سے لے آئی۔ میں پریشان ہو گئی۔ میں نے اس سے کہا:

بی بی جان، میں نے تو مذاق میں کہا تھا۔ تو کیوں اٹھا لائی؟ اب شور ہی کرتے ہیں!

کیوں کیا ہو گیا صاحب! بی بی جان نے پلٹ کر کہا۔ میں پکوڑے ان کے گھر لے گئی تھی، وہ کافی ہو، وہ کافی سے زیادہ ہے--- پھر وہ یہیں آ گئی تھی۔ اور بیٹھ کر افطاری کھانے لگی۔ اس نے ہنس کر مجھ سے کہا:

کیا ہو گیا صاحب، کوئی ملا یوسف جان کا مہمان ہے۔ یہ تو ان کے گھر کی سمت سے گھر میں آئی ہے۔ پھر اس نے کہا، ملا یوسف اور ان کی بی بی آپ کو سلام کہتے ہیں۔ ان کی بی بی آپ کو بلاتی ہے۔

دونوں نے پھر کچھ باتیں کیں۔ جانے سے پہلے جب وہ اٹھی تو میں نے کہا:

کل شام چلیں گے بی بی جان۔

چاہو! وہ خوش ہو گئی اور محلے کے قصے سنانے لگی۔

آپ جانتی ہیں بی بی صاحبہ، پرسوں ملا جی کی بہو کا بیٹا گلی کے ملحق لڑکے کے ساتھ چلا گیا ہے۔ یہ بات تو وہاں پتا ہے۔ ہم نے یہ بات کی تھی، میں نے خود دیکھا--- اس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ دھر رکھے۔

کیا دیکھا تم نے؟ میں نے اس سے پوچھا۔

سب کچھ--- خود دیکھا! وہ بیٹھی بیٹھی تڑپ کر بولی۔

میں قسم اٹھاتی ہوں۔ مجھے بی بی جان اچھی لگتی تھی۔ تھی بڑی دلچسپ عورت۔

سب کچھ؟ میں نے کہا۔

ہاں سب کچھ!

پھر میں ہنس ہی پڑی۔ میں نے کہا:

مگر بی بی جان تو تم نے کیوں دیکھا؟ یہ تو حرام ہے!

نہیں بی بی صاحبہ، وہ تو ان سے ملاقات دیکھنا حرام نہیں ہے۔

تو ضرور ہو گا۔ میں ہنسی۔ تمہارا وضو تو ضرور ٹوٹ گیا ہوگا۔

Scanned with CamScanner

وضو تو میں نماز سے پہلے دوبارہ کر لیتی ہے۔

پھر وہ قہقہہ لگا کر مجھے کوئی پرانا قصہ سنانے لگی:

بی گم صاحب، بمبئی میں ہم ایک چالی میں رہتے تھے۔ تو ادھر مچھلی والیاں آتی تھیں۔ ایک دن میں اپنی کھولی کے دروازے کے سامنے بیٹھی تھی۔ مچھلی والیوں کے بڑے بڑے لال سرخ لہنگے ہوتے تھے اور سر پر بڑی بڑی ٹوکریاں۔ دونوں ہاتھوں سے تو وہ مچھلی کی ٹوکریاں پکڑے رہتی تھیں۔ میں نے اس سے کہا ایک مچھلی تو مجھے بھی دو۔ میرا دل چاہتا ہے مچھلی تل کر کھاؤں۔ اس نے کہا: پانچ روپے کی مچھلی ہے۔ میں نے کہا: پیسے تو میرے پاس نہیں۔ مچھلی والی نے میرا منہ چڑایا اور بولی: پیسے نہیں تو مچھلی بھی نہیں۔ یہ کہہ کر بی گم صاحب وہ تو آگے جانے لگی۔ تب میں نے بی گم صاحب اس کے لہنگے کا ازاربند کھینچ لیا۔ خیمے کے خیمے جیسا لہنگا جھٹ سے نیچے گرنے لگا۔ اس نے ہنسی سے بے قابو ہو کر یاد کیا۔

اُف! تو نے کیوں کیا ایسا بی بی جان، کسی عورت کے ساتھ! میں نے دہل کر پوچھا۔

وہ لہنگا پکڑنے لگی اور بی گم صاحب، مچھلی کی ٹوکری زمین پر! اس نے ہنستے ہنستے آنکھوں کا پانی صاف کیا۔ آخر میں بھی اس کے ساتھ ہنس پڑی۔ پھر تو نے مچھلی کھائی؟

ہم نے مچھلی کھائی — جی ہاں!"

قہقہے لگاتی بی بی جان عشا کی نماز کے لیے وضو کرنے چلی گئی۔

نوجوانی میں اس کے باپ دادا کابل سے خشک میوے کی بوریاں کمر پر لادے بمبئی پہنچے تھے۔ وہ کسی قافلے میں آئے تھے جس کے لوگ راستے میں کئی جگہ رہ گئے تھے۔ بی بی جان کا دادا بمبئی جا پہنچا تھا۔ بی بی جان وہیں پیدا ہوئی تھی۔ بچپن میں اس نے اپنے باپ کے ساتھ ٹرین میں سورت تک سفر کیا تھا۔ اسی لیے وہ سیلانی ہو گئی تھی۔ پاکستان آنے کے بعد وہ کراچی میں بس گئے تھے۔ مگر کئی برس پرانی رشتہ داریاں ان لوگوں سے بھی تھیں جو علاقہ غیر میں رہ گئے تھے اور پھر وہیں بس گئے تھے۔ وہ لوگ افغانستان اور پاکستان کے درمیان میں واقع اس آزاد قبائلی علاقے سے پاکستان آتے رہتے اور اگر انھیں یہاں روزگار مل جاتا تو ایک آدھ برس میں پاکستانی بن جاتے اور یہاں کے طور طریقے اپنا لیتے۔ ان میں سے کچھ تو، بی بی جان نے مجھے بتایا تھا، پاکستانی فوج میں بھرتی بھی ہو جاتے ہیں۔

دوسرے دن شام کو میں نے بی بی جان کے ساتھ ملا یوسف صفیانی کے گھر پر دستک دی۔ ملا یوسف عطاری کے دسترخوان پر ابھی سات آٹھ برس کی بچی کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ان کی بی بی باورچی خانے میں کباب تل رہی تھیں۔ ملا یوسف نے خوش خلقی سے کھڑے ہو کر ہمیں خوش آمدید کہا۔

گورے چٹے، بلند قد اور قوی ملا یوسف، بڑی گھنی سیاہ داڑھی سمیت، ایک خوش گوار شخصیت تھے۔ ہنس مکھ اور مہمان نواز۔ وہ گرم جوشی سے ہماری خاطر تواضع کرتے رہے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ پڑوس کی مسجد میں امام مقرر ہوئے ہیں۔ وہ فصیح و بلیغ اردو میں لہجے دار باتیں کر رہے تھے۔ ان کا انداز کسی

Scanned with CamScanner

سرحد اور داغستان کا سا تھا۔ میں بھی ان سے فصیح و بلیغ اردو میں گفتگو کرنے لگی۔ علاوہ ازیں حکومت کی تبدیلی سے بہت خوش تھے۔ وہ زکوٰۃ کی مد کمیٹی کے صدر بھی مقرر کر دیے گئے تھے۔ شہر کا کمشنر بھی ملاقات کے لیے نہیں اکثر بلا بھیجتا تھا۔ اپنی عزت افزائی اور تازہ یافتہ اہمیت کی خوشی سے ان کا لہجہ رقیق اور چہرہ منور تھا۔ وہ بہرحال اپنی جذباتی کیفیت کو جوشش بیانی ہی سمجھ رہے تھے۔ انھوں نے کئی بار ذکر کیا کہ اسلامی جذبے کی آخر کار فتح ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے، میں نے سوچا کہ ان کا چہرہ اپنی اہمیت اور جذبہ ایمان کے ملے جلے احساسات سے تابندہ نظر آ رہا ہو۔ بہرحال میں نے انھیں اس لیے داد دی کہ وہ مجھ جیسی بے پردہ عورت سے بہت خوش خلاقی سے پیش آ رہے تھے مگر میری فصیح و بلیغ اردو سن کر مجھے بہت پسندیدگی اور احترام کی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور خود بھی فصاحت کے دریا بہا رہے تھے۔ وہ مجھ سے مل کر بہت خوش نظر آ رہے تھے اور ایک انسیت سے گفتگو کر رہے تھے۔ ان کے سرخ و سپید، فطری طور پر خوش رنگ چہرے پر یہ احساس صاف جھلک رہا تھا کہ انھیں یقین ہے کہ ان کی فصاحت اور نکتہ رسی ان سننے والوں پر ہیجان طاری کر دے گی، جیسا کہ شاید مسجد میں وعظ کرتے وقت ہوتا ہوگا۔

گفتگو کے دوران میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ مجھے ان کی اردو میں پشتو کا رنگ لہجہ نہیں آیا تھا۔ اس بات کے جواب میں انھوں نے مجھے اپنی ہجرت کی داستان سنائی۔

کہنے لگے میں محترمہ، کہ ہم کہاں کے رہنے والے ہیں۔ ہم دراصل، سمرقند وادی ترکستان کے متوطن تھے۔

یہ سن کر میں حیران رہ گئی۔ میں نے پوچھا:

تو آپ یہاں کیسے؟

انھوں نے ہاتھ سے بے بسی کا اشارہ کیا۔

بس کیا بتائیں، روسی ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ عزیزہ، ۱۹۱۷ء کے انقلاب نے ہمارے خاندان کو تاراج کر دیا۔ ہمارے بزرگ سمرقند کے عالم اور قاضی تھے۔ ترکستان میں ہماری وسیع جائیداد تھی۔ ہمارا خاندان بہت مشہور تھا۔ جب ظالم روسیوں نے ترکستان پر حملہ کیا تو ہمیں اپنا سب کچھ اہل خانہ کے ساتھ ترک وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ نہایت طویل اور پر صعوبت سفر کرتے ہوئے ہم سنکیانگ کے علاقے میں داخل ہوئے اور وہاں مسلمانوں کی ایک بستی میں بود و باش اختیار کیا۔

سنکیانگ۔۔۔ چائنا۔۔۔' میں بڑبڑائی۔

جی ہاں خاتون محترمہ۔ مگر سکون و خوش حالی کا یہ دور بھی عارضی ثابت ہوا۔ وہاں بھی کمیونسٹ انقلاب آ گیا۔ جائیدادیں ضبط ہونے لگیں۔ مساجد مقفل ہو گئیں۔ اہل ایمان پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جانے لگے۔ ہمارا خاندان ایک بار پھر دربدر ہو گیا۔ ایک اور طویل اور پر صعوبت سفر کے بعد بالآخر ہم چترال کے اس علاقے میں داخل ہوئے جو اب مملکت خداداد پاکستان کا حصہ اور نارتھ ویسٹ فرنٹیئر پراونس کے نام سے معروف ہے۔

تو پھر تو آپ پاراچنار سے آئے ہیں، میں نے دھیمے سے کہا۔

ان کی داستان سن کر میرا دل ڈوب رہا تھا۔ افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب تازہ تازہ آیا تھا۔ مدتوں بعد ہمارے ساتھیوں کے زرد چہرے خوشی سے چمک اٹھے تھے۔ ہم دل کی گہرائیوں سے افغان کمیونسٹوں کے حامی تھے۔ چند دن پہلے ہی تو میں نے اپنے رسالے کے اداریے میں لکھا تھا: وسط ایشیا کی سنگلاخ زمینوں پر سامراجی راکب منہ کے بل گر پڑے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

انھوں نے مستعدی سے کہا:

جی نہیں، خاکسار تو عرصہ پچیس برس سے کراچی میں مقیم ہے۔

مجھے دن سے میرے انھیں حد حافظہ کہا ان کی خوب صورت مگر فربہ اندام بیوی اور سات سالہ بارک سی بچی پر نظر ڈال کر جسے انھوں نے ابھی سے سخت پردے میں بٹھا دیا تھا۔ ملا یوسف صنیانی کی داستان پر میں نے کچھ یقین کیا تھا اور کچھ نہیں بھی کیا تھا۔ ان کے چہرے پر نظر ڈال کر میں قیاس کرتا تھا جیسے سچائی کا کوئی پرتو کہیں اس پُر گوشت چہرے میں چھپا ہے جس کی بھدی رخساروں کی ہڈیاں اور ترچھی سیاہ آنکھیں وہیں سے معدوم کر رکھی تھیں۔ مگر اس طرح کے چہرے تو صوبہ سرحد اور بلوچستان میں عام پائے جاتے تھے۔ کیا یہ واقعی نسلی تورانی ہیں؟ میں نے تعجب سے سوچا تھا۔ اس وقت مجھے داغستان اور سنکیانگ پریوں کے دیس کی طرح دیومالائی سرزمینیں لگے تھے۔ جیسے وہ کہیں بھی نہ ہوں، صرف انسانی تصور کے کسی زرخیز علاقے میں وجود رکھتے ہوں۔

جو بات صاف ظاہر تھی وہ بہرحال ان کی کمیونسٹ دشمنی اور اس وقت کی مارشل لائی حکومت سے وابستگی تھی۔ اپنے آپ سے اتنے نزدیک، جہاں دو گھروں کے بیچ میں سیمنٹ کی ایک پتلی سی دیوار کے سوا کچھ نہ تھا، ایک بحث مخالفت کی دانش کے خیال نے مجھے گھبرا دیا تھا۔ جیسا کہ میں نے اوپر لکھا، وہ ایک مشکل زمانہ تھا۔ مارشل لا نہایت سخت گیر تھا۔ سیاسی قیدیوں سے جیلیں پٹی پڑی تھیں اور کئیوں کو صرف جیئے بھٹو کا نعرہ لگانے پر سرعام کوڑے لگائے گئے تھے۔ ان حالات میں سیاسی حکمتِ عملی کی منصوبہ بندی اور بحثوں کی تیاری قطعی خفیہ عمل تھا۔

یہ یقیناً سرکاری جاسوس ہیں جنھیں خاص طور پر ہماری جاسوسی کرنے کے لیے حکومت نے اس گھر میں رکھا ہے۔ میرے شوہر نے اس مخصوص میگلومینیا کے جذبے سے کہا جو سیاسی تحریکوں میں قائدانہ بننے کی پوشیدہ آرزو رکھنے والے کارکنوں کا خاصہ ہے۔

پریشانی کے باوجود میں تھوڑا ہنسی۔ اپنے خواب و خیال میں رہنے کے باعث میں اس میگلومینیا سے ایک حد تک بچی رہتی تھی۔ یوں بھی میری ذہنی توانائی تو دال روٹی کے حصول میں خرچ ہوتی تھی۔

ملا یوسف کے گھر مجھے یاد نہیں کہ دوبارہ میں کبھی گئی ہوں۔ بی بی جان کی معرفت البتہ اس گھر سے قالینوں، سوئٹروں اور حلووں وغیرہ کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ بی بی جان کو انھوں نے زکوٰۃ فنڈ سے ایک معقول رقم دلائی تھی۔

اس زمانے میں، دو سال، اتنی [illegible] کی بیدردی سے حاصل تھے۔ ہم بڑی مصروفیات میں اور فکروں میں مصروف رہتے تھے۔ افغانستان میں ثور انقلاب کی حکومت زور پکڑ رہی تھی اور پاکستان کی حکومت کی جانب سے مزاحمت کی کچھ بدولت مزاحمت شروع ہو چکی تھی۔ پھر روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہو گئیں۔ انہیں دنوں میں نے انگریزی اخبار گارجین میں ایک ہولناک رپورٹ پڑھی۔ کسی مقام پر افغان مجاہدین نے چند روسی سپاہیوں کو پکڑ لیا۔ انہوں نے روسی سپاہیوں کو قتل کر کے ان کی کھال اتاری اور انہیں قصائی کی دکان پر کھونٹے سے لٹکا دیا۔

یہ رپورٹ پڑھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دل میں ایک ہی خیال آیا کہ یہ روسی نوجوان افغانستان میں اس انقلاب کی حفاظت کرنے آئے تھے۔ یہ سوچ کر میرے دل میں [illegible] میں نے ایک نظم لکھنی شروع کی:

ٹانگتے ہو دکاں پر قصاب کی
لال گھبرو کا گورا بدن
یہ ہمیں کہ خریدیں گے . . .

مگر یہ نظم مکمل نہ ہو سکی۔ اور دوسری مصروفیات میں کئی سال بعد میں دو مصرعے ہی کہہ پائی:

اس سے آگے ہے بوسے اخوت
پھر بھی ہم خریدیں گے---

مگر دوسرا مصرعہ نامکمل تھا۔ دونوں مصرعوں میں ربط پیدا کرنے والا ٹکڑا ذہن میں بیٹھ نہیں رہا تھا۔

نظم پوری نہ ہونے کی وجہ ایک عجیب کشمکش اب بھی تھی۔ روسی سفارت خانے کی ایک آدھ تقریب میں جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ روسی سفارت کاروں سے ملاقات کے بعد ان کے سپاٹ چہرے اور [illegible] میرے ذہن سے نہ جاتی، آرزو [illegible] رہتے تھے اور مجھے ان سے [illegible] ہونے لگتی [illegible] آتی تھی۔ [illegible] تمام روسی مر گئے ایسے نہیں ہوتے ہوں گے، [illegible] پوری قوم کا [illegible] لگایا جائے۔ یہ روسی نہیں [illegible] کی [illegible] رہے تھے۔ [illegible] اور ایک دوسرے کی [illegible] صورت اختیار کر رہے ہیں۔ مگر میرے دل نے [illegible] روسیوں [illegible] انقلاب [illegible] تھے۔ [illegible] میں پوشیدہ ادب کی رسیا نے [illegible] روسیوں کو دیکھنے کی دوستوفسکی اور تالستائی اور گورکی کے کردار تھے، جو نہ جانے کہاں تھے۔ [illegible] ملنے میں [illegible] تھے۔

مگر، دل کو سمجھانے کے باوجود، لاشعور میں شاید کہیں روسیوں کی مزاحمت ابھی رہ گئی تھی اور وہ نظم کبھی مکمل نہ ہوئی تھی۔

پڑوس کی مسجد میں ملا یوسف صیانی کی امامت زیادہ عرصے نہ چل سکی۔ ان تناؤ بھرے پُرآشوب دنوں میں ایک روز میں نے سنا کہ مسجد میں سخت ہنگامہ ہوا اور نمازیوں کے ایک گروہ نے ملا یوسف کی پٹائی کر دی۔ انہیں امامت کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ دراصل ملا یوسف دیوبندی خیالات کے تھے۔ اس وقت کی حکومت کی وہابیت نے ان کے عقیدے کو اور بھی راسخ کر دیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ کراچی کے لوگوں کی مشتاقات ایک طرف، مگر یہ ایک بریلوی عقیدے کا شہر تھا اور اس کے باسی ملا یوسف کے جارحانہ وہابی پند و موعظ کو زیادہ دن تک ہضم نہ کر سکتے تھے۔

سچ یہ ہے کہ یہ سن کر مجھے افسوس ہوا تھا۔ ملا یوسف مجھے کبھی اپنے دشمن کیوں نہ لگے؟ یہ خدا ہی بہتر جانتا ہوگا۔ وہ مجھ سے خوش اخلاقی سے ملتے تھے، بس اس سے زیادہ تو ان سے تعلق نہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ پند و وعظ کرنا اور نمازیوں سے چندے وصول کرنا، زکوٰۃ کمیٹی کا صدر بننا، اور رفتہ رفتہ جائیداد بنانا عین فطری باتیں ہیں، اور وہ خوش مزاجی سے اپنی پسندیدہ راہ پر گامزن تھے۔ ان کے بھی طرح طرح کے اسلامی عقائد تھے جن پر وہ سختی سے کاربند تھے۔

بی بی جان البتہ چپ چپ کر ہنستی رہی۔ بیگم صاحب، ملا کے پاس بہت جاتی تھی۔ اسی دوران کسی بات پر اس کی ملا یوسف صیانی سے ان بن ہو گئی تھی۔ تنازعہ غالباً زکوٰۃ ہی پر ہوا تھا۔

زندگی ایک ڈھب سے میں گزرتی جا رہی تھی۔ بی بی جان کے قہقہے اس سنجیدہ گھر میں زندگی کی لہر دوڑا دیتے، لیکن ایک بار اس کے خشم ناک غصے کا مجھے بھی سامنا کرنا پڑا۔

بی بی جان سیلانی تھی۔ گھر کا کام پلک جھپکتے نمٹا کر وہ سر پر سفید شٹل کاک برقع ڈال کر، جو تمام تر اس کی پشت پر لہراتا رہتا اور اس کے نشاط انگیز قدموں میں مخل ہوتا، دور دراز بستیوں کی سمت نکل کھڑی ہوتی اور رات کسی ٹرک پر بیٹھ کر واپس آتی۔ ایک دن وہ اپنے ساتھ میرے چھوٹے والے بچے کو بھی لے گئی۔ جب سورج ڈوبنے تک وہ نہ لوٹی تو میں بے حد پریشان ہو گئی۔ وہ واپس آئی تو بچہ اس کے کاندھے پر سویا ہوا تھا۔ غصے میں میں نے اسے سخت برا بھلا کہا۔ اس دن میری طبیعت بھی ٹھیک نہ تھی، مجھے صبح سے بخار تھا۔ شاید میں نے اسے آوارہ گرد کہا تھا۔ بی بی جان اس کا مطلب سمجھ گئی۔ اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔ ایک لفظ منہ سے نکالے بغیر وہ برتن دھونے لگی۔ میں اپنے کمرے میں بستر پر لیٹ گئی۔

تھوڑی دیر میں دروازہ کھلا اور بی بی جان اندر داخل ہوئی۔ اس نے دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگا دی اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر میرے پلنگ کے سرہانے کھڑی ہوئی۔

"بیگم صاحب!" اس نے تیز بلند آواز میں کہا۔ "تم نے ہم کو گالی دیا۔ اب اٹھو، ہمت ہے اور طاقت ہے تو ہم سے مقابلہ کرو۔"

بستر پر بیٹھے بیٹھے میں اس دبلی پتلی دراز قد افغان مفلس عورت کو دیکھتی رہی جو جواں مردی سے مجھے

روپہ پتے مجھ سے کشتی لڑنے پر آمادہ کھڑی تھی۔ کیونکہ میں ہنسی کر رہی تھی خوف زدہ زیادہ تھی، اس مرحلے سے محظوظ زیادہ ہو رہی تھی۔ پل بھر کو میرے دل میں آئی وہ آزمائی کی آپ بیتی کے خود سے کی طرف کر رہی تھی۔ اس وقت میں وہ مجھ پر حاوی ہو رہی تھی اور مجھے اس جسمانی طاقت پر کافی حیرت ہوئی ہے، لیکن پھر اس کا مسودہ پھر دوبارہ دیکھ کر مجھے ڈر بھی لگا تھا۔ میں نے ہنسی چھپا کر اس سے کہا تو:

جب مہا بی بی جان، آپ میری طبیعت خراب ہے۔ مجھے جانا ہے، دیکھو، میں ہی ہے، وہ تھی اس کا اصل مسئلہ کافی بڑا تھا۔ اس کے بعد سے ان تھپڑ ہی میں لگے۔ چہرے کے درمیان ہی کھڑی رہی اور پھر عادتاً نہ سے بڑی خوش ہو کر باہر نکل آئی۔ دو مرتبہ وہ میں نے سے لگایا۔ وہ ہنس دی۔

ہم ٹھیک ہیں صاحب، آپ نے گے کوئی وعدہ میں نے ہے پہلے سے کہا تھا آپ وہ کافی نہیں۔ اس کا مطلب صرف کھانے پینے کی شوقین ہو سکتا ہے۔ ... وہ مطمئن ہو کر ہنسی اور ہمدردی اور احتساب کرتے ہوئے بی بی جان کے اس کہہ دینے سے مجھے اور وہ بیان میں احتساب لگاتی تھی۔

اس تو بہت ہی مشہور ہے مجھے ہر میری ماں ... بی بی صاحب، آپ کو بھی احتساب لگا دوں؟ وہ جیش کش کرتی۔

نہیں، میں کچھ بائی اور کچھ بچوں سے ... میں جیسے گذر رہی ہیں ویسے رہنے دو۔

کچھ دن وہ بڑی ہی سے ہم ہوئی۔ بعد ان کے ساتھ میں وہ ہماری آسودہ زندگی سے واقف ہو چکی تھی۔ آپ کا خاوند آپ پر حیران نہیں ہوتا؟ وہ پوچھنے لگی۔ میں اس کی بات کا جواب نہ دیتی، پھر تھی ہمدردی میں، اور پھر پل بھر نے بے خوف میں مبتلا ہو جاتی۔

بی بی صاحب آپ دشمنی ہو بی بی جان ... سے کہتی۔ اس کی بات اس کو بھی حقیقت ہو جاتی، ہنگامہ ہو جاتی۔ صرف دشمنوں کے وجود پر یقین کرنے سے بات نہیں بنتی، بلکہ اس لیے کہ تاریخ کی وہ طویل بات تھی، وہ ہولی ہو میرے مقدر تھی میرے شعور تک میں دشمنوں کے حصول میں شمار ہو سکتی تھی

اس زمانے میں تھی زندگی۔ بہت سی حقیقتیں شہر شہر، ہر روز پیش ہوتی رہتی۔ تقابلی منطق اور ذاتی ناآسودگی، تو ایک دوسرے کا جواب کی ناکام اداکاری تھیں اور ہم دونوں سے ایک دوسرے کے ساتھ ایک جست کے سہارے چلی جا رہی تھیں، جیسے ایک دوسرے کی کرنے سے قطعی معذور ہوں۔

بی بی جان نے میرے گھر خدمت چھوڑ دی تھی۔ وہ مجھے ہم سے کہیں زیادہ ان کی بی بیوں اور ان کے نوجوان لڑکوں کی کارستانیاں مجھے سناتی تھی، اور پھر وضو کر کے نماز کے لیے کھڑی ہو جاتی تھی۔

ایک روز جب میں وقت سے پہلے دفتر کر کے آئی تو سے سیلی میں پتہ گھر کی پریچ دار تیمہ تا ایک سیاہ حسن تراشتے ہوئے میں بی بی جان سے گھر گئی تھی جو اس کے تقابلی نسل ہر عورت کے ایک کار کی

کی آغوش میں تھی اور ان کے لب ایک دوسرے سے پیوست تھے۔ ہوش سنبھال کر میں الٹے پاؤں وہیں سے واپس آ گئی تھی اور تھوڑی دیر تک بند دروازے کے باہر ستونوں کی طرح کھڑی رہی تھی، یہاں تک کہ میرے اندر ایک عجیب و غریب احساس تفاخر اور بے نیازی سے بھر گیا۔ پھر میں دوبارہ دبے پاؤں چلتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی اور سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ایک رات بی بی جان مجھ سے زور آزمائی کر رہی تھی، مگر اس سے پہلے، ایک عجیب و غریب کشتی میں جو ہم دو عورتوں کے درمیان شعور میں نہ جانے کب سے جاری تھی، بی بی جان اچانک چاروں شانے چت ہو گئی تھی۔

اتنے دنوں میں ہم دو عورتیں ایک دوسرے کی ہمدرد تھیں ایک دوسرے سے بہت نسبت محسوس کرنے لگی تھیں تو پھر کیا اس کے باوجود ہم ایک دوسرے سے برسر پیکار تھے؟ یہ انکشاف مجھ پر صرف اس وقت کے وسیع تجربے سے کیا تھا جو اس سے پہلے مجھ پر اچانک روشن ہوا۔ اسی لیے مجھے یہ محسوس ہوتا کہ اس کی ہمدردی (ترحم؟) کے لیے میرے مقدر میں کتنی رحمت تھی۔ کیا بی بی جان پر بھی یہ منکشف ہوتا؟ کیوں کہ اس کے بعد وہ بہت ساری خاموشی سے میرے گھر سے چلی گئی تھی اور مجھے مدتوں بے طرح یاد آتی رہی تھی۔

اس کے کچھ عرصے بعد میرا، مختصر خاندان سیاسی گروہ بندیوں اور حکومت کی جانب سے تھوپے ہوئے ناگزیر حوادث کے مقدموں کے باعث طویل، سخت سزا، جلاوطنی سے دوچار ہو گیا تھا۔

***

اب اس لمبی سوچ سے ہم واپس آتے ہیں تاشقند کے کشادہ چوک پر جہاں ایک شاعر کا مجسمہ ایستادہ ہے۔ ہم اس قومی شاعر کی ڈیڑھ صد سالہ برسی کی تقریب کے آغاز کے منتظر ہیں۔ چوک پر وسط ایشیائی ریاستوں کے کئی صدور جمع ہیں: ترکمنستان، کرغیزستان، تاجکستان، ازبکستان، تاتارستان؛ نو آزاد، مسلمان اور روسیائے ہوئے۔ وہ چٹاچٹ ایک دوسرے کے رخساروں پر بوسے دے رہے ہیں۔

تاشقند کی سنہری دھوپ میں تاتاری حسینہ کسی سورج کی کرن کی طرح دمک رہی ہے۔

اور یہ ۱۹۹۵ ہے، صدی بس آخری سانسوں پر۔ تاشقند کے چھدرے سبز درختوں میں موسم سرما کی ہوا چل رہی ہے۔

سوویت یونین ختم ہو --- اور کمیونزم کا نظام بھی۔ جاتے جاتے یہ نظام وسط ایشیا کی ان سرزمینوں کو صد و بالا عمارتیں، وسیع شاہراہیں اور سو فیصد خواندگی دے گیا ہے۔

مگر اس کے ساتھ ہی کچھ تلخ یادیں بھی۔ سیمینار میں ازبک ادیب نے کہا (سوویت نظام کی یادگار آفات سے اس کا فوری ترجمہ پیش کرتے ہوئے باغوں میں شہر کاٹے میدانوں کا ذکر کیا):

کمیونسٹ روسی حاکموں نے ازبکستان کے سرسبز میدانوں میں ادبی تجربے کیے۔ آج متعدد

مقامات پر ہمارے دریاؤں کا پانی اور میدانوں کی مٹی ابھی آلودگی کا شکار ہے۔

سرد جنگ کی دو بڑی طاقتوں کی دہشت بھری بے جا آزمائی کی یادگاریں: قازقستان کا ایٹمی آلودہ پانی، ورونیژ کی ریاست نوویا زیملیا کے کسی سمندری ذخیرے میں سے چھٹکارا پانے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آ رہا۔

قازقستان میں آسمان تک بلند ہوتی مہنگائی، بڑھتی ہوئی جرائم کی شرح۔

نئی جاگیریں شاہانہ شان بسانے، ایک دوسرے کا پیٹ کاٹ کاٹ کر ترقی ہوئی۔

قازقستان سب ویران تھی۔ روس کا ویران علاقہ ایک ہوتا اور ریاست مسلمان ہاں مسلمان بھی۔ (ریاست یہاں ترکیب تہذیب وحدت کا آنا ہوگا؟ کیا مسلمان یہاں آنے والے ہیں؟ ہاں --- وہ چھلانگیں لگا کر آ رہے ہیں ---)

ایک ملک، تاریخ کے ایک نئے دوراہے پر۔

یہاں تیس سے روسی دیکھے ہوں گی نسلوں سے یہاں بس رہے ہیں۔ روسی قومیت رکھنے والے مگر یہ بھی روسی۔ ان کے چہرے سپاٹ ہیں۔ ماں کی چھب سے، نیلی آنکھیں، سنہری بال؛ کوٹوں، دستوں کی ورزشی تندرستی کے ساتھ ہوٹل کے ریستورانوں میں رات کے پچھلے پہر تک وائلن، روسی رنگا رنگ دھنیں بجاتے ہوئے اور جس میں بیٹھے ہندوستان کے سیاح ملیں ایک ہلکے ہندی دھن شروع کرتے ہیں۔ ان ریستورانوں میں ہندوستان کے ہر دور کی نغموں کی دھنیں صاف صاف آ رہے ہیں:

"میرا جوتا ہے جاپانی، یہ پتلون انگلستانی

سر پہ لال ٹوپی روسی، پھر بھی دل ہے ہندوستانی"

ہندوستان میں بیٹھے گانے والے سمجھتے ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے۔ ان غلطی سے ہم پاکستانیوں کو بھی شاید ہندوستانی سمجھ کر یہ دھن گیت پیش کر رہا ہے۔

ہم ہندوستانی نہیں پاکستانی --- ہم دانت پیس کر زیرِ لب بڑبڑاتے ہیں۔

یہاں سے روسی اب تک کیوں ہیں؟ (ایک اٹھایا گیا سوال۔)

کیا نہیں جانتے کہ ان روسیوں کو مار کر نکالنے کا، مر کر، کوٹنے کے لئے سپاہی کو، مسٹری کی سپورٹ سے جیت ہو۔

تو یہ سب ہم نہیں سے سوچتے ہیں؟ سوچ لو تو دیکھ کر خوش تھی؟ ہاں، یہ بھی سے تو ہیں کہ یہ دیکھ کر خوش تھی۔ سوویت یونین کمیونسٹ تھا --- اور ساتھ بھی تھی۔ یہ دونوں حقیقتیں ایک دوسرے کی نفی کرنے سے معذور تھیں۔

لیکن ان دشمنوں سے دور ہوتے، اور بکھرنے سے، روسیوں سے ہوتی نصف مشقوں اور نصف ترک قومیت و روس کی طرف کھنچے ہوتے ہیں۔ روسی ان فکروں میں ہیں کہ ان کو آزاد ریاستوں کو شدت پرست

Scanned with CamScanner

اسلام پسند بن جانے سے باز رکھیں، اور وہ بارہ روسی تسلط میں بھی۔ جانے دیں۔ اسلام پسندوں کے قابل رشک ایٹمی علوم سے کام لے کر انھیں جدید اسلامی ایٹمی کلب کا ممبر بنانا چاہتے ہیں، تو خود کو اسلامی مجاہدین کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں، مگر اس خدشے سے بھی کچھ پریشان ہیں کہ کہیں کمانڈر بھی روسیائے ہوئے گذرے ہے ۔ بن بیٹھیں۔ شہر جاسوسوں سے بھرا ہوا ہے جو ہر قسم کی سن گن لے رہے ہیں۔

گلنار، جس کی کسی دور کی رشتہ دار بی بی جان سے ایک رات مجھ سے بہت زیادہ بے تکلفی برتی جا چکی تھی اور جس سے بہت بحث کرتی ہوں (بی گم ساب، خدا کی پاک کی قسم!)؛ گلنار، جو مجھے پشکن کی نظمیں سناتی ہے، اس لیے یونیورسٹی میں ادب پڑھا ہے۔ پشکن میں عجب خون تھا، وہ کہتی ہے۔ وہ خالص روسی نہیں تھا، اور اس نے روسی زبان گویا رسم نو بنائی!

گلناز مسکراتی ہے اور کہتی ہے:

اگر کسی بھی روسی کو ذرا سا کھرچیں تو اندر سے ایک مسلمان یا تاتار برآمد ہو گا۔ اتنے طویل عرصے تک ہمیں کولونائز کرنے نے ان کی فطرت کا خمیر ہم جیسا کر دیا ہے۔ گلنار ہنستی ہے۔ ہماری ذہین مترجم گل سارا اس کی ہنسی میں شامل ہو جاتی ہے۔

تو اب یہاں کے لوگ کس سمت جانا چاہتے ہیں؟" میں ان دونوں سے پوچھتی ہوں۔

پتا نہیں! گل سارا کہتی ہے۔ لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ ہم تائیوان یا سنگاپور جیسا بننا چاہتے ہیں۔

اس بات پر مجھے رونے کی ہنسی آئی۔ خوب! آخر کتنے ملک سنگاپور اور تائیوان بنیں گے؟ ہمیں وہاں جا کر دیکھنا تو چاہیے کہ وہ کیسے ہیں، جیسا کہ ہم بننا چاہتے ہیں۔

ذہین مترجم گل سارا نے فزکس میں پوسٹ گریجوایشن کی ہے، مگر اب وہ انگریزی سیکھ کر ترجمہ کا کام کر رہی ہے۔ اس نے آنکھوں پر نیلگوں آئی شیڈ لگایا ہے۔ وہ ایک بوتیک کھولنے کا سوچ رہی ہے۔

ہوا پتوں میں سرسرا رہی ہے۔

اور گلی میں سے دو گلابی کبوتر زمین پر دانہ چگتے دیکھے ہیں۔

میں گل سارا کو نہیں بتاتی۔

جلاوطنی سے لوٹنے پر میں نے ملا یوسف منیالی کی بیوی اور بیٹی کو دیکھا تھا۔ کہاں؟

قصہ مختصر یہ کہ میرے بال اب زیادہ سفید ہو چکے تھے۔ عمر اور بالوں کی سپیدی بڑھنے کے ساتھ ساتھ کسی جادو سے قدرتی رنگ رہنے کا قاعدہ کم از کم پڑ گیا تھا۔ میں اب اپنے بال رنگتی تھی جس کے لیے کسی سختی سے دبائی ہوئی پوشیدہ حسرت یا ضد کا اعتراف تک ضروری تھا۔

جلاوطنی سے واپسی کے چند برس بعد اپنے بالوں پر رنگ کروانے میں ایک بیوٹی پارلر میں گئی تھی۔ ملا یوسف کی سات پردوں میں رہنے والی بیوی کو وہاں دیکھ کر میں ہکا بکا رہ گئی۔ ایک نوعمر حسین لڑکی

Scanned with CamScanner

ان کے چہرے پر بیوٹی ماسک لگا رکھی تھی۔

ہم دونوں وہاں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنستے ہوئے حیران ہوئے کہ ابھی جنت کذائی اور جوانی سے چمٹے رہنے کی تمنا ہی سے شرمندہ [illegible] ایک دوسرے پر منکشف (یعنی ان کے منہ پر ہربل ماسک اور میرے بالوں میں مصنوعی سیاہی) پر شرمندہ تک ہو کر ہنس دیے۔ دیر تک ہم ایک دوسرے کی خیریت وغیرہ پوچھتے رہے۔ ملا جوشت کی بیوی نے مجھے بتایا کہ پاکستان کی مردم مدنی صورت حال سے دل شکستہ ہو کر ملا جوشت حبیانی نے بہت ترک کر چکے ہیں اور کتابوں کا کاروبار کرنے لگے ہیں۔

"آپ کی ایک بچی بھی تو تھی؟" میں نے یاد کیا۔

"ہاں وہی تو ہے [illegible] انہوں نے مجھے بتایا [illegible] کی خاطر میں یہاں آئی ہوں۔ یہ میرے چہرے پر پریکٹس کر رہی ہے۔ اس نے بیوٹیشن کا کورس کیا ہے۔"

تب [illegible] اور [illegible] میں نے [illegible] کی بچی کو دیکھا۔ حسین، خوش قد، وہی بچی [illegible] جس نے [illegible] ہونٹوں پر لپ سٹک لگی تھی۔ اس کے بال ترشے ہوئے تھے اور بیوٹی پارلر [illegible] آنکھوں کے سامنے آ رہے تھے۔ وہ سخت پردہ دار طرز زندگی [illegible] گھوڑوں اور خچروں پر سوار، سنگلاخ اور قوحستان کے برف پوش پہاڑوں اور گھاٹیوں سے ایک پر صعوبت سفر کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے، گزشتہ دس بارہ برس [illegible] میں چلنے والی ہواؤں میں کہیں دور اڑ گئی تھی۔

وہ کہاں گیا؟

[illegible] ہواؤں میں سرسراتا ہوا، ہواؤں میں اڑتا، کہیں دور، بہت دور---

[illegible] میں نے خود سے سوال کیا۔

[illegible] انگریزی جریدے "اکانومسٹ" نے اپنے اداریے میں لکھا تھا:

[illegible] کوئی خاص وجہ نظر نہیں آ رہی۔ ایسا لگتا ہے کہ درحقیقت---

[illegible] کوئی بھی [illegible]۔

[illegible] کوئی [illegible] جو کسی مقابلے میں شامل نہ تھے۔

* * *

[illegible]

[illegible] ایک دولت مند میں [illegible] سب سے [illegible] چیف آف اسٹاف کی سی ہے۔ ریشمی، کڑھے ہوئے سوٹ میں وہ میرے گلے سے لپٹ [illegible] دیر تک گلے مل مل کر خوشی سے مسکراتے رہے۔ بی بی

Scanned with CamScanner

جان سے عقد ثانی نہیں کیا۔ اس نے اپنے بل بوتے پر اپنے دونوں بچوں کی پرورش کی۔ دونوں میں سے ایک، اس نے مجھے خوش ہو کر بتایا، فوج میں بھرتی ہو گیا ہے۔

Scanned with CamScanner

اُودے پرکاش

جنوری ۱۹۵۲ میں ضلع [illegible] کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ جواہرلال نہرو یونیورسٹی، نئی دلی، میں تعلیم مکمل کی۔ شاعر و کہانی کار کی حیثیت سے معروف ہیں۔ [illegible] تک [illegible] پبلیکیشنز کے ہندی رسالے [illegible] دنیا [illegible] میں شامل ہیں۔ ۱۹۸۱ میں نظم [illegible] پر بھارت بھوشن اگروال ایوارڈ اور ۱۹۸۳ میں کہانیوں کے مجموعے دریائی گھوڑا پر اوم پرکاش ایوارڈ پایا۔ کہانیوں کا مجموعہ دریائی گھوڑا، نظموں کے مجموعے [illegible] اور [illegible]

[illegible] ۱۹۸۰ [illegible] اودے پرکاش کی دو کہانیاں [illegible] کی [illegible] کہانی [illegible] پرچھائیں [illegible] اودے پرکاش کی [illegible] پیش کی جا رہی ہیں، وہ ان کے پہلے مجموعے سنو کاریگر میں شامل ہیں جو ۱۹۸۰ میں شائع ہوا تھا۔

اُدے پرکاش

ہندی سے ترجمہ: اجمل کمال

تبت

تبت سے آئے ہوئے
لاما گھومتے رہتے ہیں
آج کل
منتر بدبداتے

ان کے خچروں کے جھنڈ
بگیچوں میں اترتے ہیں
گیندے کے پودوں کو نہیں چرتے

گیندے کے ایک پھول میں
کتنے پھول ہوتے ہیں
پاپا؟

تبت میں برسات
جب ہوتی ہے

Scanned with CamScanner

تب ہم کس موسم میں ہوتے ہیں؟

تبت میں جب تین بجتے ہیں
تب ہم کس سمے میں
ہوتے ہیں؟

تبت میں
گوندے کے پھول ہوتے ہیں
کیا پاپا؟

لاما شنکھ بجاتے ہیں پاپا؟

پاپا،
لاماؤں کو
کمبل اوڑھ کر
اندھیرے میں
تیز تیز چلتے ہوئے دیکھا ہے
کبھی؟

جب لوگ مر جاتے ہیں
تب ان کی قبروں کے چاروں اور
سر جھکا کر
کھڑے ہو جاتے ہیں لاما

وہ منتر نہیں پڑھتے

وہ پڑھتے ہیں تبت
تبت تبت
تبت تبت

Scanned with CamScanner

تبت تبت
اور روتے رہتے ہیں
رات رات بھر

کیا آپ
ہماری طرح ہی
روتے ہیں، پاپا؟

مرنا

آدمی
مرنے کے بعد
کچھ نہیں سوچتا

آدمی
مرنے کے بعد
کچھ نہیں ہوتا

کچھ نہیں سوچنے
اور کچھ نہیں ہونے پر
آدمی
مر جاتا ہے

سب سے اچھے دن

سب سے اچھے دن ہیں
یہ میرے

دوستوں کی خوب ساری چھٹیاں ہیں
پیار بھری
بچپن کی بے خوف
آزاد شامیں ہیں

نوکری ملی ہے اور تھوڑے سے
روپے جن سے
اپنی پسند کی کتابیں اور
ایرو گرام خرید سکتا ہوں میں
چائے پلا سکتا ہوں
دوستوں کو

چائے پیتے
ہنستے کھیلتے دوست
کندھے پر ہاتھ مارتے ہیں
کہتے ہیں ...
چھوڑ یار ... کیسے خوب
خوب چائے پیتے ہیں ہم

نومبر سے گنتا
پلٹ کر دیکھنا
بچھڑے بچھڑے بھر
ہو جاتی ہے

Scanned with CamScanner

چنّی کا چہرہ کتنا تو
شانت ہے
کیا میں اسے ٹھہری ہوا میں
ٹھنڈی جھیل کہوں؟

میرے گھٹنوں کو پیڑ کا تنا سمجھتا ہے
میرا بچہ
دوڑ کر چڑھتا ہے
ڈالوں پر جھولتا ہے
کوکتا ہے... کُو اُو اُو

تالی پیٹ کر غور سے
دیکھتا ہے مجھے
میں اُڑ گیا ہوں پار پھُنگیوں کی اور
یا بیٹھا رہ گیا ہوں
وہیں

سب سے اچھے دن ہیں یہ میرے
جنہیں دیا ہے مجھے
میرے بُرے دنوں نے
پہلی بار

نظم

۱

میں نے جھک کر
چنی کی کاپی میں لکھا
پیڑ

Scanned with CamScanner

اور میں نے لمبے لمبے ڈگ بھر کر
جنگل کی اور غائب ہوتے دیکھا
پچھواڑے کے امرود کو

بیس سال سے
اس امرود کے کندھوں پر بیٹھ کر
میں نے اس کے دیے
پھل کھائے تھے

بارش اور جاڑے کو
میں نے ہفتوں دھیرے دھیرے پکتے
دیکھا تھا

آپ جانتے ہوں گے
صبح صبح کی مہین ٹھنڈی ہوا
سب سے پہلے پتیوں میں گھلتی ہے
مصری کی طرح
پھر ان کی سہرن کے ساتھ ساتھ
ڈنٹھلوں تک پہنچتی ہے
اور پھلوں میں خوشبو اور شہد بن کر
ٹھہر جاتی ہے

میں پیڑ پر چڑھ کر
بیٹھ کر امرود کے تنے پر
تیس سال پرانے پانو کے گھٹنے کا درد
آپ تک پہنچا پاتا ہوں
یا پھلوں کے بھیتر
رتوؤں کی مٹھاس اور مہک کا سواد
آپ کو دے پاتا ہوں

Scanned with CamScanner

اتنی بڑی غلطی ہوئی
میں نے اس اپنے سمبندھی کو
میں سالہا سال حساس سندر اور مہربانی سے بھرپور
ایسا چلتاؤ سا نام دیا

میں کہنا چاہتا ہوں
مجھے معاف کرو
دادا، لوٹ آؤ
مجھے بھوک لگی ہے
اپنے اُلفت اور ہمدردی سے بھرے
پھل مجھے پروسو

میرے بھائی، جنگل میں
بڑی بھیڑ ہے
مجھ سے ناراض ہو کر
اُس کشمکش میں تو مت جاؤ
میں جانتا ہوں
اگر میں نے پھر پکارا تمہیں
"پیڑ" سمجھ کر

تو تم نہیں
باقی کا سارا جنگل
میرے پاس چلا آئے گا

سنو کاریگر

دیکھ
کمزور سوت کی بُنت نہیں

Scanned with CamScanner

جو اپنے آپ ٹوٹتی ہے

روز روز کی سخت مصیبتیں ہیں
جو آنکھیں کھول دیتی ہیں اچانک

سنو، بہت چپ چاپ پاؤں سے
چلا آتا ہے کوئی دکھ
پلکیں چھونے کے لیے
سینے کے بستر آنے والے
کچھ لمبے دنوں تک
بیٹھ جانے کے لیے

میں ایک اکیلا
تھکا ہارا لوٹی
کچھ بھی نہیں ہوں اکیلا
میری چھوٹی ہوئی ادھوری لڑائیاں
مجھے اور تھکا دیتی ہیں

سنو، یہیں تھا میں
یہی تھکن، اداسی، ٹوٹے
آنسوؤں، لیے ہوئے
ایک آدھ چھوٹی موٹی
خوشی کے ساتھ

یہیں نیند میری ٹوٹی تھی
کوئی دکھ تھا شاید
جواب صرف میرا نہیں تھا

اب صرف میں یہیں تھا اکیلا

Scanned with CamScanner

اپنے جاگنے میں

چلنے سے پہلے
ایک بار اور پکارو مجھے

میں تمھارے ساتھ ہوں

تمھاری پکار کی انگلیاں تھام کر
چلتا چلا آؤں گا
تمھارے پیچھے پیچھے

اپنے پچھلے اندھیروں کو پار کرتا

صراحی

چکنی مٹی کا
بے ڈول لوندہ گھومتا ہے
گھومتی ہوئی چاک پر

مٹی یوں ہی گھومتی رہے گی گھرنی جیسی
گوں گوں گوں
جب تک انگلیاں اسے تراشیں گی نہیں
اور بے کار مٹی کھروچ کر
چھانٹیں گی نہیں

انگلیوں کے بنا
ٹی ماٹی سے
کچھ نہیں

انگلیوں سے کب
بانٹی ہے
روٹی نہیں

تمہاری انگلیوں سے سا
پانی پیسے بھرنے کا
ہانڈی میں ٹھنڈا ٹھنڈا

بہو جاتی پر پسینہ
آنتوں کے اشارے سے انگلیوں کو چھڑاو
ایک لوٹا پانی سرکاؤ
ورنہ
سو جائے ان آبادی آرٹ ـــــ

بچاؤ پھر سے
جانی آب پانی کا کھیل
چکاؤ اپنے پیٹ کو
دلاسا دو اپنی چٹنی کی سسکیوں کو

بازار کے مطابق
تیار کرو سے ابھی
نہیں تو وہ گیندا سا تو بدل
ٹیڑھا میڑھا باتھی کا بچہ جھٹکے دار لگے گا ـــ

ہر جسم دیوں
نیرا جی کیسے سے
سر جی کی روح؟

پتا

پتا
جھاڑ جھنکاڑ کی ٹیلیوں اور پتھروں سے بھرے
چٹیل میدان میں،

پتا
ببول، شیشم، بیر، تیندووں اور سروں سے بھرے
پیڑ تھے

بچپن میں اکثر
کسی اونچے ٹیلے پر چڑھ کر
میں آس پاس کے گاؤں میں
للکار دیا کرتا تھا

نالے کے پار
شہر بھر میں
پتا کا رعب تھا
ایک ایک عمارت پر
اُن کی کتنیاں ستر کی تھیں
ایک ایک دیوار پر
ان کی انگلیوں کے نشان تھے
ہر دروازے کے کاٹھ پر
ان کا رُندا چلا تھا

نالے کے اس پار
جہاں سے گاؤں کی ویرانی شروع ہوتی ہے
ہر کھیت کی کشور چھتی پر
پتا اپنی کدال
وجنے سے تھے

Scanned with CamScanner

بیل کی مرغوٹہ پر
ان کی گھٹے دار ہتھیلیوں کی چھاپ تھی
ہر گریار بیل کے پٹھوں پر
ان کے ڈنڈے کے داغ تھے۔۔۔

بچپن میں
پتا کے کندھے پر بیٹھ کر
میں بازار گھومنے جاتا تھا

پتا پہاڑ کی طرح
چیتے بھیڑ کے بیچ
ان کے کندھے پر میں
جنگلی طوطے کی طرح بیٹھا رہتا

بعد میں پتا
بوڑھے ہو گئے
کتنے ہی کھیت، کدال
بیل، عمارت، اینٹیں، دروازے، بازار
انھیں چبا گئے

مجھے لگتا ہے
اس چٹیل میدان
کے بھیتر (جو پتا تھے)
ریت کی دوسری تیسری پرتوں تک
سرکتا ہوا کوئی
نم سوتا بھی تھا

جو محنت کرتے
پتا کی دیہ کے علاوہ

کبھی کبھی میری آنکھوں میں بھی
رِسنے لگتا ہے

عمارت

کاریگر نہیں ہے
لیکن عمارت میں
کاریگر کا چہرہ پسینے میں
لت پت ہے

کاریگر کا چہرہ پسینے میں
لت پت ہے اس لیے
عمارت کی دیواریں سیلن سے
بھر گئی ہیں

کاریگر کے شریر میں
جگہ جگہ زخم پک رہے ہیں
اس لیے عمارت کی دیواروں میں
دراریں پڑ گئی ہیں
اور نیو کو دیمک چاٹ رہی ہے

کاریگر بوڑھا ہو گیا ہے
اُس کے بال جھڑ رہے ہیں
اس لیے عمارت کے پلاسٹر
جھڑ رہے ہیں

بہت بوڑھا ہو چلا ہے کاریگر
بہت پرانی ہوئی عمارت

Scanned with CamScanner

ایک دن عمارت کا مالک
انجینیئر کے ساتھ
عمارت کے معائنے پر آتا ہے

انجینیئر عمارت کی جانچ
کرتا ہے

کہاں ہے
کہاں ہے، کہاں ہے
کاریگر— کاریگر کو بلاؤ
عمارت تو جل رہی ہے
زور زور سے
انجینیئر کہتا ہے

نہیں جانتا انجینیئر
یہ جانتا ہے
کہ عمارت جل رہی ہے
زور زور سے
کیوں کہ تیس سو میل دور
گاؤں میں اپنی جھگی کٹیا پر
بیٹھا کاریگر
کھانس رہا ہے زور زور سے

دیا

اب
ناچتی ہے
احساس حرارت سے

Scanned with CamScanner

چائے کے لیے منع کرتا ہے

ڈاکیا
اپنی چپل
پھر انگوٹھے میں سنبھال کر
پھنساتا ہے

اور منی آرڈر کے روپے
گنتا ہے

سرکار

آئے
آئے چار جج
آئے اور گاؤں کے باہر
چودھری میں تمبو لگایا

چودھری میں سے چودھر
چھوٹے سے بڑا کیا
چار کرسیاں آئیں
چار جنگل لائے گئے

اور چاروں جج
چار کرسیوں پہ
ایک قطار میں بیٹھ گئے

پھر دھیرے دھیرے
گاؤں کے بوڑھے آئے

Scanned with CamScanner

جوان آئے
بچے آئے
بوڑھی پتوہویں آئیں
بہنیں آئیں

سب ڈرے ڈرے
چاروں جنٹوں کے
چاروں اور جنٹے کے
کرسی کے نیچے
ٹیبل کے نیچے
چبوترے کے نیچے

چاروں نے چار کنٹھوں سے
ایک سُر میں کہا:
"ہمیں سرکار ہیں"
پھر چپ ہو گئے

چاروں میں سے ایک
جو مالی تھا
اس نے بانگ لگائی:
دشمن ہو جا حاضر ہووو!

دشمن بہو
دشمن کی بیوی تھی
دشمن دکھ بھوگتا فوت ہو گیا تھا
پانچ سال ہوئے

دشمن بہو نے کہا:
سرکار ان کی بات

فریاد ہے
کہ بارش نہیں ہوتی
دھرتی جھرا گئی
کھیت پھٹ گئے
کاچھوں کے پات
کھڑکھڑ بجنے لگے---

"کٹھلا میں دانہ بھی نہیں
جو تھا سو ہم نے کھا لیا۔
جب کھا ہی لیا
تو کھیت میں چھینٹے کیا
سو لگان کی بابت
فریاد ہے---

چپ رہو --- خاکی نے ڈانٹا
سفید نے آنکھ چڑھائی
پیلے نے جھڑکا
اور جو ست رنگا تھا
اس نے اپنا چشمہ ٹھیک کیا

پھر چاروں چار کنٹھ سے
ایک سُر میں بولے:
"ہم سرکار ہیں

دکھن بھو بولی:
جو سرکار ہو تو
رعایا کا دکھ سمجھو
بارش کرو
کھیت میں فصل پیدا کرو---

Scanned with CamScanner

تم کون سے سرکار ہو جو
راکشس کی طرح آتے ہو
تباہی مچاتے ہو
سب سمیٹ بٹور کر لے جاتے ہو؟

دشمن تمہارے ڈر سے
چار مہینے جنگل میں رہا..
پھر جانے کون سا
سرکاری ہاکم اُسے کھا گیا---

خاکی نے کہا:
"بولتی بہت ہے یہ عورت
سیدھی کر دو
پہلا بڑبڑایا
اور ست رنگے نے قلم چلادیا

سچے لوگ جو دھرتی پہ
بیٹھے تھے چپ، وہ گئے
کھڑے ہوتے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

پھر تھے دوسرے دوسرے
بے شمار، ان گنت، اپار لوگ

ایسی پاگل اور بے کوئی ندی کا
اتہاس کی کتابوں میں
کئی بار ذکر ہے
ویسی ہی ندی تھی یہ پہاڑی
کالی، شیالی، مغرور
سب کچھ ساتھ بہا کر لے جانے والی

تھے جو چار جن
جو خود کو سرکار بتلاتے تھے
گاہے بگاہے
سو جن گاؤں میں آتے تھے
اور سب کچھ باندھ لے جاتے تھے

آج اُن کی ہوا بھی نہیں تھی
اُن کے چہرے
چونے کی طرح سفید تھے

دیکھا انھوں نے دیکھا
اپنی ڈوبتی آنکھوں سے دیکھا
کہ ایک شاندار لہر اوپر اٹھی

سُنا انھوں نے سُنا
اپنے تیتم سے انھوں نے صاف صاف سُنا
چبوترے کے چاروں طرف شور اٹھ رہا تھا:

"ہم سرکار ہیں"

Scanned with CamScanner

مالک، آپ ناحق ناراض ہیں

مالک، آخر ہوا تو آپ کے کہنے سے نہیں چلتی،
دھوپ کا کیا کروگے آپ جو گرے گی ہی
آپ کی بندوقیں ہیں،
آپ سے وہ پکڑ کر بند نہیں کی گئی
روشنی کی نٹ کھٹ، چونکتی گلہریاں

رنگوں پر تو بس نہیں ہے آپ کا
آپ جب بھی سنائیں گے
وہ کھلکھلائیں گے آپ کے خون میں
گھس کر

آپ سب کو صبح تو نہیں
کر سکتے آپ

میں ٹھیک کہہ رہا ہوں مالک،
آپ ناحق ناراض ہیں
پھول ہوتے ہیں بالکل ان چیزوں کو
جن پر حکم نہیں چلتا آپ کا
آخر ہوا، کیسی کہاوت تو ہے نہیں مالک،
جو رکتی ہوئی
چوکا ہاتھ کرے آپ کا
ہاتھی بھر بھر پانی
چھت تک چڑھ جائے
دو گھنٹے چھوٹے بابو کو سلائے
اور پھر آپ کا
بچھونا بچھائے

آخر دھوپ سُرجا تو ہے نہیں مالک
جس کی قمیص آپ غصے میں پھاڑ دیں اور
جس کی کالی پیٹھ پر
اپنی چابک سے گل جھاڑ دیں

دھوپ سُرجا نہیں ہے مالک
جسے آپ اپنی بیٹھک میں اُکڑوں بٹھا کر
گریاتے رہیں
اور پیٹتے رہیں

ور رنگ،
رنگ آپ کے چاکر نہیں ہیں سرکار
جو آپ کا دھا کریں
حقہ بھر لائیں، سلام بجائیں
آپ کی ڈیوڑھی داری کریں

آپ کے بنی ماروں کے بچے نہیں ہیں یہ
بھولے بھالے رنگ
جو آپ کو دیکھ کر
اپنے اپنے اوساروں میں چھپ جائیں
ان سب پر ناحق ہی بگڑ کر
اپنا خون جلا رہے ہیں آپ
بے بات کی بات بڑبڑا رہے ہیں آپ

آخر جیٹھ کی دھوپ ہیں
آنچ تو رہے گی ہی مالک
آخر ہوا ہیں دھوپ وغیرہ
شکایت تو ہو گا ہی
آپ کے سامنے

کیتلیا کی طرح کھولتی تو نہیں رہے گی ہوا
سر جھکائے، ادب سے
چپ چاپ

مالک، یہ دھوپ ہے
جیٹھ کی، اصل
جیسے جیسے سورج چڑھے گا اور دھرتی گھومے گی
یہ اور تپ تپائے گی
گرم لال لوہے کی طرح
اور موم کی طرح پگھلیں گے آپ

کمھلائیں گے
جھلائیں گے آپ
کتنا ہی انگوچھا لا لیں سرکار

اور ہوا
اس کے من کی بات تو مت پوچھیے مالک
جتنا ہی آپ خفا ہوں گے
اتنا ہی سر پر دوڑے گی کٹکٹی بڑی سیٹی ہوئی
آپ کی کوئی بات اگر اس کے جی لگی
تو مت پوچھیے پھر سرکار
ہوا بگڑتی ہے تو گھر ڈھاتی ہے
کھورے، مندر، قلعے سب بکھیر ڈالتی ہے
پہاڑوں کو گیند کی طرح اچھالتی ہے
ندیوں کو پھوار بنا دیتی ہے
ہستی کو ریزہ سا

آپ تو پھر کیا ہیں مالک!
پھولوں کی طرح اڑیں گے اِدھر اُدھر

Scanned with CamScanner

پھنسی کسی میں گے کپھ بلوں میں
سے [illegible] تک [illegible] میں سے

و [illegible] ترقی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

گیم سینکچوری

ڈاک بنگلے میں جہاں شکار کے لیے
ٹھہرے ہوئے تھے نوجوان افسر
تھرمس میں سے کافی نکال نکال کر
پیتے، قہقہاتے... شُو شُو شُو
نی---بی---بوتی [illegible]
کہیں کہاں... [illegible] کے پتے بھیگتے [illegible]

ہاتھی ہوتا سواری کے لیے تو جنگل کچھ اور ہوتا
ڈالیاں قریب ہوتیں سو یہ
تمہارے گالوں کے --- ہا! ہا!

[illegible]
[illegible]

[illegible]
ان نوجوان افسروں کی آنکھیں
وہی سب کچھ کھوجتی ہیں
وہ سیمیں تو ویسی ہی ہیں ہو بہو
بس ذرا سنولا گئی ہیں

Scanned with CamScanner

کولہے کچھ زیادہ بھاری ہو گئے ہیں اور
اُتنا پیدل نہیں پاتیں
خوراک بھی سب کچھ زیادہ--- کوئی نہیں تو
ایک دو انڈا اور ایک آدھ سلائس بس---

نوکر پانی لے آؤ ٹھنڈا
دری بچھا دو نوکر اس نیم کی چھاؤں میں
نوکر سلاد کاٹو
دوڑ کر بازار سے کاغذی نیبو لے آؤ
کاغذی نیبو صحت کے لیے مفید ہوتے ہیں
جلدی کم بختی سے

[illegible]
[illegible]
[illegible]
سونیا نہانے کی پانی رکھو باتھ میں
نوکر تم اونگھتے کچھوے کی طرح چلتے ہو

پتا نہیں ڈی سی بنگلوں میں
ایسے بوڑھے، گندے اور سست نوکر
کیوں رکھے جاتے ہیں
نوکر تو جوان اور چست ہونے
چاہییں، ہمیں صفائی [illegible]

ڈی سی بنگلوں میں آدمی واسی جھیل کنارا
ہونی چاہیے، یہاں آئیں ہم تو لگے ہمیں
کہ ہم یہاں کے جنگلی جیوؤں سے ایک انگ ہیں
پورا ماحول بننا چاہیے
آنے والوں کے لیے، گمبھیر کلاسیکی

افسر کہتا ہے گمبھیرتا سے

نوکرانی ایسی ہو
کہ ہر بات میں ہنسے ... کھِل کھِل
تو لگے جیسے ہزاروں جنگلی پھول
چٹک گئے ہوں
اور ایک پھولی ہرنی چونک کر
چوکڑی مار گئی ہو

نشے میں ہیں افسر
نشے میں ہیں میمیں

ڈولی، تمہارے گلے کے نیچے
ایک کیڑا چل رہا ہے
اجازت ہے؟ ہوہ! ہوہ!
ہے؟
نہیں۔
ہے؟
نہیں۔
ہے؟
ہے۔
تو۔۔۔

نوکر گیرج کا تالا کھولو
ذرا سلاو آور کاٹو
کیمرا، ریڈیو، باجا گاجا،
یہ ٹرنک، تھرمس جیب میں رکھو

سمونورا

Scanned with CamScanner

ایک خالی گلاس اور دے جاؤ

... ہو گئی ---
زندگی بھر یہ آدمی سوتا
رہا ہے

افسر کی لاش سمیٹتی ہے، اپنے
کپڑے سنبھالتی ہے، بوڑھے نوکر کو
گھورتی ہے غصے میں
کلرک بھی افسر سمجھتا ہے
نوکروں کے ساتھ ہمیں نرم ہونا چاہیے

نوکر، سائیکل چلا لیتے ہو؟
دوڑ کر بازار سے برف کی سلی لے آؤ
انڈے بھی لے آنا نوکر

اے نوکر، ہمارے جیون
منشی بابو کا تو کچھ خیال کرو
گمبھیر کلرک بھی افسر
دانت نکال کر آ کھڑا ہوتا ہے بائیں

ڈولی اور سونیا ہنستی ہیں --- ہائی ہی ہی
گھنٹیاں ٹنٹناتی ہیں --- ٹن ٹن ٹن

ڈولی کے گلے میں جل ترنگ ہے --- ہو ہو! ہو ہو!

جب بھی ہنسی پڑتا ہے
تمہیں تو بجتے ہو ماسٹر ڈ --- کھی! کھی!

بوڑھا نوکر سنتا افسروں افسرنیوں کی باتیں
سب، گھِرنی کی طرح گھومتا اِدھر سے اُدھر
اُدھر سے اِدھر
بوڑھے نوکر کے پاؤں میں پھٹی نکی ہے
کی نس سے بولتی ہوا . . . گھو . . . گھو . . .
کا گھنٹہ --- اوہ --- وہ ---
برف کی سِل دھوتا بوڑھا نوکر
کاندھی جیسوا

سلاد کاٹتا

سلاد میں زیادہ مرچ ڈالتا
ڈولی اور سونیا کی بھی سِسکاری نکلتی
گالیاں بکتیں، رومال لاتیں
سونیا بھی کالکھ کے بال کا پسینا
پونچھ کر سونگھتی
تمہارا نام کیا ہے نوکر؟

بوڑھے نوکر کو ہنسی آتی، میرا نام
نوکر ہے میم ساب، وہ کہتا، اور ہنستا
ڈاک بنگلے کا بوڑھا نوکر
وہ ہو گا وہ نہیں
ہاتھی پاؤں ہو جائے گا پیروں میں
نتھیا کی دل کے مریض بنو گے
کولے جل نہیں پائیں گے
گردے سے ہوا آئے گا

ونگیوں کی طرح سنو گے ایک دن
تم کہ پھر سے ایک اور سنتالیس آیا ہے
اُس رات گورا لاٹ اور اُس کی چھوکری

Scanned with CamScanner

رات بھر روتے رہے تھے۔۔۔

نوکر ایسا کرو
نوکر ویسا کرو
ٹھہرو نوکر ادھر سنو
اسے اٹھاؤ نوکر، اُسے دھرو
جاؤ نوکر
آؤ نوکر

نوکر ہم جیپ میں بیٹھ کر
جنگل میں جائیں گے اور جھاڑیوں کے پیچھے
ڈولی اور سونیا کے ساتھ
پکنک منائیں گے

نوکر ٹفن لے کر تم بھی
جیپ کے پیچھے لٹک جاؤ

سوّر کے بارے میں کچھ کویتائیں

سوّر (۱)

ایک دن سوّر نے کہا
ہم خوش رہیں گے

دوسرے دن

ہنستا رہا

Scanned with CamScanner

ایک دن سور نے کہا
ہم پیداوار بڑھائیں گے

وہ موٹا ہوتا
چلا گیا

ایک دن سور بولا:
باقی تو ٹھیک ہے
بس ہمیں محنت کرنی چاہیے
اس دن سور
دن بھر سوتا رہا

ایک دن سور
صبح سے کچھ گھبرایا ہوا تھا
وہ کچھ بول نہیں سکا

اس کے محلے میں
صفائی محکمے کے جمعداروں نے
ہڑتال کر رکھی تھی
انہیں پگار نہیں ملی تھی
بازار میں راشن نہیں تھا
سبزی غائب تھی
پھر بھی انھوں نے جانے کیوں
ایک بڑے سے چولھے پر
ایک بڑی سی کڑاہی چڑھا رکھی تھی

سور کڑاہی سے
ڈر گیا تھا

سؤر (۳)

ایک اونچی عمارت سے
باہر آ کے
ایک تندرست سؤر نکلا
اور گھر جیسی کار میں
بیٹھ کر
شہر کی اور چلا گیا

شہر [illegible] تک
[illegible] گئے
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اسی رات شہر سے
جیسی [illegible] کا تیل
غائب تھے

Scanned with CamScanner

سوّر (۳)

ایک دن سوّر کو
خوب زوروں کا زکام ہوا

ناک سے لگی
گلے میں خراش
اور کھانسی کے جھٹکے

ناک جب زیادہ بہے
تو اُسے پونچھنا تو ضروری ہے

ناک جب زیادہ بہنے لگی
تو سوّر نے
میمنے کو بُلایا

سوّر نے کہا:
میمنے بھیا میرے
روؤں سے کتا
وہی رومال مجھے دو
جو خوب صاف سفید ہو

میمنا تین دن پہلے ہی تو
مونڈا گیا تھا
اُس کے روؤں سے کتی جیکٹ
سوّر نے پہن رکھی تھی
یہ میمنا تھی تھد
اپنی ہونٹ پر
درد تین جیسے کہاں؟

Scanned with CamScanner

تو سیتا کچھ دیر سوچنے لگا
کچھ دیر سوچنے لگا
اس لیے کچھ دیر
چپ ہو گیا

تب تک سور کی ناک
پھر بہنے لگی
سور نے بیٹے کو مارا
اس کی کھال سے ناک پونچھی

پھر ایک ٹکڑا
درزی کو دیا
اور اپنے سر کے لیے
نرم نرم صاف سفید
ٹوپی سلائی

سور (۴)

سور نے کہا:
ہرنوں نے شکایت کی ہے
کہ جنگل میں
گھاس کی کمی ہے

سوروں کی تعداد
بڑھ گئی ہے
اور گھاس کم ہے

سور سے کہو

Scanned with CamScanner

ہرن جس تعداد میں
پیدا ہوتے ہیں
گھاس اُس مقدار میں
پیدا نہیں ہوتی

یہ کون سا طریقہ ہے
کہ ہرن
سوروں کی طرح بچے جنیں
پھر گھاس کی شکایت کریں

سؤر نے کہا:
چوں کہ ہرنوں نے
شکایت کی ہی ہے
اس لیے اب
ہرنوں اور گھاس کا
تناسب طے کرنا ہی ہوگا

ہرن کم ہوں گے
تو ایک ہرن کے حصے میں
دن بھر زیادہ گھاس آئے گی

سؤر (۵)

دنیا کے ہر بڑے شہر میں
سؤر کی عمارتیں تھیں
وہ ایک بہت بڑے مشینی پرندے پر بیٹھ کر
اُن شہروں کو جاتا تھا

Scanned with CamScanner

دنیا میں جتنے ملک تھے
اُس سے کہیں زیادہ بڑے شہر تھے
اُس سے بھی کہیں زیادہ سؤر کی عمارتیں تھیں

ہر شہر کی
ہر عمارت میں
سؤر کی بیویاں تھیں

اس طرح دنیا میں
جتنے ملک تھے
اس سے زیادہ شہر تھے
اُس سے زیادہ سؤر کی عمارتیں تھیں
اور اُس سے بھی کہیں زیادہ
سؤر کی بیویاں تھیں

یک دن سؤر کو
ہر ملک کے ہر شہر کی
ہر عمارت میں رہنے بسنے والی
بیوی کی طرف سے پیغام ملے
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

سؤر بہت بڑے مشینی پرندے پر
بیٹھ کر
ہر شہر کی ہر عمارت میں گیا
اس کے کچھ دنوں بعد

Scanned with CamScanner

سؤر نے گھر میں کانفرنس بلائی
جس میں سؤر کی
ساری بیویاں شامل ہوئیں

سؤر غصے میں تھا
اُس نے غراتے ہوئے کہا:
"میرے کسی بھی بچے کا رنگ
میرے جیسا سیاہ کیوں نہیں ہے
ان کی کھال میری جیسی
کھردری، کثیف اور شوخ دار کیوں نہیں ہے
میرے جیسے تیکھے، مضبوط، نکیلے
کھیسیں کہاں ہیں
ان کی آنکھیں خرگوش کی طرح
چھوٹی اور خوبصورت کیوں
دکھائی دیتی ہیں؟

میری بیویاں بتائیں
کیا یہ میرے ہی بچے ہیں؟"

بیویوں نے اُسے سمجھایا:
"سنو ہمارے آقا،
کسی بھی سؤر کے بچے
شروع میں
سؤر نہیں ہوتے

وہ خرگوش اور میمنے سے بھی زیادہ
ملائم، نرم اور
گئے گزرے ہوتے ہیں
وہ تو ہم ہیں

Scanned with CamScanner

جو انھیں پڑھا سکتے ہیں
نصیحتیں دیتے ہیں
ویسا ماحول بنا سکتے ہیں

اسی طرح
دھیرے دھیرے ہر روز
انھیں سوّر بناتے جاتے ہیں

سوّر (۲)

سوّر نے دور جنگل میں
نیلے جھرنے کے پاس
ایک خوب صورت چڑیا کو
بانسری بجاتے سنا تھا

اس نے سن رکھا تھا
کہ ہر فن کا جوہر
جب تنہائی میں ہوتا ہے
تو تان پورے کے تار چھیڑتا ہے

ایک دن سوّر نے کہا
سنگیت اور کلا کے بنا
کوئی بھی سوّر
پونچھ کٹا ہے
کلا میں سوّر کو ماہر ہونا چاہیے

ـــ ـ ـ
بانسری سنانی اور

Scanned with CamScanner

تان پورہ ستایا

اُس نے محفل جمائی
اور تان پورے پر
کھینچیں ور کھر
کھینچے تا

تان پورے کے کئی تار ٹوٹے
کئی ڈھیلے پڑے

پھر سور نے
بانسری میں پھونک ماری

بانسری اور تان پورے پر
جتنے بھی سُر پیدا ہوئے
انھیں سن کر
اور دوسرے سور
گھن سے مُنھ ٹلانے لگے

سور نے کہا:
تو اس طرح کا گے اتہاس میں
سور سنگیت پیدا ہوا

ایک دن سور اداس تھا
سب نے کہا:
کیوں ہے یہ ڈر
سور سنگیت جب بجتا ہے تو
صرف سور سر دھنتے ہیں
صرف سور گنگناتے ہیں

Scanned with CamScanner

صرف سور مسکراتے ہیں

جب تک دوسرے
ہل جوتو، ہل چلانے نہیں اپناتے
تب تک سور سنگیت کا
سامراج کھنڈت ہی رہے گا

سور سنگیت
کلا کا چکرورتی سمراٹ ہے

سور نے کہا:
سنا کو سور سنگیت کے
پھیلاو اور پرچار میں
جُٹ جانا چاہیے

اس طرح
ایک دن
سور نے
ہرن کو
دربار میں بلایا

بلایا اور ہرن کو اس نے
دوب کے ایک ہرے بھرے میدان میں
پوری طرح آزاد ہو کر
چرنے اور پھرنے کی اجازت دی

دوب دھیرے دھیرے
ہرن کی آنکھوں میں چھانے لگی
ہرن کے دماغ کی اور

Scanned with CamScanner

جاڑے والی تمام رتوں میں
دُوب کی ہریالی
گھٹنے لگی

اور تب
سورج نے
ایسا
تانپورہ بجایا

ہرن نے شروع میں
دُوب کی اشاد گندھ میں ڈوب کر
باہ باہ کی

باہ باہ کی
پھر دھیرے دھیرے اُسے
سوز سنگیت کی گونج بجانے لگا
بجانے لگا
اور ہرن
سوز سنگیت کے
دُرت اور ولمبت
گانے لگا

ہوتے ہوتے یہ ہوا
کہ ایک دن
ہرن کے لیے
سوز سنگیت
دُوب کا ایک ہرا بھرا میدان بن گیا

اور ہوتے ہوتے یہ ہو

Scanned with CamScanner

کر ہرن کے
خوب صورت چنچل کان
سور جیسے ہو گئے

اس طرح جب ہرن
ایک دن پوری طرح
سور بن گیا
تب سور نے اُسے
سور پنتھ کا
سب سے اونچا اعزاز دے کر
سنور گیا

گریس اوگوٹ (Grace Ogot)

گریس اوگوٹ ۱۹۳۰ میں پیدا ہوئیں اور کینیا کے سینٹرل نیانزا نامی علاقے میں پرورش پائی۔ اوگوٹ نمایاں افریقی فکشن نگاروں میں شمار کی جاتی ہیں۔ وہ نرس، مڈوائفری کی استاد، ریڈیو کی سکرپٹ رائٹر اور براڈکاسٹر، اور کینیا کی ڈپلومیٹ سفیر کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکی ہیں۔ ان کا ایک ناول The Promised Land شائع ہو چکا ہے، مگر ان کی بیشتر شہرت ان کی کہانیوں کی بدولت ہے جن کا مجموعہ Land without Thunder کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

جوناتھن ٹریٹل (Jonathan Treitel)

جوناتھن ٹریٹل ۱۹۵۹ میں لندن میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم زیادہ تر کیلی فورنیا میں ہوئی جہاں انھوں نے [illegible] کے طور پر کام بھی کیا۔ ان کی کہانی Stalin, Stalin and Stalin، جس کا ترجمہ صفحہ ۲۲۲ پر پیش کیا جا رہا ہے، نیویارکر کے ۲۱ ستمبر ۱۹۹۲ کے شمارے میں شائع ہوئی تھی اور بعد میں The Minerva Book of Short Stories کی جلد ۶ (۱۹۹۳) میں شامل کی گئی۔

گریس اوگوٹ

انگریزی سے ترجمہ: محمد سلیم الرحمٰن

جگر خور

سوڈان کے شمالی علاقے میں جھٹ برسات کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس وقت کی گھڑی بھی اچھی تھی اور گرم دھوپ پڑنے سے گیلی ریت سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی۔

پاتال والوں کے ہاں جھنڈا چڑھ گیا!
پاتال والوں کے ہاں جھنڈا چڑھ گیا!

بچے ایک دوسرے کو گیلی ریت کے ڈھیلے مارتے ہوئے چلا رہے تھے۔

"چل بھئی، وہیں جا،" نیاڈیو نے پیار سے اپنے لڑکے سے کہا۔ "میرا ہاتھ بٹا۔ دھوپ بہت تیز ہونے سے پہلے پہلے بجے کا بیج دریا تک لے جانی ہیں۔"

وہاں سے جاتے جاتے بچے جھوٹے ساتھی پر آخری بار مشتی ... ریت پھینکی اور نیاڈیو سے دھوکی کی ... اس کا کہنا تھا، وہ گاؤں کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

ابھی وہ گھر سے زیادہ دور نہ گئے تھے کہ نیاڈیو کو سر پر ایک عقاب نظر آیا جو پنجوں میں گوشت کا بڑا سا ٹکڑا دبائے جا رہا تھا۔ عقاب بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا یوں کہ وہ کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھا جہاں بیٹھ کر بہ آرام کھا سکے۔ نیاڈیو نے اوپر دیکھ کر ایک چھوٹی سی پھینک ماری۔ چھوٹی گوشت کی بوٹی اور وہ نیچے گر گیا۔ وہ کلیجی کا خاصا بڑا حصہ تھا اور تازہ ہونے کی وجہ سے اس میں سے رس رہا تھا۔ نیاڈیو کلیجی کو پھینکنے ہی لگا تھا کہ اس نے ارادہ بدل دیا۔ کلیجی بس چھوٹی سی تھی اور عقاب سے اس کا ہونا یعنی کیا ضرور تھی؟ کلیجی دیکھنے میں اچھی لگتی تھی۔ وہ بچے سامنے کھڑی لے کر آیا تھا۔ کلیجی کے ملنے سے کھانے کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔ اس نے کلیجی ایک پتے میں لپیٹ کر اپنی جیب میں ڈال لی۔

Scanned with CamScanner

وہ ایک ایسی جگہ جا پہنچا جہاں بہت سی گھاس تھی۔ تیکا یو نے گایوں کو چرنے چھوڑ دیا اور خود وہیں کے ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ ابھی دوپہر کے کھانے کا وقت نہیں ہوا تھا مگر تیکا یو سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔ کلیجی کو چکھنے کی خواہش اس کے اندر بھڑک اٹھی تھی۔ اس نے کلیجی نکال اور اوپر سے پیڑ تلے لکڑیوں کی آگ جلا کر بھونی۔ جب کلیجی بھن گئی تو وہ اسے مزیدوں کی طرح جوار کی روٹی سے کھا گیا جو اس کی بیوی نے رات پکائی تھی۔

واہ جی واہ! کیسا مزیدار گوشت ہے، تیکا یو نے بے اختیار کہا۔ انگلیوں پر لگی گاڑھی چکنائی کو چاٹتے ہوئے اس کا جی چاہا کہ کاش تھوڑی سی کلیجی کھانے کو اور مل جاتی۔ اس نے باقی ماندہ کھانا، جو کڑوی کسیلی جڑی بوٹیوں پر مشتمل تھا، اٹھا کر پھینک دیا۔ کلیجی اس قدر لذیذ تھی کہ جڑی بوٹیاں کھانے سے سارا مزہ کرکرا ہو جاتا۔

دھوپ بہت تیز ہو چکی تھی مگر گائیں دریا کنارے جا کر بیریں کھانے کی طرف مائل نظر آتی تھیں۔ وہ ایک ایک کر کے ادھر ادھر چھاؤں میں لیٹ کر جگالی کرنے لگیں۔ تیکا یو پر بھی سہ پہر کی تمازت غالب آ گئی۔ وہ پیڑ کے تنے سے ٹیک لگا کر سو گیا۔

سوتے میں تیکا یو نے خواب دیکھا کہ وہ لکڑیوں کی آگ جلائے کلیجی کا ایسا ہی بڑا ٹکڑا جیسا تھوڑی دیر پہلے کھایا تھا، بیٹھا بھون رہا ہے۔ بھنتے ہوئے اس سے کیسی چربی ٹپ ٹپ آگ میں گرتی دیکھ کر اس کے منہ میں پانی آ گیا۔ اس سے صبر نہ ہو سکا۔ اس نے کلیجی کے پوری طرح بھننے کا انتظار بھی نہ کیا، اسے پہلے ہی آگ پر سے اتار لیا۔ شتاری پا تو سے کلیجی کے ٹکڑے کیے۔ لیکن ابھی وہ پہلا لقمہ منہ میں رکھنے ہی والا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔

تیکا یو نے حیران ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی کہ کلیجی آخر گئی کہاں؟ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا تھا؟ نہیں، نہیں، اس نے زور سے کہا۔ خواب تو صاف اور روشن کب ہوتا ہے۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور ایک بار پھر اس امید میں ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ شاید کرامتی طور پر کہیں آس پاس لکڑیوں کی آگ پر کلیجی کا ٹکڑا بھنتا نظر آ جائے۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ اسے اس سال خود وہ درخت کی بڑی بڑی جڑیں دکھائی دیں جو زمین سے اس طرح ابھری ہوئی تھیں جیسے دلدل مٹی میں شکر قندیاں دبی ہوں۔

گائیں بھٹک بھٹک کر بہت دور نکل گئی تھیں۔ تیکا یو تھا اور ان کے پیچھے چل پڑا۔ چلتے چلتے دریا کا کنارہ آ گیا اور پیاس کی ماری گائیں دریا کی طرف دوڑیں۔ جتنی دیر گائیں پانی پیتی رہیں، تیکا یو ایک سفید پتھر پر بیٹھا پاؤں ٹھنڈے کرتا رہا اور الگ سے ہوئے انداز میں بیاب بہتے دریا کو دیکھا کیا جو زور شور سے میدان کی طرف رواں دواں تھا۔

دریا کے پرے بڑا جھاڑی جنگل بھوت کی دنیا تھی۔ پر لذت گوشت کھانے کی شدید آرزو تیکا یو پر دوبارہ غالب آ گئی اور اس نے دبی زبان سے کہا: جس جانور کی مزے دار کلیجی میں نے کھائی تھی وہ ضرور اسی جنگل میں ہوگا۔ وہ کچھ دیر وہاں بیٹھا سوچتا رہا۔ اس جانور کا شکار کھیلنے کی ہوس اسے ستا رہی تھی۔ لیکن

Scanned with CamScanner

اس نے اپنے سوتے پرندے کو پا لیا۔ سہ پہر خاصی ڈھل چکی تھی اور وہ گھر سے بہت دور تھا۔

اگلی صبح تیکایو معمول کے وقت سے پہلے ہی گھر سے نکل پڑا۔ بیوی نے منت کی کہ دوپہر کا کھانا تیار ہونے کا انتظار تو کر لو، مگر اس نے ایک نہ سنی۔ شکار کھیلنے کے برچھے اٹھائے اور بیاباں چلا گیا۔

تیکایو نے گایوں کے لیے گھاس چرنے کا مسئلہ حل کر دیا۔ وہ سبھی کو ہانکتا ہوا لے چلا اور اگر کوئی گائے تھک کر رکتی تو اسے مارتے تھے۔ وہ مجھے سمیت ان کے سارے چراگاہ پہنچا اور وہاں گایوں کو اکیلا چھوڑ دیا کہ جہاں جی چاہے چرتی پھریں۔

اسے کوئی [illegible] ان میں باقی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ سارے کا سارا صبح سویرے ان [illegible] میں [illegible] ہوا زمین اور [illegible] گھاس کا شمار تھا۔ اور [illegible] پرندوں کی آوازوں سے [illegible] پر عجیب سماں چھایا ہوا تھا جس سے تیکایو پر [illegible] طاری ہو گئی۔ لیکن [illegible] اور حواس [illegible] ہو لی تھی اور وہ [illegible] لمبی گھاس میں اندھا دھند بھاگتی گئی۔

کچھ دیر تک چلنے کے بعد وہ رکا اور کان لگا کر سننے لگا۔ کوئی چیز اس کی طرف دوڑتی آ رہی تھی۔ اس سے [illegible] ابھی وہ [illegible] سپاہی* سے دشمن کی طرف دوڑ چلا آ رہا تھا۔ تیکایو کے دل میں [illegible] تیزی سے [illegible] اٹھا [illegible] برچھا تان لیا۔ لیکن برچھا پھینکنے کی نوبت نہ آئی۔ ایک زخمی تیندوی، جو سپاہی کا پیچھا کر رہی تھی، اس کے عین سامنے آ گئی۔ تیندوی [illegible] تیکایو [illegible] جیسے [illegible] کرنے کے لیے [illegible] لیکن تیکایو نے آنکھ چرا لی۔ برچھا [illegible] اس نے دیکھا کوئی شکاری نہیں اور تیندوی شکار کے پیچھے چل دی۔

لیکن [illegible] تیکایو نے [illegible] کہ شیر [illegible] آواز میں کہا۔

تجھی بلی اب میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔

وہ [illegible] ٹانگ [illegible] الٹے پاؤں میدان کی طرف چل دیا۔ تیندوی کو دیکھ کر اس کا دم سوکھ گیا تھا۔

[illegible] ذرا دکھائی دی جو جنگل سے باہر جا رہی تھی۔ وہ ذرا سا جھجکا اور پھر اس نے فیصلہ کیا [illegible] پر چڑھ جائے۔ راستہ تیز ہونا شروع ہوا اور تیز ہوتا چلا گیا اور پھر اس سے پہلے کہ تیکایو کوئی [illegible]، وہاں سے [illegible]** کا ایک [illegible] اچانک سامنے آ گیا جو ایک پہاڑی سے دامن میں [illegible] رہا تھا۔ تیکایو نے بغیر کسی وقت کے اسے مار ڈالا۔ اس نے [illegible] سے [illegible] ٹانگیں لی اور سر دھڑ میں پڑا رہنے دیا۔

---

* [illegible] شے کا حصہ [illegible] وحشی [illegible]

** [illegible] کا [illegible] جنگلوں [illegible] وحشی [illegible]

وہ اپنے ٹھکانے کے پاس لوٹ آیا اور لکڑیوں کی آگ جلا کر کلیجی بھونے بیٹھ گیا۔ جب کلیجی بھن گئی تو اس نے چٹکی ماری اور جلدی جلدی چبانے لگا۔ لیکن لقمہ اس کے حلق سے نہ اترا۔ اس نے جتنا چبایا تھا سارے کا سارا تھوک دیا۔ کلیجی انسانی جڑی بوٹیوں جتنی کسیلی تھی جو قبض میں مبتلا بچوں کو دی جاتی ہیں۔ تیکایو کو ایسے لگا جیسے اس کی جیبھ کا اگلا حصہ جل گیا ہو۔ اس نے باقی کلیجی پھینک دی اور گایوں کو لے کر گھر چلا گیا۔

تھکا ہارا اور مایوس وہ گھر پہنچا اور جب جوان بیوی نے کھانا لا کے آگے رکھا تو اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔ بہانہ یہ بنایا کہ پیٹ میں درد ہے اور کھانے کو دل نہیں چاہتا۔ اس رات تیکایو بہت پژمردہ تھا۔ اس کی طبیعت جوان بیوی کی طرف بھی راغب نہیں ہوئی جو ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ صبح کو جوان بیوی دل شکستہ ہو کر اپنے جھونپڑے کو لوٹ گئی۔ وہ حیران تھی کہ اس کا دولہا اس کی طرف ملتفت کیوں نہیں ہوا۔

جب تیکایو نے اپنے دروازے سے جھانکا تو باقی سب جھونپڑوں کے دروازے بھی بند پڑے تھے۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا اور وہ جلدی سے دوبارہ دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا۔

دن اور ہو چلی تھی اور پرندے ڈکار رہے تھے۔ لیکن بارش اتنی موسلادھار تھی کہ تیکایو دودھ دوہنا شروع نہ کر سکا تھا۔ وہ اپنے سخت بستر پر بیٹھا اولے اور ٹھنڈی راکھ کو دیکھتا رہا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ پھر سے شکار کھیلنے نکل جائے۔

بارش تھمی تو تیکایو نے جلدی جلدی گایوں کو دوہا۔ جھونپڑے کے پاس دودھ کا کٹورا اندر رکھ دیا گیا تھا۔ اس نے کھانا۔ شاید اور گاؤں سے نکل گیا۔ جس بیوی کا رات اس نے دل توڑا تھا وہ اسے دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ گاؤں کے بڑے دروازے سے گزر کر اوجھل ہو گیا۔

جونہی وہ جنگل پہنچا تو بوندا باندی دوبارہ شروع ہو گئی۔ جنگل اس قدر اجاڑ اور ویران معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے حسب معمول گایوں کو چرنے چھوڑا اور جھاڑیوں میں قدم رکھا۔ وہ ٹپ ٹپ کرتے پتوں میں دبے پاؤں چلتا گیا۔ جنگل سے زیادہ گھنیان تھے منہ دور رہنے کے لیے بائیں طرف مڑا۔ ہت یاور تھی۔ اسے ہرن کا ایک گلہ چرتا ہوا نظر آیا۔ جو اس سے زیادہ دور نہیں تھے۔ تیکایو گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا آگے بڑھا یہاں تک کہ ان کے بالکل پاس جا پہنچا۔ پھر اس نے برچھا پھینک کر مارا اور ایک جوان ہرن کو زمین پر گرا دیا۔ کھال کھینچنے کے بعد اس نے کلیجی نکال لی اور گوشت کے چند عمدہ پارچے گھر والوں کے لیے کاٹ کر الگ کر لیے۔

جب وہ پیڑ کے نیچے کلیجی بھوننے بیٹھا تو اسے پورا یقین تھا کہ وہ کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن جب اس نے کلیجی چکھی تو منہ بنا کر رہ گیا۔ گوشت خستہ تھا لیکن اس میں وہ خاصیت نہ تھی جس کی اسے تلاش تھی۔

وہ دریا کے کنارے جا پہنچا۔ پانی پینے کے بعد گایوں نے چرنے کا شغل جاری رکھا اور تیکایو جھومتی

Scanned with CamScanner

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جھونپڑے میں قدم رکھا تو ایک عورت چھوٹے چھوٹے تندے اردا میں ڈال رہی تھی۔

اس نے رفتگاں کی روح سے بار بار چوری چھپے دعا کی تھی لیکن بدا سرار کلیجی کھانے کی تمنا کبھی اس کے دل سے دور نہ ہو سکی۔ روزانہ صبح سویرے وہ اپنی گائیوں کو ساتھ لے کر گھر سے نکل جاتا۔ اور جنگل کے پاس پہنچ کر انہیں اکیلا چھوڑ دیتا اور پرندوں کے شکار کھیلنے لگتا۔ جو پُر صعوبت اور پیاس انگیز زندگی تیکایو گزار رہا تھا وہ جلد ہی اس کے اہل خانہ پر واضح ہو گئی۔ وہ یکایک بوڑھا ہو گیا۔ اسے زندگی سے دلچسپی نہ رہی۔ رات کے وقت جب وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ الاؤ کے گرد بیٹھتا تو ان کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ ہوتا۔ اسے اپنی بیویوں کی طلب نہ رہی۔ تیکایو کے بیٹے رینچی کے پاس گئے اور کہنے لگے: 'ماں، باپ سے بات تو کرو۔ وہ بیمار ہیں۔ نہ ہم سے ہنستے بولتے ہیں نہ کچھ کہتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی توجہ کیسے حاصل کی جائے۔'

اگرچہ رینچی عمر کے اس حصے میں تھی جب عورت پوچھنے کے قابل نہیں رہتی اور اس نے رات کو تیکایو کے جھونپڑے میں جانا چھوڑ دیا تھا، لیکن وہ اس کی پہلی بیوی تھی اور تیکایو کو اس سے محبت تھی۔ لہٰذا وہ اس کے پاس گئی اور پوچھنے لگی: 'میرے میاں، تمہیں کیا تکلیف ہے؟' تیکایو نے رینچی کی صراحی دار گردن پر نظر ڈالی اور اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے پوچھنے لگا: 'تو پیتل کے ان ورقی کڑوں سے چھٹکارا پانا پسند کرے گی جو تیری گردن میں پڑے ہیں؟'

'کیوں؟' رینچی نے کسی قدر متعجب ہو کر کہا۔

'کیوں کہ یہ تجھے تنگ معلوم ہوتے ہیں۔'

'لیکن یہ تنگ تو نہیں ہیں،' رینچی آہستہ سے بولی۔ 'ان کے بغیر مجھے یوں لگے گا جیسے ننگی ہو گئی ہوں۔'

اور تیکایو اپنی بیوی سے نظر بچا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ رینچی کو سب کچھ بتا دے اور اس پاگل کر دینے والی خواہش کا بھید کھول دے جو اس کے تن بدن کے اندر سڑ رہی تھی۔ لیکن اس نے خود کو روک لیا۔ رینچی عمر رسیدہ اور تجربہ کار سہی، پھر بھی وہ بات کو سمجھ نہ پاتی۔ چنانچہ اس نے رینچی سے جھوٹ بولا۔

'مجھے پرانا عارضہ ہے بدہضمی کا۔ پچھلے کئی ہفتوں سے تکلیف میں مبتلا ہوں۔ جلد ہی ٹھیک ہو جاؤں گا۔'

رینچی کے ہونٹوں پر تمسخر آمیز مسکراہٹ کھیلنے لگی اور تیکایو سمجھ گیا کہ وہ قائل نہیں ہوئی۔ [illegible] طاقاتی [illegible] اور رینچی شوہر کے پاس سے اٹھ گئی۔

تیکایو مہینوں شکار کھیلتا رہا لیکن اس پرندے کو تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا جس کی مادہ کی کلیجی اس نے کھائی تھی۔

ایک رات جب اس کی آنکھ نہ لگی تو اٹھ بیٹھا۔ اس نے اپنے آپ سے پوچھا کہ وہ کہاں جا کر

Scanned with CamScanner

شکار کھیلے۔ اور وہ جانور کون سا ہے جو اسے تلاش کرنا ہوگا؟ وہ بہت پہلے ہی تمام جانوروں کو مار چکا تھا۔ اس نے یہاں پر کھیل کر شیر، سور، گینڈے اور ہرن کا شکار کیا تھا اور ان کی کلیجی کھا لی تھی۔ اور یہ تمام جانور اس کے قبیلے پر حرام تھے۔

تیناپو کی آنکھیں مل رہی تھیں۔ جب اس کی جھپکی آئی تو اس نے شکر کیا۔ لیکن تب آتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور پکارنے لگی: دادا جان، دادا جان، میں آئی ہوں۔ تیناپو اٹھ کر بیٹھ گیا لیکن چھوٹی بچی وہاں نہیں تھی۔ وہ دوبارہ سو گیا۔ اور آتی آ موجود ہوئی اور پکار کر بولی:

آپ کو میری آواز سنائی نہیں دے رہی، دادا جان؟

تیناپو دوبارہ جاگ گیا۔ لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے لیٹا رہا۔ بچی کی انگلیاں پھر سے اس کے سر کو گدگدانے لگیں۔ تیناپو تیسری بار اٹھا اور کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ لیکن وہ اکیلا تھا۔ مرغ نے تیسری بار اذان دی اور صبح ہو لی۔

اور لاپچی اپنے شوہر کے راز سے آشنا ہوئے بغیر ہی فوت ہو گئی اور پہلی بیوی ہونے کے ناتے اسے گاؤں کے بالکل بیچ میں دفن کیا گیا۔ تیناپو ایک مدت تک صبح شام اپنی بیوی کی قبر کے پاس بیٹھا رہا اور لاپچی کے غم میں روتا رہا۔ معلوم نہیں جانوروں کی کلیجی کی جو طاقت اسے ملی تھی وہ جاتی رہی۔ وہ روتا رہا مگر اس طرح جیسے اسے یقین آ گیا ہو، جیسے کلیجی کھانے کی طلب بیوی کے ساتھ ہی دفن ہو چکی ہو۔

سوگ کے تین دنوں میں تیناپو نے فیصلہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی شکار کھیلنے نہ جائے گا۔ وہ گھر بیٹھ کر اپنے ڈھیر سارے پوتے پوتیوں پر نظر رکھتا اور جب ان کے ماں باپ دور دراز کے کھیتوں میں کام کاج کرتے۔

اور پھر ایک دن تیناپو صبح صبح کھیتوں کے پاس بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا۔ ادھیڑ سے کھلیان میں جمع اناج میں جو کھوئے پھوٹ رہے تھے ان کی بو سے اس کی طبیعت مالش کرنے لگی۔ بچے پوتے پوتیوں کو شور وغل مچاتے اور گیت گاتے سنا تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ انہیں کھیلتے ہوئے دیکھ کر اس نے سوچا --- کیا دنیا کا کوئی جانور ایسا بھی ہے جس کی کلیجی اس نے نہ چکھی ہو؟ وہ بڑی مشکل سے ٹھیک ٹھاک آئی۔ اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔

ان بچوں میں جو وہاں کھیل رہے تھے، آتی نام کی ایک چھوٹی سی خوبصورت بچی بھی تھی۔ وہ تیناپو کے سب سے چھوٹے بیٹے کی بیٹی تھی۔ تیناپو نے بچوں سے کہا کہ وہ کہیں اور جا کر کھیلیں اور جب وہ وہاں سے چلے گئے تو اس نے آتی کو آواز دی اور کہا: چلو، میری بچی، ہم جنگل کے بیچ والے جھونپڑے میں چلیں اور مجھے وہاں سے تھوڑا سا پانی لے آؤ۔

آتی پانی لینے جنگل سے جھونپڑے تک گئی۔ تب وہ گھر سے ایک ادھیڑ سے کونے میں دوڑتی ہوئی گئی تو اس نے دیکھا کہ تیناپو بڑی تیزی سے اس کے پیچھے پیچھے اندر گھس آیا ہے۔ اس نے بچی کی گردن پر دو ہاتھ رکھ دیے، ہاتھوں کی گرفت محسوس کی۔ بچی کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ تیناپو نے

Scanned with CamScanner

ہاتھوں سے پھسل گیا اور دھم سے فرش پر جا گرا۔ اپنے قدموں میں پڑی لاش کو دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے اس کا جی متلا رہا ہو، جیسے وہ غش کھانے والا ہو۔ اس کے کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ اس نے لاش اٹھائی اور جب وہ اسے اٹھا کر لڑکھڑاتا ہوا باہر آیا تو فضا تاریک معلوم ہو رہی تھی اور ہوا میں اڑنے والے پرندے گوشت بھرے منقار میں اس پر چہکار رہے تھے۔ لیکن تیکایو کو تو اپنا پیٹ بھرنا تھا۔ اس نے قریب میں واقع ایک دیمک ٹیلے میں کھلا سا گڑھا کھود کر آپٹی کو توپ دیا۔

جب تیکایو قصبے میں کلیجی لے کر واپس آیا تو باقی بچے ابھی میدان ہی میں کھیل رہے تھے۔ اس نے جھونپڑے میں بیٹھ کر کلیجی کو جھٹ پٹ بھونا اور ندیدوں کی طرح کھالی۔ اور افسوس! یہی وہ شے تھی جس کی اسے کتنے برسوں سے تلاش تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے انداز میں کھلیان سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور ڈکار لے کر دانتوں میں خلال کرنے لگا۔ گاؤں کے بچے، کھلے میدان سے کھیل کود کر لوٹے تو چھپروں میں بیٹھ کر شکرقندیاں کھانے اور چھاچھ پینے میں مصروف ہو گئے۔

بڑی عمر کے لوگ شام پڑے واپس آئے اور بچے اپنے والدین سے ملنے دوڑے۔ لیکن آپٹی ان کے درمیان موجود نہ تھی۔ بہت ہی بوکھلا کر انھوں نے دوسرے بچوں سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ لیکن تیکایو نے جواب دیا: "بچوں سے پوچھو۔ انھیں پتا ہونا چاہیے کہ آپٹی کہاں گئی۔ یہ سب مل جل کر میدانوں میں کھیلتے پھر رہے تھے۔"

اس وقت تک اندھیرا گھپ ہو چکا تھا۔ آپٹی کے چھوٹے بھائی بہن ابو کے سامنے بیٹھ کر اپنی ماں کے ساتھ رونے دھونے لگے۔ تب انھیں یاد آیا کہ والدہ نے آپٹی کو پانی لا کر دینے کے لیے بلایا تھا۔ گھر والوں نے یہ اطلاع بڑے میاں کے سامنے دہرائی اور پوچھا کہ کیا آپٹی نے صبح سے پانی لا کر دیا تھا۔

"دیا تھا،" تیکایو بولا، "اور پھر بھاگ کر ادھر چلی گئی تھی جدھر باقی بچے گئے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھا۔ جب بچے واپس آئے تو میں سو رہا تھا۔"

غم سے نڈھال گھر والے سر پکڑ کر ابو کے پاس بیٹھ گئے۔ نہ انھوں نے کچھ کھایا نہ پیا۔ باہر چھوٹے چھوٹے جھینگر یوں بول رہے تھے جیسے کوئی غمگین کہانی سنا رہے ہوں۔ تیکایو کو لگا کہ وہ معمول سے زیادہ بلند آواز میں جھنکار رہے ہیں۔

آپٹی کے ماں باپ بہت دن تک بچی کو ڈھونڈتے رہے۔ انھوں نے چپہ چپہ چھان مارا۔ لیکن اس کا کہیں سراغ نہ ملا۔ وہ غائب ہو گئی تھی۔ مہینے گزر گئے اور لوگوں نے آپٹی کی گمشدگی کا ذکر کرنا بھی چھوڑ دیا۔ صرف ماں کو آپٹی یاد آتی رہتی تھی۔ وہ ابھی تک پر امید تھی کہ کبھی نہ کبھی ایک دن بچی اسے زندہ سلامت مل جائے گی۔

تیکایو کو یاد تھا کہ اس سے کیا حرکت سرزد ہوئی تھی۔ اور جب اس نے اپنی وحشیانہ اشتہا کی تسکین کے لیے ایک اور بچے کی جان لی تو اسے احساس تک نہ ہوا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ جب پریشان والدین

Scanned with CamScanner

نے بچے کے بارے میں تیکایو سے پوچھا تو وہ رو کر کہنے لگا: مجھے کیسے پتہ ہو سکتا ہے؟ بچے تو اِدھر باہر میدانوں میں کھیلتے پھر رہے ہیں۔ میں گھر بیٹھا رہتا ہوں۔

اس سانحے کے بعد تیکایو کے بیٹوں نے آپس میں بات کی: ہمارے بچے کون پکڑ کر لے جا رہا ہے؟ یہ کون سے جانور کا کام ہے؟ کیا یہ لکڑبگھے کی حرکت ہے؟ یا تیندوے کی؟ لیکن یہ جانور تو صرف رات کو شکار کرنے نکلتے ہیں۔ کہیں یہ کسی عقاب کی کارستانی تو نہیں کیونکہ وہ دن کے وقت شکار پکڑتا ہے؟ لیکن نہیں! عقاب ہوتا تو ابا کو نظر آ جاتا۔ وہ بچوں کی چیخوں کی آواز سن لیتے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد آگندا نے اپنے بھائیوں سے کہا: شاید یہ کوئی موذی جانور ہے جسے بد روحوں نے ہم پر مسلط کر دیا ہے۔

پھر تو میرے ابا اتنے بوڑھے ہو گئے ہیں کہ بچوں کی نگہبانی نہیں کر سکتے۔ دوسرا بول اٹھا۔ ہاں، ابا بہت ضعیف ہو گئے ہیں۔ ان کی جان بھی خطرے میں ہے۔ باقیوں نے اتفاق کیا۔

اور اس وقت کے بعد سے بیٹے پوشیدہ طور پر اپنے باپ اور بچوں پر نظر رکھنے لگے۔ وہ کئی مہینے تک نگرانی کرتے رہے لیکن بڑے میاں اور بچوں پر کوئی آفت نہ آئی۔

بیٹے اس چوکی پہرے کو تقریباً ترک ہی کرنے والے تھے۔ لیکن ایک روز پہرہ دینے کی باری آبنی کے باپ کی تھی۔ اس نے دیکھا کہ تیکایو نے بچوں سے کہا کہ وہ جا کر دور کہیں کھلے میدان میں کھیلیں مگر ایک بچے کو روک لیا۔ تیکایو نے بچے سے کہا کہ جا کر اس کے جھونپڑے سے پائپ اٹھا لائے۔ جب بچہ دوڑ دوڑ جھونپڑے کی طرف گیا تو تیکایو اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس نے خوف زدہ بچے کو جا دبوچا اور اس طرف گھسیٹنے لگا جہاں الاؤ روشن کیا جاتا تھا۔ جب تیکایو بچے سے [illegible] تھا تو اس کی بوڑھی کمر پر بڑے زور کا گھونسا پڑا۔ بچے کی گردن کو دونوں ہاتھوں سے کسی طرح چھڑاتے چھڑاتے تیکایو نے مڑ کر دیکھا۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا، آگندا، سامنے کھڑا تھا۔ تیکایو نے ڈھیلے پڑتے ہاتھوں سے بچے سے خود کو چھڑا لیا اور آگندا کے گھٹنے پکڑ لیے۔ ابا! آگندا نے چیخ کر کہا۔

یہ دیکھ کر کہ بچے کو کوئی گزند نہیں پہنچی تھی، آگندا نے اسے پرے دھکیل دیا اور کہنے لگا: اپنی ماں کے جھونپڑے میں جا کر لیٹ جاؤ۔

پھر اس نے بوڑھے کو پکڑ لیا اور گھسیٹتا ہوا اس چھوٹے سے جھونپڑے کی طرف لے چلا جو بھیڑ بکریوں کے لیے مخصوص تھا اور جس میں کوئی کھڑکی نہ تھی۔ جب اسے گھسیٹ کر اندر لایا گیا تو بوڑھا زور زور سے چلانے لگا: تیمو گھو؟ تیمو گھو؟ — میرا کیا قصور ہے؟ میرا کیا قصور ہے؟

آگندا نے بوڑھے کو چھوٹے جھونپڑے میں دھکیل کر باہر سے دروازے کو اس طرح زنجیر کر دیا جیسے کوئی جانور بند کیا گیا ہو۔ وہ بچے کے پاس چلا گیا جو اب تک سسکیاں بھر رہا تھا۔

تمام دن باقی لوگ کھیتوں میدانوں سے لوٹ کر آ رہے اور جب آگندا نے یہ خبر انھیں سنائی تو وہ دہشت زدہ ہو گئے۔ اس تمام دن کے باقی [illegible] پر دکھ طاری رہا۔

Scanned with CamScanner

شو! شو! انھوں نے سورج کی طرف منہ کر کے تھوکا جو ان کے لیے غروب لیکن ان کے اجداد کے لیے طلوع ہونے والا تھا۔

اے ہمارے پرکھو، ہمیں پاک کر دو! ان سب نے پکار کر کہا۔

اور پھر انھوں نے بہت بڑا الاؤ جلایا۔ گاؤں میں اتنا زبردست الاؤ پہلے کبھی روشن نہ کیا گیا تھا۔ تیکابو کا سب سے بڑا بیٹا باپ کے جھونپڑے سے وہ بڑا، چربی سے چکنا ڈھول نکال لایا جو الاؤ کے اوپر لٹکا رہتا تھا اور اسے بجانے لگا۔ دھم دھم بجتے ڈھول کی گونج نے دوسرے قبیلے کو خبردار کر دیا کہ تیکابو کے ہاں کوئی افسوس ناک واقعہ پیش آیا ہے۔ ڈھول بجتا سن کے لوگ اپنے سب کام کاج چھوڑ کر تیکابو کے گاؤں کی طرف دوڑ پڑے۔ ڈھول کی آواز ان کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے گاؤں میں رشتہ داروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے جن کے چہروں سے پریشانی عیاں تھی۔

کیا خبر ہے؟ کیا ہوا ہے؟ یہ پوچھتے ہوئے ان کی آوازیں کانپ رہی تھیں

اور تیکابو کہاں ہے؟ ایک اور بوڑھے آدمی نے دریافت کیا۔

اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ کسی اور نے پوچھا۔

وہاں ابتری اور سراسیمگی کا عالم تھا۔

"موت کی موت، موت کی دوا ہمیں کون لا کے دے گا؟ موت تمھارے دروازے پر دستک دیتی ہے اور تمھاری طرف سے اندر آنے کی اجازت ملنے سے پہلے ہی گھر میں آ دھمکتی ہے۔

سنو، کسی نے اس بڑھیا کو چھو کر کہا جو موت کے بارے میں آہ و زاری کر رہی تھی۔ تیکابو نے لوگوں سے خطاب کیا۔

اے میرے قبیلے کے لوگو! ہم نے تمھیں یہاں خواہ مخواہ نہیں بلایا۔ جو میں کہتا ہوں سنو اور ہمارے غم میں شریک ہو۔ ہمارے ساتھ مل کر رو۔ کئی مہینے ایسا ہوتا رہا کہ ہم تو باہر کھیتوں میدانوں میں اپنا کام کاج کرتے اور ادھر ہماری عدم موجودگی میں ہمارے بچے غائب ہو جاتے۔ سب سے پہلے میری اپنی بچی گم ہوئی۔ بچوں کے نام سن کر عورتوں کے درمیان سے سسکیوں کی آواز آنے لگی۔

اے میرے لوگو! آگے سنو بات جاری رکھی۔ اس قبیلے کے بچے بیمار ہو کر مرتے ہیں۔ لیکن ہمارے بچے ایسے غائب ہوئے کہ ان کو دفنانے کی نوبت تک نہ آئی۔ ہم نے سوچا کہ بچوں پر پہرہ دیا جائے تاکہ جو کوئی بھی ہمارے بچے غائب کرنے آتا ہے پکڑا جائے۔ کئی مہینے ہم باری باری پہرہ دیتے رہے۔ ہم اس نگرانی کو تقریباً ختم کرنے ہی والے تھے کیوں کہ ہمارا خیال تھا کہ شاید ہم پر ہمارے آبا و اجداد کی طرف سے عذاب نازل ہوا ہے۔ لیکن آج میں نے اسے پکڑ لیا۔

کون ہے وہ؟ کون ہے وہ؟ لوگوں نے غصے میں آ کر معلوم کرنا چاہا۔

اور اس کا کس قبیلے سے تعلق ہے؟ دوسروں نے پوچھا۔

ہمیں لازمی طور پر اس قبیلے کے خلاف اعلان جنگ کر دینا چاہیے۔ یہ ہم پر فرض ہو گیا۔ فرض ہو

Scanned with CamScanner

گیا۔"

"شہزادے نے ذرا رکا اور پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں ہمیں بتایا: وہ آدمی اس چھوٹے جھونپڑے میں ہے۔ اور وہ کوئی اور نہیں میرا ہی باپ ہے۔"

سارے مرد، عورتیں چیخ اٹھیں۔ وہ حکم دیں ہوئی اور عورتیں اور بچے اس طرف چیخے جیسے تیبایو ان کے پاس موجود ہو اور انھیں اس سے ڈر لگ رہا ہو۔ لیکن وہ خاموش رہے۔

جب یہ کہانی ختم ہوئی تو ایک بوڑھے نے پوچھا "کیا تم سچ کہہ رہے ہو میاں؟"

بیٹے نے سر ہلایا۔ سب مرد و عورت چلا چلا کر کہنے لگے: کہاں ہے وہ آدمی؟ مار ڈالو، اسے مار ڈالو۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ وہ جانور ہے۔

باہر کہی جانے والی کوئی بات بھی ایسی نہ تھی جو تیبایو کو سنائی نہ دی ہو۔ اور جھونپڑے میں وہ بچے ... سے ... کیا تھا اس کے اوسان پر سوار رہے۔ وہ جھونپڑے کی کھردری دیوار پر سر ٹکا کر لیٹ گیا اور رو پڑا۔

جھونپڑے کے باہر گاؤں والوں نے، جنہیں غصہ چڑھا ہوا تھا، اپنا مطالبہ جاری رکھا۔ وہ چیخ رہے تھے: اسی وقت سنگسار کر دو اسے۔ اسی وقت سنگسار کر دو اسے۔ اس نے خود اپنی ہلاکت کا سامان کیا ہے۔

لیکن بڑے بوڑھوں میں سے ایک آدمی اٹھا اور اس نے لوگوں کا جوش ٹھنڈا کیا۔ "ہم اسے اس وقت سنگسار نہیں کر سکتے۔ قبیلے کا دستور ہے کہ جو آدمی سورج ڈھلنے کے بعد ... ہو اسے اگلی صبح گاؤں کے باہر سنگسار کیا جاتا ہے۔ ہم اس دستور سے روگردانی نہیں کر سکتے۔"

"مجھے اسی وقت سنگسار کر دو، مجھے اسی وقت سنگسار کر دو۔" تیبایو نے سرگوشی کی۔ "مجھے جلدی سے اس عذاب اور شرمساری سے نجات دلاؤ۔ مجھے مر جانے دو تاکہ میری ذلت ختم ہو۔"

... کی خستگی ہوا اور خوف زدہ عورتوں اور بچوں کی سہمی ہوئی سسکیاں سن کر تیبایو سمجھ گیا کہ معاشرہ اسے دھتکار چکا ہے ... اس ... سے ... کا آس کی بجھ چکا ہے۔ اس نے بےاختیاری ... تلاش کرنے کے لیے کمرے میں کسی دھوتی کی تھیلی کو ٹٹولا۔ لیکن یہ تو تھیلی تھی ... تھا۔ چاقو اس سے چھین لیا گیا تھا۔ باہر لوگ ... شور کرتے اور بڑبڑاتے رہے۔ رونے دھونے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ تیبایو اب یہ سب کچھ بہت فاصلے سے سن رہا تھا جیسے کوئی ... اسے لوگوں سے دور بہت دور لیے جا رہی ہو۔

جب صبح گاؤں والے اس کے پاس پہنچے تو ... میں جا کر ... گئے تھے ... صاف دکھائی دے رہا تھا۔ قبیلے کے ہر آدمی پر ... کی موت کا ... ہو رہا تھا ... یہ دیکھا جاتا تھا کہ اگر کوئی شخص قاتل کی حیثیت ... نہیں ہے کا ... جائے گی۔

جب سورج کی پہلی کرنیں نمودار ہوئیں تو گاؤں والے اتنے پتھر اکٹھے کر چکے تھے کہ ان کے نیچے کئی جسم دب سکتے تھے۔ وہ گاؤں واپس آئے تاکہ تیبایو کو جھونپڑے سے نکالیں اور گاؤں کے باہر خودرو سے باغ کی طرف لے چلیں۔ وہ جھونپڑے کے چاروں طرف جمع ہو کر خاموش کھڑے ہو گئے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ تیبایو باہر آئے تو اس پر آوازے کسیں اور ٹھوکیں۔

گندارو۔ تین دوسرے بوڑھوں نے رسیوں کا بنا ہوا دروازہ دھڑکے سے کھول دیا اور تیبایو کو باہر نکلنے کو کہا۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ وہ لپک کر جھونپڑے میں جا گھسے تاکہ اسے گھسیٹ کر لوگوں کے سامنے لے آئیں جو تقاضا کر رہے تھے: باہر نکل باہر نکل!

شروع میں تو اندھیرا اتنا تھا کہ کچھ نظر نہ آیا۔ لیکن جلد ہی ان کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں۔ تب انھوں نے دیکھا کہ تیبایو کی لاش ایک چھوٹی سی رسی سے لٹکی ہوئی ہے جو اس نے چھپر میں سے کھول لی تھی۔

وہ چاروں سر جھکائے ہوئے باہر آ گئے۔ گلے سے باری باری جھونپڑے میں جھانکا یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک نے تیبایو کا لٹکا ہوا جسم دیکھ لیا، اس آدمی کو دیکھ لیا جسے سنگسار کرنے کی وہ تیاری کر رہے تھے۔ کوئی بولا تک نہیں۔ انھیں پتہ تھا کہ اب اس شخص کو گاؤں کے باہر دفنانا پڑے گا۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ آئندہ کسی نوزائیدہ بچے کا نام تیبایو نہیں رکھا جائے گا۔

**

Scanned with CamScanner

جوناتھن ٹراٹگل

انگریزی سے ترجمہ: الطاف احمد سید

اسٹالن، اسٹالن اور اسٹالن

سٹالن کے (ہمشکل) نقلچیوں کی نسل کا پہلا اجتماع گریٹ ہال آف دی یونین کے جشن ہال میں جون ۱۹۵۳ میں منعقد ہوا۔ یہ ایک تاریخی موقع تھا۔ سنگ مرمر اور سونے کے ستون عشائیے کی میز کو گھیرے ہوئے تھے۔ برقی فانوس بڑی سے شمار روشنی برسا رہا تھا۔ طویل چمکدار میز سنہرے کناروں والے بلوری گلاسوں، کلف لگے چمچوں (جن پر ہتھوڑے اور درانتی کے مونوگرام بنے تھے) اور خوشنما چینی کی قابوں سے آراستہ تھی۔ ایک پوری دیوار کا احاطہ کیے ہوئے، ہمارے اوپر جھکتا ہوا، سٹالن کا رنگین سے قوی تصویر پورٹریٹ تھا۔

جون کہ سٹالن کی وفات کو صرف چند مہینے گزرے تھے، ہمارا ایک دوسرے سے کسی سماجی تقریب میں ملنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ ہم میں سے کچھ جو ملک کے زیادہ الگ تھلگ حصوں میں کام کر چکے تھے، اس سے پہلے کبھی اور سٹالن سے رو برو نہیں آئے تھے، اور کسی نسل کا یہ گمان رکھنا کہ دنیا میں اس جیسے (اصل سٹالن کے سوا) کوئی اور نہیں ہے، کچھ بہت غیر متوقع نہیں تھا۔

اس بات پر اصرار کرنا چاہیے کہ ہم ہر لحاظ سے ہو بہو ایک جیسے نہیں تھے۔ سٹالن کی شکل صرف مثالی پورٹریٹوں، حفاظتی فاصلے سے ہوئے فوٹو گرافوں اور کارٹونوں کے دھندلی نیوز فلموں سے پہچانی جاتی تھی، اس لیے کسی کو امید نہیں تھی کہ ایک اسٹالن گوشت پوست میں تصویری وجود کے بالکل مماثل ہو گا۔ اس کے علاوہ بھی، ہم میں سے کئی اس وقت تک اپنی مونچھیں صاف اور اپنے بالوں کا رنگ تبدیل کر چکے تھے۔ اس کی ایک سمت مثالی وجود موجود ہوتا (اسٹالن بیست و ششم؛ اصل نام وٹالی کیروف)، ا

والادی وستوک) تھی، جس نے اپنی مونچھیں اکھاڑدی تھیں اور بالوں کے بلونڈ پرم کا انتخاب کیا تھا۔ اب وہ صرف اپنے جبڑوں کی مخصوص چوکور ساخت اور آنکھوں کی سردمہری کی وجہ سے ایک سابق ہمشکل کے طور پر دشواری کے ساتھ شناخت کے قابل رہ گئی تھی۔

ابتدا عام گفتگو سے ہوئی۔ پھر ہم کچھ کھلے۔ ہم نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ کون سٹالن کے کس (عسکری، زرعی، تعمیراتی وغیرہ) بہروپ میں شامل تھا۔ خوش قسمتی سے یادداشت بڑھانے کی تکنیک کا کورس ہماری تربیت کا لازمی حصہ تھا۔ ایک ہمشکل کے لیے ضروری ہے کہ اسے معلوم ہو کہ اسے کس سے ہاتھ ملانا ہے، کسے سیلیوٹ کرنا ہے، کس کا دونوں گالوں پر بوسہ ہونا ہے، کس کے پاس سے نظر ڈالے بغیر گزر جانا ہے۔ اس لیے ہم بہ آسانی ناموں کو چہروں سے جوڑنے کے قابل تھے۔ چھوٹے چھوٹے دلچسپ واقعات سننے میں آتے رہے، جیسے اسٹالن یازدہم سے پنج سالہ پلان مکمل کرنے والے کسانوں کی ایک کانفرنس سے سلونوگراڈ میں غلطی سے خطاب کیا تھا جب سٹالن سوم اسی طرح کے ایک اجتماع کو اسی پلاننگ میں اپنی موجودگی سے سرفراز کر رہا تھا۔

اب ہمیں ساکی ن میز کے گرد اپنی نشستیں سنبھالنی تھیں۔ اس تقریب کے منتظم، سٹالن چہارم (اصل نام موشے سیگال، ازوتیسک) نے ایک مختصر تقریر کی۔ وہ، جیسا کہ پتا چلا، ہم میں سے واحد فرد تھا جو ابھی تک سابقہ خدمات پر بحال تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ وہ بستر مرگ کے مناظر کے لیے پوز کرنے میں مصروف رکھا گیا تھا، اور بادروطن کو بہیمیت پسندوں اور غداروں سے لاحق دائمی خطروں کے پیش نظر، اور صورت حال میں کہ جانشینی بالنکوف اور خروشچیف کے درمیان متنازعہ ہے، اسے پوری توقع تھی کہ نیم دھڑ مجسموں، ڈایوراموں اور اس طرح کی اور اشیا کی طلب آنے والے چند برسوں تک کم نہیں ہو گی۔ حالانکہ اس کے موجودہ کام کا (اس نے اعتراف کیا) زندہ رہنما کی جگہ کھڑے ہونے کی سنسنی خیزی سے مشکل ہی موازنہ کیا جا سکتا ہے، پھر بھی اس نے خود کو خدمت کے قابل گردانے جانے اور اپنا کام جاری رکھنے پر افتخار محسوس کیا۔ وہ پر یقین تھا کہ ہم سب اس کے جذبات میں شریک ہیں۔ (تالیاں۔) یہ تاریخ کی منطق تھی جس نے اسٹالن کو صف اول میں پہنچایا، اور یہ تاریخ کی منطق تھی جس کا تقاضا تھا کہ اسٹالن کو اپنے ہمشکل رکھنے چاہییں۔ (زیادہ تالیاں اور مشفقانہ اثبات کا شور۔)

ہم کھڑے ہو گئے۔ ووڈکا کا دور شروع ہوا جو کہ سربراہ بائیں طرف کو آگے بڑھائی گئی۔ گلاس بلند کیے گئے۔ کامریڈو! سٹالن کے نام پر! جام نوش کیا گیا اور پھر، بیک وقت، ہم نے گلاسوں کو اپنے شانوں کے اوپر اچھالا اور وہ دیواروں اور ستونوں سے ٹکرا کر چور چور ہو گئے اور فرش رنگین کرچیوں سے بھر گیا۔

اب ہم زیادہ پرسکون تھے۔ ہر ایک اپنی باری پر اپنا سب سے زیادہ ناقابل فراموش تجربہ بیان کیا۔ چند ایک سٹالن کی آواز (مالکوار کھردری جورجیائی ہو) بروئے کار لائے، جب کہ اوروں نے اپنی روزمرہ کی آواز کے استعمال کو ترجیح دی۔ بہرحال، کئی ہمشکل محض بصری تھے، جیسے اسٹالن سیزدہم (اصل نام رحیم محمدوف، ازبانو)، ایک سادہ لوح شخص جسے روسی زبان کے صرف چند الفاظ آتے تھے: ہیلو، کامریڈ،

Scanned with CamScanner

شہر یہ بڑی یادداشتیں بہت متاثر کن نہیں۔ اسٹالن نگر سے ایک ملٹری اسپتال کا لیبل گراؤڈ کے محاصرے کے بعد کی تباہی کے وقت دورہ کیا تھا، مگر سپاہیوں نے اسے دیکھ کر ٹلک بیتاب ہو کے لالہ رہے تھے؛ ان کی آنکھیں نم تھیں۔ اسٹالن جیست وبکم کر سو ویر کے اجتماعی فارم کے کنڈرگارٹن میں ایک بچے کو تھپتھپا رہا تھا کہ بچے نے مڑ کر اس کے ہاتھ کی انگشت شہادت اور انگوٹھے کے درمیان رہ جانے کو کاٹ لیا تھا۔ اسے ایسی چیخ دی کہ بڑی تھی کہ بہت زیادہ جوشیلے بڈی گارڈ بچے اور اس کے خاندان کو جیست وناود کر دیں۔ دوسروں نے بھی اسٹالن پر یادداشتیں ڈالی۔ چند لوگوں کو معلوم تھا، مثال کے طور پر، کہ پولٹ بیورو کا مئرس سے دارن دو بڑی پشت پر ایک تکلیف دہ پھوڑے کو ستا رہا تھا (اسٹالن ہمہ سے سہیں بھی تھا)، یا اسٹالن جیست وبکم کے مطابق اور کسی کسی اپنا ٹوتھ برش پھینکا جاتا تھا۔ چند اسٹالن ان واقعات کے سننے میں سنانے جانے کا غلط مطلب بیچتے نظر آئے۔ اسٹالن پارد سے برتی کے جنگلوں کے حسن کے بارے میں ایک چھوٹی سی نظم سنائی۔ اسٹالن سیمہ نے بتایا کہ وہ بڑی بیوی سے کتنی محبت کرتا ہے۔

یہ منظر سے یوسف وسار یونووچ ژدکا شوبلی کی مدح میں ایک نظم پڑھ کر سنائی۔ مزید جام نوش کیے گئے۔ پارٹی کے لیے! منصوبے کے لیے! فتح و شکست کے لیے! تاریخ کے لیے! کا ورد کیا گیا۔ نوجوانی شمپین نوش کرنے سے قلق کرتی رہی۔ سادہ تکشہیں عشق کا نشہ پر آیا اور ختم کیا گیا

آخر میں منظر کو شعروں سے عیاں کیا گیا کہ جو اصل میں جشن کے صرف ایک بار کے لیے سوچا گیا تھا، اب جب سے یہ اجتماع کامیابی حاصل ہوئی ہے، لیکن ہر اگلے سال، اس کے بعد کے سال، اور کئی سال ہمیشہ آتے رہیں گے (زوردار تالیاں-) "اسٹالن زندہ باد!

چند سالوں سے جو دور تک وہ حصور یوں سے تعلق رکھتے تھے، جہاں قیام کیا کہ کا اجلاس ہو سکو سے دو سو سال ہے۔ اس پر اتفاق کیا گیا۔ یہ کہاں؟ اسٹالن گراڈ پر، علامتی لحاظ سے ایک موزوں شہر کی حیثیت سے، بہت موزوں۔ اسٹالن اور اسٹالنو کے نام بھی تجویز کیے گئے۔ بہرحال تین مقامات جو سب سے زیادہ حمایت حاصل کرتے نظر آئے، وہ شہر تھے جو بعد میں برامسوف، وارنا اور دونیتسک کے نام سے جانے گئے مگر اس وقت ان کے نام بالترتیب اسٹالن، اسٹالن اور اسٹالن تھے۔ بہت غور و فکر کے بعد یہ قرار پایا کہ اگلے سال اسٹالن میں دوبارہ جمع ہوں گے۔

۱۹۵۴ کا جشن مختصر اور کسی حد تک سے گذشتہ سال کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں تھا۔ میزبانی کی شاندار تھی۔ اسٹالن کا ایک پلاسٹک کا مجسمہ سنٹرپیس کے طور پر خشک فوم اور کا سے زرد بھیوں سے ستہ پر سجایا گیا تھا۔ اس بار سارے مشکل شرکت کو نہیں آئے۔ بعضوں کے لیے سفر کا فاصلہ بہت تھا اور بعض کو بڑی مصروفیات پیش آ گئی تھیں۔ جو حاضر ہوئے، جہاں تک ان کا تعلق ہے، کچھ بحث ہوئی جو کے باعث اسٹالن سیم کے گال چونکا دینے والی حد تک پھول چکے تھے؛ اسٹالن بوردم کو دعا سمجھا گیا تھا اور کچھ وہ لباس میں تبدیلیوں کی وجہ سے، ان کی اصل سے مشابہت بہت زیادہ بڑھ

گئی تھی۔ مگر ایسی باتوں کی توقع ضرور رکھنی چاہیے تھی: اگر آج اسٹالن زندہ ہوتا تو وہ خود بھی بہت زیادہ اسٹالن کی طرح نہ ہوتا۔

حسبِ دستور جام نوش کیے گئے۔ پارٹی کے لیے! خروشچیف کے لیے! مالنکوف کے لیے! اسٹالن کے لیے! تاریخ کے لیے! لپ جش کا دیار کو مست سرہا گیا۔ سعید وائن خوش نما نازک گلاسوں میں انڈیلی گئی۔ خوش مزاجی کی تمام تر فضا کے باوجود اجتماع میں اس وقت تک گذشتہ سال کی سی ترنگ نہیں تھی --- ہنسی کی کامیابی کو دہرانے کی کوشش ہمیشہ غلط ثابت ہوتی ہے۔ پیمہ اسٹالن دوزوبمے (اصل نام سرگئی بدلی، ارسوسکو)، جو اس وقت بگرو سوسیل ڈویلپمنٹ سٹیٹوٹ میں ٹیلی فون آپریٹر کے طور پر کام کر رہا تھا، ایسی تحقیقات کے نتائج ظاہر کیے۔ اس نے بیان کیا کہ وہ اس مفروضے پر کام کر رہا ہے کہ اسٹالن واحد سیاست داں نہیں رہا ہوگا جس نے اپنے مثل رکھے۔ وہ دیگر عالمی رہنماؤں کے مماثل افراد سے رابطہ کرنے کی کوششوں میں مشغول تھا۔

ہم نے بند سانسیں تھام لیں، گھومنے والے دروازوں کی طرف نظر ڈالی۔ دو بشر، ہاتھوں میں گرنیڈ لیے، ڈیوٹی پر تعینات تھے۔ ہم نے تصور کیا کہ کسی بھی وقت چیبوں چرچل اور روزویلٹ یالٹا کانفرنس کو متعدد بار دہراتے ہوئے اندر داخل ہو سکتے ہیں، اور ممکن ہے کہ اس وقت بھی کئی لینن زندہ ہوں، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو چار جعلی زار ملکی سائبیریا سے مارچ کرتے ہوئے آ رہے ہوں۔

ہاں سے پہلے، تو جند لیے۔ اس نے افسوس کا اظہار کیا کہ اس کی پوری کوشش کے باوجود سے کسی بصری مماثل کی شہادت نہیں مل مگر --- وہ اس موقعے پر اس نے لاؤڈ سپیکر سسٹم کو، جو ٹیلی فون سوئچ بورڈ سے منسلک تھا، چلایا --- اس وقت اس کے پاس لائن پر سدن سے تار بیں جونز نامی ایک شخص تھا۔ جونز کی آواز زیادہ تر بلند اور صاف تھی، صرف کہیں کہیں دراڑ آ جاتی تھی اور اس کے ساتھ عجیب طرح کی ہلکی سی گونج آتی تھی۔ اس نے ہمارا روسی میں خیر مقدم کیا اور بتایا کہ وہ اپنے وقت میں ایک چرچل تھا یہ کوئی خاص کام نہیں تھا، خیال رہے، وہ صرف ورکیس پر اس کی تقریریں پڑھا کرتا تھا اور اصل وزیراعظم کے دیے ہوئے خطبات کو دوبارہ ریاستہائے متحدہ اور نو آبادیات کو نشریات کے لیے ریکارڈ کرایا کرتا تھا۔ ہمیں محظوظ کرنے کے لیے اس نے اپنے سدابہار پسندیدہ جملوں کا ایک انتخاب پیش کیا:
'Blood, toil tears and sweat' 'Some chicken Some neck' 'We shall fight on the beaches' اس کا جملہ 'An iron curtain has descended across the continent' شاید بالکل دوستانہ نہیں تھا، مگر ہم میں سے وہ کی ہو انگریزی سے ناواقف تھے، جونز کی کسی نقص سے عاری غراہٹ اور لکنت اور اس کی نقلی دانتوں سے تھوک نکلنے کی ماہرانہ نقل سے بہ طور پر متاثر ہوئے۔

اور امریکیوں کا کیا بنا؟ ہمارے ساتوں روزویلٹ نے ضرور سٹنٹ ویلوں کو اپنی زیادہ ہم معروفیت سے بیٹھنے کے لیے بھیجی ہوگا۔ مگر ظاہر ایسا نہیں ہوا کہ کوئی روزویلٹ ثانی سامنے نہیں

آیا۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ اسٹالن خشتہ (اصل نام بورس پالیف، اریکب) اسے مشورہ دی کہ اگر دوروبیٹ کا کوئی مسئلہ ہو تو صدر کو ۱۹۳۵ء میں ایسے ناسب ہوگئے پر سے دیا جاتا۔ جب تک جنگ کا اختتام نہ ہو جاتا، ان کا مسئلہ ان کا کردار ادا کر سکتا تھا۔

یہ بات ہم سب کے ذہن میں ایک ہی سوال اٹھاتا اسٹالن کو کیوں مرنا پڑا؟ بلاشبہ اس کمرے میں موجود لوگوں میں سے کوئی بھی پارٹی کے چیئرمین اور ملک کے رہنما کے طور پر قابل قبول متبادل پیش کر سکتا تھا۔ ہم مسئلہ کو آگے لے جا سکتے تھے۔ کیا اسٹالن کو مرنے کی واقعی ضرورت تھی؟ سے محفوظ نکالنے کے لیے مشکلوں کی نئی نسل منتخب کی جا سکتی تھی اور انہیں تربیت دی جا سکتی تھی۔

انگلستان سے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ قصہ ختم ہو چکی تھی۔ یہ ہم سب لوگوں کے لیے گھر واپس جانے کا وقت تھا۔

تیسرا حصہ: دسمبر ۱۹۵۵ میں اسٹالن (وہ اسٹالن نہیں جو گذشتہ سال کے اجلاس کا شہر تھا) میں مقامی پارٹی نے مرکز کے پاس ایک کمرے میں ہو۔ شاید اس کی تشبیہ بھی طرح نہیں کی گئی تھی یا ہوٹل روشن کی روشنیاں تھیں، صرف وہی جو پائیدار مسئلہ حل ہوئے اسٹالن کا نہیں، یہ وہ شخص تھا سے ویڈیو پر ایک جھگڑے میں لا کر۔ کسی اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ زیادہ دوستانہ اور زیادہ خوش تھا۔ جو ہم کی بار بھی ہے سے ایوارڈ لے لیے! اور تجیف کے لیے اسٹالن کے لیے! اتنے کے سینہ! - اس سال کا یہ روحانیت نہیں تھا، مگر ہوش خوب غیر معمولی طور پر محدود تھا، جو زیادہ خوش ہو سکتا ہوں سے -- میں نہیں سمجھا یہ دور نہیں کہوں گا -- اسٹالن کے چہرے کے تاثرات (اگر یہ مسکراہٹ، خوشی کی حالت کے بارے میں غور سے ... دوروں کی ذہنی حالت، تند خو تا ووں) کی مثل تارے سے ایک عجیب کی منتقلے میں حصہ لیا۔ اور مرے سے پھر اسٹالن وہ روحانی طرف سے ایک تعزیتی استقبال کیا گیا تھا۔ جہاں ان کا مقابلہ اور اسٹالن کی خوشی سے جہاں بجے ہوئے تھے۔ اسے اسٹالن پارہ ہوئے ان نے سخت لب مار میں گھوڑے کی خوف زدہ کر دینے والی حقیقت آسانی کے ساتھ جیت لیا۔

اسٹالن کی حالت وہ اصل ہی بہ سب زیادہ وقت وہاں اور اکثر ہو اور گلا صاف کرنے کے بعد ان سے علاوہ کہا کہ وہ صرف وقت محسوس کرتا ہے کہ آنے کے نوجوانوں میں اسٹالن کی بات دل چسپی سے مکمل نقصان کی وجہ سے میں گم گئے۔ اسٹالن نے بچے بچپن میں ہو دیہ کا م کیے (ذخیرہ دوروں سے دشمن، شروع سے سرمایہ داروں کا ساتھ، قصوروں کو غدار جرم ٹھہرانا) اب اسکولوں میں بچوں کو سوشلسٹ عمل کی مثالوں کے طور پر نہیں پڑھائے جاتے۔ اگرچہ ان کی تقریر اسی روز میں ہمارے عمومی حالات سے مطابقت رکھتی تھی، یہ بھی تھا میں سے بہتوں نے محسوس کیا یہ بہت زیادہ سنجیدہ ملکہ فیصلہ ہونے والی تھی، یہاں یہ ہمارا جلوس کو ایک پُرمسرت تقریب سمجھا گیا تھا۔

ہم جلد رخصت ہوگئے۔

۱۹۵۶ کا جلسہ آخری تھا۔ اس کا ہم سب کو علم تھا۔ شروع میں اس کو ستمبر میں اسٹالن نامی شہروں میں سے ایک نئی پولیس بیرک میں ہونا تھا مگر شہر کا نام ایک ماہ پہلے تبدیل ہو گیا؛ یہ حقیقتاً کوئی نیک شگون نہیں تھا۔ اس کے علاوہ حاضری بھی کم متوقع تھی۔

اکتوبر کی ایک برفانی شام کو ہم موسکو کے مضافات میں تین منزلوں کے زینے چڑھ کر ایک پتلی راہداری سے گزر کر اسٹالن چہارم کے اپارٹمنٹ کے تنگ لونگ روم میں پہنچے۔ ہم تینوں لمبی بنچ نما صوفے اور باورچی خانے کی لکڑی کی کرسیوں پر بیٹھے؛ چند تاخیر سے آنے والوں کو تپائی پر بیٹھنا پڑا۔ ہماری تعداد دس سے بھی کم تھی۔ اسٹالن کا ایک ہینڈ سیٹ فونوگراف تک میں سے ایک طرف ہی سے اٹکا تھا۔

اس دوران جو کچھ پیش آ چکا تھا وہ یوں تھا: اس سال فروری میں خروشچیف نے اسٹالن کے جرائم کا سوویت پارٹی کانگریس کے ایک بند اجلاس میں بڑی طویل آتشیں تقریر کے دوران ذکر کیا تھا؛ یہ واضح رہے کہ حکومتی طور پر یہ تقریر خفیہ مانی جاتی تھی، مگر ہر شخص اس سے آگاہ تھا۔

خاموشی کو توڑنے میں کوئی پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آخر کار اسٹالن چہارم نے جس نے تین سال پہلے ہماری مجلس کے پہلے شاندار اجلاس کا بندوبست کیا تھا، یہ سب یوں پڑھا: میں نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ بے عیب ہے۔ ہم سب نے اس پر اتفاق کیا کہ غلطیاں ہر شخص سے ہوتی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اسٹالن نے بعض مواقع پر فیصلہ کرنے میں غلطی کی تھی۔

اسٹالن دوازدہم نے بتایا کہ اس نے سیریل کو ایک ترکیبات دیتے ہوئے مدت میں ایک غیظ آلود تقریر کی تھی اور شاید سیریل اصل میں بے قصور تھا۔ گزشتہ واقعات کے بارے میں وقت انصاف پسند ہو جانا کتنا آسان ہے۔

ہم میں سے ہر ایک کے پاس اس طرح کے تجربات تھے۔ اسٹالن ششم نے ۳۸-۱۹۳۷ میں ولادی وسٹوک کے فوج میں افسروں کے کئی گھٹیا مقدمات میں اسٹالن کا کردار ادا کیا تھا، یہ بات اچھی طرح جانتے ہوئے کہ وہ سب کے سب جاپانی جاسوس، بادشاہت پسند یا دہشت پرست نہیں تھے۔

اسٹالن سیزدہم کو جس نے تین سال ہوئے ہمیں بتایا تھا کہ اسے اپنی بیوی سے حقیقی محبت ہے اپنے سسر کو علانیہ مجرم ٹھہرانا پڑا۔

اسٹالن ہفدہم ایک دوسرے ہم شکل، اسٹالن ہشتم (مرحوم) کی ایک زبردست کے پیرو میڈ کی پسند کی حیثیت سے گرفتاری تک کا ذمہ دار تھا۔

درحقیقت ہم میں سے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ اس نے اسٹالن کی شخصیت کے صرف بہتر پہلوؤں کے لیے اس کی نقل ادا کی۔ ہم سب کے دامنوں پر داغ تھے۔ مگر ان تمام باتوں کے بے ا

Scanned with CamScanner

سے ڈیل وی ایسا نہیں تھا کہ ہم ذاتی طور پر ذمے دار ہوں۔ بے شک اگر ہم propriis personis (ذاتی حیثیت) میں عمل کر رہے ہوتے تو ہم نے ایسے سفاکانہ رویے کا تصور بھی نہ کیا ہوتا، مگر ہم تو صرف وہ کر رہے تھے جو سٹالن نے، اگر وہ ان کاموں کے لیے وقت نکال سکتا، خود کیا ہوتا۔

کیا یہ بھی دستاویز میں ہے؟ سٹالن [illegible] سے یاد کیا کہ کئی بار جب سے صرف غیر واضح، مثال کے طور پر ایک کیے مقدمے میں حاضر ہونے اور کسی کو بھی پیش کرنے کی، ہدایات ملی تھیں، اس سے ملزم کے خلاف ایک ہم آہنگ بیان دیا، جب ایک سخت رہنما روش سے کام چل سکتا تھا۔ اور ہم میں سے ہر ایک اپنے گرد [illegible] وضاحت بیان کر سکتا تھا۔ ماضی کی طرف نظر ڈالتے ہوئے احساس ہوا۔ ہمیں [illegible] کے بارے میں کافی آزادی دی گئی تھی مگر شاید ہم اس آزادی کو مبالغے کی حد تک لے گئے۔

اصل میں دیکھا جائے تو ہم مشکل اس بدنصیب عہد کے کئی بد پہلوؤں کے ذمے دار تھے۔ یہ بھی ممکن ہے سٹالن ذات خود معقول حد تک رہنما ہوں۔ کاش ہم [illegible] سمجھنے میں غلطی نہ ہوئی ہوتی!

وہ [illegible] سے [illegible] تھی۔ [illegible] کلاس، پہاڑیوں، دوست [illegible] سٹالن یا [illegible] پارٹی کے نام پر [illegible] کوئی پار [illegible] کے لیے! [illegible] سب نے جام نوش کیے۔

**

انتخاب

برنارڈ مالامڈ (Bernard Malamud)

برنارڈ مالامڈ جنھیں جدید امریکی فکشن کی نمایاں ترین شخصیات میں شمار کیا جاتا ہے، ۲۶ اپریل ۱۹۱۴ کو بروکلن، نیویارک میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدین روس اور یہودی تارکینِ وطن ... سے ترکِ وطن کر کے امریکہ میں آباد ہونے والے یہودیوں میں شامل تھے اور ... زندگی بسر کرتے ہوئے بروکلن کے علاقے میں کریانے کی دکان چلاتے اور دکان کے اوپر بنے ہوئے تنگ کمروں میں رہتے تھے۔ مالامڈ نے ... رہتے ہوئے ... کیں اور فرصت کے اوقات میں کہانیاں لکھنے کا آغاز کیا۔ ۱۹۴۲ میں مالامڈ نے کولمبیا یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ ۱۹۴۳ تک ان کی کئی کہانیاں شائع ہو چکی تھیں۔ اپنے پہلے ناول The Light Sleeper کا مسودہ مالامڈ نے جلا دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ اس سے بہتر لکھ سکتے ہیں۔ ان کی پہلی کہانی جس کا عنوان The Cost of Living (جینے کا مول) تھا ۱۹۵۰ میں شائع ہوئی۔ اسی سال انھوں نے اوریگان اسٹیٹ کالج میں تدریسی ملازمت شروع کی۔ ان کا پہلا شائع ہونے والا ناول The Natural (۱۹۵۲) تھا جسے ... طور پر پذیرائی حاصل ہوئی۔ اسی عرصے میں ان کی شاہکار کہانی The Magic Barrel لکھی۔ مالامڈ کے ناولوں میں The Assistant (۱۹۵۷)، The Fixer (۱۹۶۶)، Pictures of Fidelman (۱۹۶۹)، The Tenants (۱۹۷۱)، Dubin's Lives (۱۹۷۹) اور God's Grace (۱۹۸۲) شامل ہیں۔ مالامڈ کی زندگی میں ان کی کہانیوں کے چار مجموعے The Magic Barrel (۱۹۵۸)، Idiots First (۱۹۶۳)، Rembrandt's Hat (۱۹۷۳) اور The Stories of Bernard Malamud (۱۹۸۳) شائع ہوئے۔ مالامڈ کا انتقال ۱۸ مارچ ۱۹۸۶ کو نیویارک میں ہوا۔ ان کا نامکمل ناول اور غیر جمع شدہ کہانیاں ۱۹۸۹ میں The People and Uncollected Stories نامی کتاب میں شائع ہو چکی ہیں۔

Scanned with CamScanner

[illegible] سے دو [illegible] کا کوئی [illegible] نہیں لکھا، [illegible] کہانی نہیں [illegible] ہے۔ [illegible]

[illegible] کے قائل [illegible] لکھنے [illegible] کو جو کچھ [illegible]

[illegible] کا کہنا ہے: [illegible] مکمل ہوتے ہیں، دوسرا [illegible]

[illegible] حیثیت [illegible] کی تلاش میں [illegible] نقصان نہیں [illegible]

[illegible] پڑھنے [illegible] آپ کو دریافت [illegible]

[illegible] جو کچھ لکھا ہے وہ [illegible] دیکھنے

[illegible] کو پڑھتا ہے۔ [illegible] لکھنے والا اپنے

[illegible] ابھارتا ہے، ہر چند کہ ایک ہی بات

[illegible] لکھنے کا [illegible] پیشہ [illegible]

[illegible] وقت دیا ہے۔ [illegible] (pace) اور [illegible]

[illegible] مخصوص [illegible]

[illegible] کہانیاں [illegible]

[illegible] مختصر کہانی

[illegible] کچھ [illegible]

[illegible] (Pegasus) [illegible] گھوڑا [illegible]

[illegible] شروع ہو جاتی ہے۔ [illegible]

[illegible] ہوتی ہے۔ [illegible]

[illegible] کوشش کے بعد

[illegible] بھی کہانی، [illegible] ساتھ زندگی

[illegible] تکالیف کے باوجود [illegible]

[illegible] کا کوئی [illegible] زندگی کا [illegible] اور [illegible]

[illegible] کہانی [illegible] لکھنے تھے: ایک [illegible]

[illegible] تیسری [illegible] کچھ کہنے کا [illegible]

[illegible] کے لیے [illegible] ہے۔

برنارڈ مالامڈ

انگریزی سے ترجمہ: راشد مفتی

جینے کا سول

جوڈا شہر کی گلیوں سے رخصت ہو چکا تھا مگر سام توشیوسکی جب اپنی کریانے کی دکان کے عقبی کمرے میں ڈگمگاتا ہوا داخل ہوا تو اس کا چہرہ بڑھتے طوفان کا سماں پیش کر رہا تھا۔ سورا نے، جو کونے کی میز پر بیٹھی ڈبل روٹی کے ساتھ نمک لگا کر کھا رہی تھی، خوف زدہ ہو کر نظر اٹھائی اور شوہر کا سرخ رنگ اور گھبرا ہوا دیکھا۔ اس نے جو لقمہ توڑا تھا اسے جلدی سے نگلا اور حلق سے اتارنے کے لیے اپنی چھوٹی سی پر گوشت مٹھی کو زور سے سینے پر مارا۔ اس کی یہ حرکت اتنی اشارہ رکھتی تھی کیوں کہ وہ سام کو دیکھتے ہی جان گئی تھی کہ پھر کوئی مشکل آ پڑی ہے۔

"خدایا!" سام کے حلق سے آواز نکلی۔

وہ بھی تو سام نے جھرجھری لی اور گرتے ہوئے انداز میں کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ سورا مشتعل اور خوف زدہ کھڑی تھی۔

"خدا کے لیے، بولو!"

"برابر میں،" سام بڑبڑایا۔

"کیا ہوا برابر میں؟ --" اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے۔

"دکان کھل رہی ہے!"

"کیسی دکان؟" سورا کی چیخ جگر چھید دینے والی تھی۔

سام نے طیش میں آ کر اپنے بازو لہرائے۔ "برابر میں کریانے کی دکان کھل رہی ہے!"

Scanned with CamScanner

اف! سورا نے اپنی انگلیاں چبا ڈالیں اور کراہتی ہوئی بیٹھ گئی۔ اس سے بدتر کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔

خالی دکان، جو برسوں ایک اطالوی جفت ساز کی ملکیت رہی تھی، جاڑوں بھر اس کے ذہن پر مسلط رہی تھی۔ پھر اگلے ملاپ میں جوتے مرمت کرنے والی بڑی دکان کھل گئی جہاں لال قمیصیں پہنے دو آدمی دن بھر ٹھک ٹھک کرتے کھڑکی میں سے نظر آیا کرتے اور سورا دیر دیکھنے کو ٹھہر جاتا۔ بیبیگرسو کا دھندہ یوں ٹھنڈا پڑ گیا جیسے کوئی کسی کوٹھی کو بند کر رہا ہو۔ ایک دن اس نے اپنی کام کرنے کی بنچ پر نظر ڈالی اور ہتھوڑے کی ضربوں سے پچکے وہاں سب چیزوں کے ساکت ہوئے پڑے رہنے سے بدی اور خالی نظر آئی۔ وہ تمام صبح بے حرکت بیٹھا رہا تھا، لیکن سہ پہر کے وقت اس نے ہتھوڑا، جس کا دستہ اس نے مٹھی میں جکڑا ہوا تھا، رکھ کر اپنی جیکٹ اتار لی اور پرانا میل خوردہ پیشہ سیٹ، جو کوئی گاہک ان دنوں سے واپس لینے نہیں آیا تھا جب وہ جوتوں کی صفائی اور مرمت کیا کرتا تھا، سر پر رکھ کر اس نے محلوں میں اپنے سابقہ گاہکوں سے یہ پوچھنے کو نکل گیا کہ آیا ان کے پاس جوتوں کی مرمت کا کوئی کام ہے۔ اسے جوتوں کے دو جوڑے مل گئے: ایک گرمیوں میں پہنے جانے والے براؤن اور سفید رنگ کے جوتے، اور ایک رقص کرنے کا زنانہ سلیپر۔ اسی وقت سورا نے محسوس کیا کہ اس کے جوتوں کے تلے اور ایڑیاں دور دور گھومتے پھرتے رہنے کے باعث بالکل گھس چکی ہیں۔۔۔ اسے تلووں سے فرش پر چلتے ہوئے سڑک کی ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔ یہ سب دو یا تین جوڑے تھے اور اس کے بعد مسٹر بیبیگرسو کو اتنا ہی کام مل سکا۔ اگلے ہفتے اسے مرمت کرنے کے لیے جوتوں کا صرف ایک جوڑا ملا۔ جب اگلے مہینے کرائے کی ادائیگی کا وقت آیا تو اس نے دکان کی سب چیزیں کباڑی کے ہاتھ بیچ کر گلیوں میں چھریاں تیز کرنے کے لیے مشین خرید لی، مگر صرف ایک ہی دن جفت ساز، جو موٹے شیشوں کی عینک اور گھنی مونچھوں والا دراز قد آدمی تھا اور جاڑوں میں بھی گرمیوں کا ہیٹ پہنے رہتا تھا، کسی کو دکھائی نہیں دیا۔

جب دکان کا کاؤنٹر اور دوسرا سامان اکھاڑ کر باہر نکال دیا گیا اور عقب میں جھکتے ہوئے سنک کے سوا پوری دکان خالی ہو گئی تو سورا کبھی کبھار رات کے وقت، جب اس کی دکان کے سوا ساری دکانیں بند ہوتیں، وہاں جا کھڑی ہوتی اور ٹکٹکی لگائے کھڑکی میں جھانکتی۔ اکثر کھڑکی کے گرد آلود شیشے میں سے جھانکتے ہوئے، جس میں باہر کو دیکھتے ہوئے اس کا اپنا عکس جھلکتا، اسے وہی کچھ محسوس ہوتا جو وہ کا ہیجان بچپن کی گلیوں میں کرتی تھی جب لڑکپن میں وہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ دریا کی طرف جاتے ہوئے محسوس کیا کرتی تھی۔ وہ ڈرتے ڈرتے ہوئے خوف سے وہ نظر لگتی کسی اونچے مکان پر ڈالتے جو پراسرار طور پر تنگ اور جس کی چھت پر ایک عجیب دو منزلہ تھا، جہاں کبھی ایک ہولناک قتل ہو چکا تھا اور جہاں اب بھوتوں کا ڈیرا تھا۔ وہ ڈرتے ڈرتے ہوئے بعض اوقات رات کو شب کی چاندنی میں اس مکان کی چوکھٹ سے ملی خاموشی کو سنتے ہوئے وہ چپ چاپ اس سے دور دور چلتے جہاں گہرے دور کی گہری خاموشی میں ڈوبا ہوا اور جس کے بالکل وسط میں تاریک خیمہ سکوت کا ایک گڑھا تھا جہاں ہے، اگر کوئی اس کے بارے میں سوچتا،

Scanned with CamScanner

بدبو پھوٹتی تھی۔ بڑی دکان کے تاریک بھاری خانوں میں بسی، جہاں بے شمار جوتوں کو ہتھوڑے کی ضربوں نے زندگی میں ڈھالا تھا اور بے شمار لوگ آنے جانے میں اپنے وجود کا کچھ حصہ چھوڑ گئے تھے۔ ایسا ہی احساس ہوتا تھا کہ خالی پن میں بھی دکان اترتے ہوئے زینے کی طرح اوپر تلے دھری، گمشدہ بازگشتوں کی شکل میں ان موجودگیوں کی کچھ یادیں لیے ہے، اور ایک طرح سے یہی بات تھی جو اس قدر ڈرا دینے والی تھی۔ بعد از شام جب دکان کے قریب سے گزرتا تو دن کی روشنی میں بھی اس کی طرف دیکھنے سے خوف کھاتا اور اتنی تیزی سے گزرتا جس تیزی سے لڑکپن میں بھوتوں والے مکان کے پاس سے گزرا کرتا تھا۔

لیکن جب کبھی وہ آنکھیں بند کرتا تو دائمی گردش کرتے ہوئے ایک طویل بلیک ہول کی طرح خالی دکان اس کے سامنے آ جاتی اور یوں، جب وہ سوتا تو دراصل سوتا نہیں تھا بلکہ اس کے اندر یہ سوال گردش کرتا رہتا: اگر یہی کچھ میرے ساتھ ہونا ہے تو؟ اگر ستائیس سال کی مشقت کے بعد اسے برسوں پہلے یہاں سے نکل جانا چاہیے تھا! ان تمام برسوں کے بعد، اس کی بڑی دکان، اپنی دھندے کی جگہ بھی اسی طرح --- وہ سر روں ڈبے جو اس نے جھاڑ پونچھ کر تھیلوں میں ڈالے، دودھ کے سیکڑوں کنستر جنہیں وہ پالنے اور گاڑی میں ... اندھیرے سے بھاری بھروں کی طرح گلی میں سے اندر گھسیٹ کر دیا؛ بے عزتیاں، چھوٹی موٹی چوریاں، اور غریبوں کا معطل شدہ قرض خواہوں کو خیرات کی طرح قرض ہونا؛ پلستر جھاڑتی ہوئی چھت، علالت، سوجی ہوئی رگیں، اور گھٹنے کا کمر توڑ دن ہوتے ہی جھک جانے کی کھوپڑی پر چپت لگا کر سر کو پیچھے دھکیل دیتا ہے اور جسم کی ہڈیاں ٹیڑھی کر دیتا ہے: مسلسل کام کے طویل گھنٹے، طویل برس---

میرے خدا! اب میری زندگی کہاں ہے؟ اب مجھے کون بچائے گا؟ میں کہاں جاؤں گا؟ کہاں؟ اس نے یہ باتیں اکثر سوچی تھیں۔ یہ عبارت مہینوں کی کوشش کے بعد مصلوب ہوئے تھے: کرایہ کے لیے کا بورڈ ... کھڑکی میں لگ چکا تھا۔ ہر ایک کوئی کیسے جان سکتا تھا کہ دکان کرایہ کے لیے خالی ہے؟ لیکن لوگ جانتے تھے۔ حتی، جب وہ اپنے خوف سے موت کو تقریباً قبول کر چکا تھا۔ گلی میں لگے ایک سائن بورڈ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں ترش گئیں: قومی زیادہ والے اس جگہ بھی ایک اور سستے سودے کی دکان کھول رہے ہیں! ... اس کے اندر ... اس کے دل کو دہلا دیا۔

آخرکار، شام نے سر اٹھا کر اپنی بیوی سے کہا: میں ... مالک مکان سے ملوں ...

شور سے سوتے ہوئے بیوٹوں سے دیکھا۔ کیا کھوئے گئی ہے؟

میں اس سے بات کروں گا۔

کوئی عام موقع ہوتا تو وہ کہہ دیتی: شام، ... وقت مت ... مگر اس نے شام کو جانے دیا۔

کھڑکی میں لگے نے نمبر ... بورڈ کی چمک سے اپنی نظریں بچاتے ہوئے وہ ... کی عمارت سے ... میں داخل ہوا۔ سیڑھیاں چڑھنے کی مشقت کے دوران چھت میں لگے روشندان کی ... روشنی ... پر پڑنے لگی اور جوں جوں وہ اوپر گیا روشنی کی ... کیسی بڑھتی گئی۔ وہ بادل ناخواستہ جا رہا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ مالک مکان سے آخر کہے گا کیا۔ آخری منزل پر پہنچ کر وہ دروازے کے آگے کسی عورت کی

برداشت نہ کر سکتا تھا جو خالی دکانوں میں بری قسمت کا اظہار کر رہی تھی۔ سام کا ایک پاؤں آخری سیڑھی پر تھا اور وہ بس پلٹنا ہی چاہتا تھا کہ اس نے کافی کا اشتہار سنا اور اسے احساس ہوا کہ یہ دراصل ایک ریڈیو ڈرامہ تھا۔ اب ریڈیو بند ہو چکا تھا اور راہداری میں دروازے وار سکوت تھا۔ اس نے سننے کے لیے کان لگائے اور جب پہلے پہل اندر کوئی آواز سنائی نہ دی تو اپنے آپ کو مزید سوچنے کا موقع دیے بغیر دروازہ کھٹکھٹا دیا۔ وہ خوف زدہ سا تھا اور اس وقت تک تذبذب میں رہا جب تک مالک مکان، جو سڑک کے اس پار حجام کی دکان بھی کرتا تھا، بھاری سست قدموں سے چلتا دروازے تک نہ پہنچ گیا اور دروازہ تالے کے بے صبری سے ٹٹولے جانے کے بعد کھل نہ گیا۔

حجام نے جب سام کو وہاں کھڑا دیکھا تو پریشان ہو گیا، اور سام فوراً بھانپ گیا کہ وہ پچھلے دو ہفتوں میں ایک بار بھی اس کی دکان سے سودا لینے کیوں نہیں آیا۔ تاہم حجام نے بڑے تپاک سے سام کو راہداری خانے میں آنے کی دعوت دی جہاں اس کی بیوی اور ایک اچھی کھانے کی میز پر بیٹھے طالب علم بیٹے ہی رکابیوں میں سپیگٹی کھا رہے تھے۔

"شکریہ،" سام نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "میں نے ابھی کھانا کھایا ہے۔"

حجام اپنے پیچھے دروازہ بند کرتا ہوا ہال میں نکل آیا۔ اس نے نیچے جاتی سیڑھیوں پر مبہم سی نظر ڈالی اور سام کی طرف مڑا۔ اس کی حرکات سے ہچکچاہٹ ظاہر تھی۔ حالیہ عرصے میں اپنے بیٹے کی ملازمت کے بعد سے وہ خاصا دماغ ہو گیا تھا اور بعض اوقات جب وہ چلتا تو یوں معلوم ہوتا جیسے کسی شے کو گھسیٹتا ہوا چل رہا ہو۔

"کیا یہ سچ ہے؟" سام نے پریشانی میں پوچھا۔ "جیسے اس نے بورڈ پر لکھا ہے؟"

"سام،" حجام نے کسمساتے لہجے میں بات شروع کی۔ وہ ہاتھ میں لیے کاغذی رومال سے منہ صاف کرنے کو رکا اور پھر کہنے لگا: "سام، تم جانتے ہو، مجھے سات مہینے سے اس دکان کا کرایہ نہیں ملا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔"

"میں اس کا منتظر رہا۔ میں نہیں رکھتا میں کسی شراب کی دکان یا لوہے کے سامان والے کا منتظر رہا تھا لیکن ان کی طرف سے کوئی پیشکش ہی نہیں ہوئی۔ پچھلے مہینے ان چین سٹور نے مجھے پیشکش کی۔ پھر بھی میں نے پانچ ہفتے انتظار کیا کہ شاید کوئی اور آ جائے۔ آخر کار مجھے یہ پیشکش قبول کرنی پڑی۔ کوئی اور چارہ ہی نہیں تھا۔"

تاریکی میں دونوں کچھ دیر ساکت ہو گئے۔ ایک طرف سے بیٹھک ہو کی وہاں موجود تھی اور زینے کے سرے سے پرے ان کے ساتھ کھڑا تھا۔

"کب آئیں گے یہ لوگ؟" سام نے آہ بھری۔

"مئی سے پہلے نہیں۔"

کریانہ فروش اتنا بے حواس تھا کہ کچھ بول نہ پایا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو تکتے رہے، ان کے پاس ایک دوسرے سے کہنے کو کچھ نہ تھا۔ لیکن پھر حجام نے زبردستی قہقہہ لگاتے ہوئے کہا کہ تیری دکان

Scanned with CamScanner

سام کے کاروبار کو نقصان نہیں پہنچائے گی

"کیوں نہیں پہنچائے گی؟"

"کیوں کہ تمہارے ہاں مختلف برانڈ کی چیزیں ہیں اور جب گاہکوں کو وہ برانڈ درکار ہوں گے تو وہ تمہارے پاس آئیں گے۔"

"میرے ریٹ زیادہ ہیں تو وہ میرے پاس کیوں آئیں گے؟"

"چین اسٹور سے علاقے میں گاہکوں کی آمد و رفت بڑھ جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ان چیزوں کو پسند کریں جو تمہارے ہاں ہیں۔"

سام کو خفت محسوس ہوئی۔ اسے جام کے اخلاص پر شبہ نہیں تھا لیکن اس کی دکان کا ذخیرہ محدود تھا اور وہ زنجیری دکان کے گاہکوں کو اپنی دکان میں دلچسپی لیتے قیاس نہ کر سکا۔

جام نے سام کو بازو سے پکڑتے ہوئے راہداری میں اپنے ایک دوست کے بارے میں بتایا جو ایک ایسی ہی سپر مارکیٹ کے برابر میں گوشت کی دکان چلا رہا تھا جو ٹھیک ٹھاک یافت دے رہی تھی۔

سام نے یہ یقین کرنے کی بہت کوشش کی کہ اس کا کاروبار بھی ٹھیک ٹھاک چلتا رہے گا مگر ناکام رہا۔

"تو تم نے معاہدے پر دستخط کر دیے؟"

"معاہدہ جمعے کو ہوگا۔"

"جمعے کو؟" سام چونک پڑا۔ ناامید ہو گیا۔ "ہو سکتا ہے،" وہ خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا، "ہو سکتا ہے میں جمعے سے پہلے تمہیں ایک نیا کرایہ دار دلا دوں۔"

"کس طرح کا کرایہ دار؟"

"کرایہ دار!" سام بولا۔

"کس چیز کی دکان کھولے گا؟"

سام نے سوچنے کی کوشش کی۔ "جوتوں کی دکان،" وہ بولا۔

"موچی؟"

"نہیں، جوتوں کی دکان جہاں جوتے بکتے ہیں۔"

جام نے اس تجویز پر غور کیا۔ آخر کار اس نے کہا کہ اگر سام کوئی کرایہ دار لے آئے تو وہ زنجیری دکان سے معاہدہ نہیں کرے گا۔

سام جیسے جیسے سیڑھیاں اترا، آخری منزل پر لگے بلب کی روشنی اس کے کاندھوں پر کم ہوتی گئی لیکن اس نے ذہن پر بوجھ رہنے دیا، کیوں کہ اس کے ذہن میں ایسا کوئی شخص نہ تھا جو دکان کرائے پر لے سکتا۔

تاہم گھر سے قبل اس نے دو دکانداروں کے بارے میں سوچا۔ ایک تو کسی تھوک کریانہ فروش والی کا لال

Scanned with CamScanner

بالوں والا گنجا شخص تھا جو پچھلے دنوں نئی دکانوں میں سرمایہ لگاتا رہا تھا، لیکن جب سام نے اس سے فون پر بات کی تو اس نے کہا کہ اسے صرف زیادہ آمدنی والی کریانے کی دکانوں سے دلچسپی ہے۔ ظاہر ہے یہ مسئلے کا حل نہیں تھا۔ دوسرے آدمی سے بات کرنے میں سام کو تامل تھا کیوں کہ وہ اسے ناپسند تھا۔ یہ آدمی کارل کوفیس تھا، خشک مچھلی کا سابق بیوپاری، جس نے وہیں بروکلین کے بیچ ایک مکان لیا تھا۔ کوفیس نے جائیداد کے چند بڑے سودے کیے تھے اور خاصا دولت مند ہو گیا تھا۔ برسوں پہلے ولیم برگ کی مارسی ایونیو پر اس کی اور سام کی دکانیں ساتھ ساتھ ہوا کرتی تھیں۔ سام اسے کمزور سمجھتا تھا اور ایسا کہنے سے چوکتا بھی نہیں تھا۔ لیکن ہیلن، یہ دیکھتے ہوئے وہ ترقی کر کے کہاں جا پہنچا ہے اور اس کا شوہر کہاں ہے، اکثر سام کا مذاق اڑایا کرتی تھی۔ اس کے باوجود سام اور کوفیس کے تعلقات نسبتاً بہتر رہے، شاید اس لیے کہ سام نے کبھی اس سے مدد طلب نہ کی تھی۔ جب کوفیس بڑی بیوی سمیت اتفاقاً ادھر آ نکلتا تو عموماً ان کے ہاں بھی آتا۔ سام کو یہ بات پسند نہ تھی کیوں کہ وہ بے تحاشا مشورے دیا کرتا اور اس کے جانے کے بعد شور ا نہیں رہ جاتا ایک دن اتفاق۔

شکوک و شبہات کے باوجود اس نے کوفیس کو فون کیا۔ کوفیس نے باوقار انداز میں حیرت کا اظہار کیا۔ تاہم اس نے کہا کہ وہ سوچے گا کہ اس بارے میں کیا کر سکتا ہے۔ اگلے دن صبح آٹھ بجے تو جیسے دکان کی کھڑکی میں سے نظر ... کوئی شخص منصفانہ سودے کے بارے میں پہلے سے کوئی رائے قائم کر لے۔ اس سہ پہر جب کوفیس موٹی چال چلتا ہوا اپنی چھڑی کے ساتھ اندر آیا تو سام ملے، جس نے ... پہلی بار ... سے جھگڑا ... پایا تھا، اس پر واضح کیا کہ ان کے خیال میں بڑا دقت ... کے کاروبار ... جیسے سودوں سے کیوں نہ ملائے میں ... کی کوئی دکان ... بھی نہیں ہو ... بھی مناسب ہے۔ اور تب ہی کوفیس کسی ... کسی منصوبے میں ہمیشہ سرمایہ لگاتا رہتا ہے، بعد میں نے سوچا کہ شاید اسے اس دکان میں بھی دلچسپی ہو۔ ... پار سے تمام بھی آ گیا اور اس نے دکان کا تالا کھولا۔ کوفیس جان دکان میں داخل ہوا۔ اس نے دکان کے ڈھانچے کو تکا۔ ... کو چھوا، کھڑکی کی سلاخوں میں سے جھانک کر پچھلے حصے کو دیکھا اور آنکھیں سکیڑتے ہوئے، ہنستے ہوئے ہونٹوں سے حساب لگایا کہ کتنے تختے ... اور ... آئے گی۔ ... اس نے تمام سے کرایہ پوچھا اور تمام نے ایک مناسب رقم بتا دی۔

کوفیس نے ... اپنے ... کو جنبش دی لیکن وہاں دونوں میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ ... کریانے کی دکان میں لوٹ ... اس سے سام کو ... وقت ... کرنے ... کی طرح ...

... سامنے ... نہیں ... سمجھتا تھا۔ مجھے ... ان کا ... بھی ... ہو رہا تھا۔ لیکن تمہارے خیال میں ... ایک عقل مند آدمی اس ... ہوتی ہیں جو ... دکان کھولے گا؟

رخصت ہونے سے قبل، جس طرح ... سے، اس نے ڈھیر سارے مشورے

Scanned with CamScanner

دیے اور سام سے یہ کہتے ہوئے اپنی بات ختم کی: "گر چینی اسٹور کھل گیا تو تم برباد ہو جاؤ گے۔ اس سے پہلے کہ گدھ تمھاری ہڈیوں سے گوشت نوچ ڈالیں، یہاں سے نکل جاؤ۔"

پھر وہ اپنی بیوک میں بیٹھ کر چلا گیا۔ سورا کچھ تبصرہ شروع کرنے ہی والی تھی کہ سام نے اپنی مٹھی زور سے میز پر ماری اور بات وہیں ختم ہو گئی۔ اسی شام حجام نے کھڑکی میں سُرخ سائن بورڈ دوبارہ لگا دیا کہ اس نے معاہدے پر دستخط کر دیے تھے۔

راتوں کو نیم خواب بیٹھا سام جانتا تھا کہ دکان کے اندر کیا ہو رہا ہے، گو دکان کے قریب وہ کبھی نہیں گیا۔ وہ بڑھئیوں کو خوشبودار سی ہوئی چیڑ کی لکڑی پر آرا چلاتے دیکھ سکتا تھا جس کی تیز دھار کے آگے لکڑی نے خوشی سے سپر ڈال دی تھی اور تقریباً چھت تک اٹھتی ہوئی تختوں کی متوازی قطاروں میں ڈھل گئی تھی۔ رنگ ساز آئے جن میں ایک طویل قامت تھا اور دوسرا پستہ قد، جس کے بارے میں سام کو یقین تھا کہ وہ اسے جانتا ہے۔ ان کے چہرے رنگ کے چھینٹوں سے بھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے چھت کو کاغذ جیسے چونے سے پوتا اور سب تختوں کو شوخ رنگوں میں، جو کریانے کی دکان کے اعتبار سے عجیب مگر نظروں کے لیے خوش کن تھے، رنگ دیا۔ بجلی والے دودھیا لیمپوں کے ساتھ نمودار ہوئے جنھوں نے گوشوں کی زرد تاریکی کو محو کر دیا۔ پھر مستریوں نے اپنی گاڑیوں سے سنگِ مرمر کی سطح والے لمبے لمبے کاؤنٹر اور تین دروازوں والا چمکتا ہوا ریفریجریٹر اتارا جس میں کھانوں میں ڈالے والے، درمیانے اور اعلیٰ درجے کے گوشت کے لیے بہت تنگ جانے تھے۔ سبزیوں کے لیے ایک سفید براق الماری جو بالکل تر و تازہ تھی۔

ان سب چیزوں کو سراہنے کے دوران وہ پیچھے کو مڑا کہ اسے کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے، اور یہ اطمینان کرنے کے بعد جب اس نے دیکھنے کے لیے کھڑکی کی طرف دوبارہ رخ پھیرا تو کھڑکی کا شیشہ سفید ہو چکا تھا اور اب وہ کچھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ تب اسے سگریٹ پینے کے لیے اٹھنا پڑا اور اسے تحریص ہوئی کہ پتلون پہن کر چپلوں میں چپکے سے سیڑھیاں اتر جائے اور دیکھے آیا کھڑکی پر واقعی رنگ پھیر گیا ہے۔ اس شک نے کہ غالباً یہ سب ہی ہوا ہے، اسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ سو وہ بستر پر واپس آ گیا اور صبح کے پانچ بجے تک سونے میں ناکام رہا۔ بعد ازاں اس نے ایک چیتھڑے کی مدد سے رنگ صاف کر کے کھڑکی کے وسط میں ایک سوراخ بنا لیا اور اسے بڑا کرتا رہا یہاں تک کہ اسے ہر چیز صاف نظر آنے لگی۔ دکان اب تیار تھی، بنی سنوری، کشادہ، درخشاں، وصول کرنے کے لیے تیار، اور اس میں داخل ہونا باعثِ مسرت تھا۔ اس نے اپنے آپ سے سرگوشی کی کہ اگر یہ میری ہوتی تو کیا اچھا تھا۔ لیکن تبھی الارم بجنے لگا اور اسے دودھ کے کنستر گھسیٹنے کے لیے بستر سے اٹھنا پڑا۔ نو بجے تین بڑے بڑے ٹرک نمودار ہوئے، سفید براق جیکٹیں پہنے چھ نوجوان نیچے کودے اور انھوں نے سات گھنٹے میں دکان کو بھر دیا۔ سام کا دل تمام دن اس شدت سے دھڑکتا رہا کہ بعض اوقات اسے اپنے دل کو کسی ایسے پرندے کی طرح پچکارنا پڑا جو اڑ جانا چاہتا ہو۔

جب مئی کے وسط میں، کھڑکی میں سجے ہوئے پن کی شکل کے گلابوں کے بڑے سے دستے کے ساتھ، حریف کی دکان کا افتتاح ہوا تو سورا نے اس رات بکری کا حساب لگانے کے بعد اعلان کیا کہ وہ دس ڈالر

Scanned with CamScanner

خسارے میں ہیں۔ سام نے کہا کہ یہ کوئی زیادہ رقم نہیں ہے، مگر موریس نے اسے یاد دلایا کہ بہ مشکل دس مائد ہوتے ہیں۔ وہ کچھ بندوں رو پڑی اور سسکیاں بھرتے ہوئے بولی کہ انہیں کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہوگا۔ اس نے سام کو گیلا کپڑا تھماتے ہوئے تختوں کی مکمل صفائی کرے، فرش کو تیل لگائے اور سامنے کی کھڑکی کو، جو اس نے سفید چونے سے دوبارہ سجائی تھی، اندر باہر سے دھونے پر مجبور کر دیا۔ پھر اس نے سام سے تھوک فروش کو بلانے کے لیے کہا جس نے سستے کی خاص خاص چیزیں فہرست میں سے پڑھ کر سنائیں، اور جب وہ چیزیں دکان میں پہنچا دی گئیں تو سام نے کھڑکی میں ڈبوں کی تین پیٹیاں اہرام کی شکل میں سجا دیں۔ مگر کوئی خریدتا ہوا ہی نہیں لگتا تھا۔ گھٹتے گھٹتے یہ چالیس ڈالر کم ہوگئے۔ سام نے سوچا کہ اگر حالات یہیں تک رہے تو بھی گزارا ہو سکتے ہیں۔ اس نے بیئر کی قیمت گھٹا دی اور پینٹ والے کاغذ پر سیاہ کھریا سے موٹا موٹا لکھ کر کھڑکی میں رکھ دیا کہ بیئر کی قیمت میں کمی ہو گئی ہے۔ اس طرح اس روز اس نے پورے پانچ ڈبے زیادہ بیچے، حالاں کہ ایڈا ملامت کرتی رہی کہ اگر منافع ہی حاصل نہ ہو تو پھر اس سے کیا فائدہ، اور پھر جو گاہک بیئر یہاں سے بیچتے تھے وہ ڈبل روٹی اور ڈبا بند چیزیں بیچنے برابر کی دکان میں جاتے تھے۔ تاہم سام ابھی تک پرامید تھا۔ مگر اگلے ہفتے وہ ستر ڈالر پیچھے رہ گئے اور دو ہفتوں میں خسارہ پورے سو ڈالر تک پہنچ گیا۔ برابر کی دکان جس میں ایک مینیجر اور دو کلرک تھے، سارا دن گاہکوں سے بھری رہتی۔ ایڈا سام سے بولی اب بیئر جیسی کوئی چیز نہیں رہ گئی تھی۔ تب اس نے دریافت کیا کہ برابر والی دکان میں ہر وہ برانڈ موجود ہے جو اس کے ہاں ہے مگر اور سستے سے برانڈ جو اس کے ہاں نہیں ہیں۔ اس نے ہجوم کے لیے سخت طیش محسوس کیا۔

گرمیوں کا موسم، جو عموماً اس کے کاروبار کے لیے اچھا رہتا تھا، اس بار خراب گزرا، اور حزن اس سے مدتوں اس کی دکان میں ایسا سکوت تھا کہ جب کوئی دروازہ کھولتا تو خوشی اس کی رگوں میں اتر جاتی۔ وہ اور سام پچھلی دکان کے عقبی حصے میں کھمبوں کے سرپوش بلب کے نیچے بیٹھے سستی سی باتیں، اخبار پڑھتے اور جب بھی کوئی باہر گلی میں گزرتا تو پرامید ہو کر دیکھنے لگتے۔ دن کو جب وہ یہ جان لیتے کہ وہ برابر کی دکان میں جا رہا ہے تو ادھر نہ دیکھنے کی کوشش کرتے۔ اب سام آدھی رات تک، مزید ایک گھنٹا، دکان کھلی رکھتا؛ گو یہ اضافی وقت اسے اور تھکا دیتا لیکن کوئی بھولی بھٹکی خاتون خانہ جس کے ہاں دودھ ختم ہو جاتا یا جسے اپنے اسکول جانے والے بچوں کو سینڈوچ دینے کے لیے ڈبل روٹی کی ضرورت ہوتی، آ نکلتی اور یوں وہ دو ایک ڈالر کما لیتا۔ اخراجات کم کرنے کے لیے اس نے دکان کے ایک بلب کے علاوہ کھڑکی کی دو روشنیوں میں سے بھی ایک بجھا دی۔ اس نے اپنا فون کٹوا دیا اور کاغذی تھیلے پھیری والوں سے بیچنے لگا۔ وہ داڑھی ایک دن چھوڑ کر مونڈنے لگا اور ۔۔۔ حالاں کہ وہ اسے تسلیم نہیں کرتا تھا ۔۔۔ کم کھانے لگا۔ پھر خوش امیدی کی ایک غیر متوقع لہر میں اس نے تھوک فروش کو مختلف اشیا کی اٹھارہ پیٹیوں کے لیے کہہ دیا اور اپنے تختوں کے خالی حصے، کم قیمت کے واضح اعلان کے ساتھ ان چیزوں سے بھر لیے۔ لیکن، جیسے کہ ایڈا نے کہا جب کوئی اندر ہی نہیں آتا تو نہیں دیکھتا کون؟ جن لوگوں کو وہ دس، پندرہ، بلکہ بیس سال سے

Scanned with CamScanner

ہر روز دیکھتا تھا اس طرح غائب ہو گئے گویا ترکِ سکونت کر گئے ہوں یا مر گئے ہوں۔ بعض اوقات کسی گھر میں کوئی چھوٹا موٹا سودا پہنچاتے ہوئے وہ پہلے کسی سابق گاہک کو دیکھتا تو یا تو جلدی سے سڑک پار کر جاتا یا سر جھکا کر فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے عمارت کے دوسری طرف گھوم جاتا۔ حجام بھی اس سے کترانے لگا تھا، اور وہ بھی حجام سے کتراتا تھا۔ سام نے کبھی اندھیروں میں ڈنڈی مارنے کا منصوبہ بنایا لیکن خود کو اس پر آمادہ نہ کر سکا۔ اس نے محلے میں گھر گھر جا کر زبانی طور پر پہنچائے جانے والے سودے کے آرڈر لینے کے بارے میں سوچا لیکن اسے مسٹر ہیلینگر یاد آ گیا اور اس نے یہ خیال ترک کر دیا۔ سورا، جو ان کی پوری شادی شدہ زندگی سے طعنے دیتی رہی تھی، اب عقبی حصے میں خاموش بیٹھی رہتی۔ جب سام نے دسمبر کے پہلے ہفتے کی بکری کا حساب لگایا تو جان گیا کہ اب مزید امید بے کار ہے۔ ہوا سرد چل رہی تھی اور دکان پر سستی تھی۔ اس نے دکان بیچنی چاہی مگر کوئی لینے والا نہیں آیا۔

ایک صبح سورا امید اور مایوسی کی شدت سے اپنے رخسار اپنے تیز ناخنوں سے کھرچ ڈالے۔ سام بال کٹوانے سڑک کے پار گیا۔ پہلے وہ مہینے میں ایک بار بال کٹواتا تھا لیکن اب اسے حجامت کرائے دس ہفتے ہو چکے تھے اور اس کی گدی پر بالوں کا موٹا پشتہ تھا۔ حجام نے اس کے بال آنکھیں بند کر کے تراشے۔ پھر سام نے ایک نیلام کرنے والے کو بلایا جو دو زندہ دل نائبوں اور نیلامی کے سرخ پھریرے کے ساتھ آ پہنچا۔ پھریرا بلیکر سٹریٹ میں اس طرح پھڑپھڑا رہا تھا گویا یہ کوئی تعطیل کا دن ہو۔ جو رقم انہیں ملی وہ اس کا چوتھائی بھی نہیں تھی جو انہیں دس خوردہ فروشوں کو دینی تھی۔ سام اور سورا نے دکان بند کر دی اور کہیں چلے گئے۔ سام جب تک جیا اس علاقے میں نہیں پلٹا کیوں کہ اسے خوف تھا کہ اس کی دکان خالی پڑی ہے اور کھڑکی میں سے جھانکنے سے اسے وحشت آتی تھی۔

**

(انگریزی عنوان: The Cost of Living)

برنارڈ مالامڈ

انگریزی سے ترجمہ: ارشد متقی

میری موت

سفید ہوتے ہوئے گھنے بالوں، باریک اور تاریک بھنووں اور حساس ہاتھوں والا مارکس ایک خوش دل شخص تھا جو جنگ سے بہت پہلے درزی تھا لیکن زندگی میں استاد درزی سے لباس فروش بن گیا تھا۔ خوش حالی کی قیمت اسے بڑی محنت سے چکانی پڑی تھی۔ اسے غلطی کر کے ایک معمولی درزی ملازم رکھنا پڑا جو ملبوسات میں کتر بیونت تو کر لیتا تھا مگر جب کام بڑھ جاتا تو استری کا کام نہیں سنبھال پاتا تھا۔ سو ایک استری کرنے والا رکھنا پڑا، ورنہ یوں دکان تو بھی خاصی چلتی تھی مگر بہت اچھی نہیں چلتی تھی۔

دکان بہتر یافتہ ہو سکتی تھی مگر استری کرنے والے یوسپ بروزک تھے، جو بیئر کا دھتی اور پیسے میں خنایا رہنے والا ہو کر ہندوستانی تھا اور بنیان اور چپل پہنے اس اندر ہی کام کرتا تھا کہ پتلون کی سلوٹیں کپڑوں پر ڈھیلی ہوتی اور بدنما سلوٹیں کپڑوں پر گری پڑی ہوتیں، درزی میپیو ویزو کے خلاف بہت نفرت پیدا کر لی جو واجب تھی، کیوں کہ درزی، خشک مزاج شخص تھا اور اصل کاریگر تھا۔ یا شاید معاملہ اس کے برعکس تھا، مارکس کو ٹھیک سے اندازہ نہیں تھا۔ ممکن ہے درزی استری کرنے والے سے کینہ رکھتا ہو یا جواباً اس سے نفرت کرتا ہو۔ ان دونوں کے جھگڑوں کے باعث کاروبار پر اثر پڑ رہا تھا۔

مارکس لڑکوں کی طرح بیچ بچاؤ کرتے، کیونکہ وہ اس عمل میں بیہودہ زبان اور کھردرے الفاظ استعمال کرتے ہوئے، جنہیں سن کر گاہک توہین محسوس کرتے اور بعض اوقات مارکس کا سر غصے سے چکرانے لگتا۔ وہ آپس میں کیوں لڑتے ہیں؟ یہ بات لباس فروش کو چکرا دیتی جو ان کے مصائب جانتا تھا اور محسوس کرتا تھا کہ وہ کافی حد تک یکساں ہیں۔ یوسپ، جو ایسٹ ریور کے قریب ایک تباہ شدہ قاشی

عمارت میں رہتا تھا، برف سے بھری یک رنگ آلود پرت میں درجن بھر بوتلیں رکھتا اور کام کرتے وقت مسلسل بیئر نوش کرتا رہتا۔ جب مارکس نے شروع شروع میں ختم نہیں کیا تو یوسپ، جو ہمیشہ لباس فروش کی عزت کرتا تھا، پرت کو بند کر کے عقبی دروازے سے گلی میں واقع شراب خانے میں غائب ہو گیا، اور اس عمل میں اتنا قیمتی وقت ضائع کیا کہ مارکس نے اسے دوبارہ بیئر کی پرت رکھنے کی اجازت دینا ہی سودمند سمجھا۔ ہر روز دوپہر کے کھانے کے وقت یوسپ دراز میں سے ایک چھوٹا تیز چاقو نکال کر لہسن کی سخت سلامی کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹتا جنہیں وہ سفید روٹی کے چھوٹے موٹے ٹکڑوں کے ساتھ کھاتا اور پہلے بیئر اور پھر بغیر دودھ شکر کے کافی قہوے کے ساتھ حلق سے اتار لیتا جو درزی کی استری کے گیس سٹوو پر تیار کیا جاتا تھا۔ حسبِ عادت وہ کھڑکی سے کوئی شور یا ہنگامہ سنتا تو کبھی کبھی دکان کو سر دیتی۔ لیکن مجموعی طور پر نہ تو اسے سلامی سے دلچسپی تھی نہ شور سے۔ وہ کئی کئی دن تک مسلسل اور بے چین رہتا جب تک ہر تیسرے ہفتے سمندر پار سے اس کے نام آنے والا خط نہ آ جاتا۔ جب اسے خط ملتا تو ایک سے زیادہ بار ایسا ہوتا کہ اس نے اپنی جوش سے کانپتی انگلیوں سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ وہ اپنا کام چھوڑ جاتا اور بغیر پشت کی کرسی پر بیٹھ کر دروازے کے پاس جہاں وہ سلامی رکھتا تھا، پچکے ہوئے شیشوں والا چشمہ نکال کر جسے وہ دھاگے کی ڈوریوں سے، جو اس نے ٹوٹی ہوئی کمانیوں کی جگہ باندھ رکھی تھیں، اپنے کانوں پر چڑھا لیتا۔ پھر وہ کھردری پولستانی زبان میں پھیکی سوری روشنائی سے لکھے ہوئے پتلے کاغذوں کے ورق بڑی مشکل میں سنبھال کر پڑھنا شروع کرتا۔ وہ ان خطوں کا ایک ایک لفظ بلند آواز میں ادا کرتا کہ مارکس، جو یہ زبان جانتا تھا، نہ چاہنے کے باوجود سنتا۔ ابھی وہ خط کی لکھائی میں دو صفحوں تک ہی نہ گیا ہوتا کہ اس کے قدموں بھیگ جاتے اور وہ رونے لگتا۔ آنسو اس کے گالوں اور ٹھوڑی کو یوں داغدار کر دیتے جیسے ان پر کوئی مکھی مار دوا چھڑک دی گئی ہو۔ خط ختم کر لینے کے بعد وہ زور زور سے سسکیاں لینے لگتا۔ یہ عمل، جس کا دیکھنا ایک ہولناک تجربہ تھا، اسے گھنٹوں کے لیے ناکارہ بنا کر رکھ دیتا اور یوں ساری صبح اکارت ہو جاتی۔

مارکس نے اکثر سوچا تھا کہ اسے اپنے خط گھر سے جا کر پڑھنے کو کہے، لیکن خطوں کے مضمون سے اس کا جی بھر آتا اور وہ یوسپ کو سخت سست کہنے پر خود کو آمادہ نہ کر پاتا، جو، رسمیں تھا کہ، اپنے کام کا ماہر تھا۔ ایک بار جب وہ کپڑوں کا ڈھیر اٹھا کر استری کرنا شروع کرتا تو بھاپ دیتی ہوئی مشین رکے بغیر سوں سوں کرتی چلی جاتی اور ہر لباس اس صفائی سے باہر آتا کہ نہ تو اس میں کہیں ابھار ہوتا اور نہ کوئی فالتو تہہ، اور آستینوں اور پائنچوں کی تہیں اور چنٹیں تلوار کی دھار جیسی تیز ہوتیں۔ جہاں تک خطوں میں لکھی ہوئی باتوں کا تعلق ہے، وہ اس کی دق زدہ بیوی اور چودہ سالہ بدنصیب بیٹے کے غم گین تجربوں سے متعلق ہمیشہ ایک جیسی ہوتیں۔ اس لڑکے کو جو حقیقتاً سوروں کے باڑے کی کیچڑ میں رہتا تھا، یوسپ نے تصویر کے سوا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر لڑکا بیمار بھی تھا۔ اگر اس کا باپ اسے امریکا بلانے کا کرایہ جمع بھی کر لیتا، اور لڑکے کو ویزا بھی مل جاتا، تو امیگریشن کے ڈاکٹر اسے اندر نہ آنے دیتے۔ مارکس نے ایک سے زیادہ بار

Scanned with CamScanner

[illegible] لیکن [illegible]
[illegible] جاتا [illegible] گزشتہ [illegible]
[illegible] سکتا تھا، لیکن [illegible]
[illegible]

[illegible] ریستوران [illegible]
[illegible] عجیب بات [illegible]
[illegible] سکتا تھا [illegible]
[illegible] کم ہوتا [illegible]
[illegible] بھولی [illegible]
[illegible]
[illegible] دکان سے
[illegible] جب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] دکان [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] شروع کرتا تو وہ سوچتی [illegible]
[illegible]
[illegible] دکان [illegible]
[illegible] کام [illegible]
[illegible] وقت میں ایک [illegible]
[illegible]

[illegible] ایک سال سے زیادہ [illegible]
[illegible] ایک دن [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] وقت اندر قدم رکھا ہو۔ اس کے سامنے ایسا منظر تھا جس نے اسے

Scanned with CamScanner

منجمد کر دیا۔ سہ پہر کی دھوپ میں، جو دکان کے عقبی حصے کو مدھم کر دیتی تھی اور جس نے لباس فروش کو عارضی طور پر اندھا کر کے یہ سوچنے کا وقت دے دیا تھا کہ اس نے جو کچھ دیکھا ہے وہ ممکنہ طور پر دیکھ نہیں سکتا، وہ مقابل گوشوں میں بیٹھے شدید نفرت کی ملک زندہ، تقریباً انسانوں جیسی گرفتگی لیے ایک دوسرے کو چپ چاپ گھور رہے تھے۔ حقارت سے مسکراتے ہوئے پوستانی نے اپنے ایک کانپتے ہاتھ میں کرسی کا بھاری کندہ دبا رکھا تھا جب کہ غضب ناک درزی، جس نے اپنی پشت ہی کی طرف دیوار سے لگا رکھی تھی، اپنی سخت انگلیوں میں نیزہ تراشنے کی قینچی مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا۔

"کیا ہوا؟" جب مارکس کی گویائی بحال ہوئی تو اس نے چلا کر پوچھا لیکن دونوں میں سے کوئی سکوت توڑنے پر تیار نہ ہوا اور دونوں اسی حالت میں دکان کے مخالف گوشوں سے ایک دوسرے پر نظر جمائے رہے جس حالت میں مارکس نے انھیں پایا تھا۔ درزی کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے اور ستری والی کرسی میں آتے ہوئے کتے کی طرح زور زور سے سانس لے رہا تھا، اور دونوں پر ایسی ہیبت طاری تھی جس کا مارکس نے ابھی شبہ تک نہیں کیا تھا۔

"میرے خدا!" وہ پریشان ہوتی ہوئی سردی میں شرابور بدن کے ساتھ چلایا۔ "مجھے بتاؤ، آخر ہوا کیا ہے؟" لیکن دونوں میں سے کسی نے ایک آواز تک نہ نکالی، سو وہ اپنے گلے کے کھچاؤ میں سے جس کے باعث اس کا دھیمت ناک طور پر رکھاتے ہوئے تھے: "چلا جا ہے کام پر..." اسے یقین نہیں تھا کہ وہ دونوں تعمیل کریں گے لیکن جب سموں نے اس کا کہنا مانا اور یوسپ سی ڈھیر کی طرف واپس مشین پر چلا گیا اور بدن اکڑے ہوئے درزی نے اپنی گرم ستری سنبھالی تو اس کا دل بھر آیا اور اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے، جیسے وہ بچوں سے مخاطب ہو، ان سے کہا، "اچھا، یاد رکھو، میں دیکھ رہا ہوں۔"

بعد از لباس فروش اپنی دکان کے سامنے میں تنہا کھڑا، سامنے کے دروازے کے شیشے میں سے مطلقاً کسی بھی شے کو نہ گھورتا ہوا، اپنے بالکل عقب میں موجود ان دونوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ سہ پہری گھاس و پہر کی دھوپ کرتوں اور بوسیدہ خوابوں کی ہولناک دنیا میں گم رہا۔ سموں نے اس کا سر چکرا دیا تھا۔ دل میں یہ دعا مانگتے ہوئے کہ جب تک وہ اپنی راحت پر بحال کا بوتا پا سکے کوئی گاہک دکان میں داخل نہ ہو، اس نے خود کو چوکھٹے کی کرسی پر گرا دیا۔ نہیں بڑھتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں موند لیں اور اپنی چشم تصور سے انھیں ایک دوسرے کے مسلسل تعاقب میں دیکھ کر اپنی کھوپڑی میں ایک ابدی دہشت کو جنم لیتا محسوس کیا۔ ان میں سے ایک، دوسرے کے پیچھے جس نے اس کے لوٹے ہوئے خوابوں کا ذخیرہ لیا تھا، کرتا پڑتا دیوانہ وار بھاگ رہا تھا، اور آگے جانے والا ہوا میں سر معلق اور دھواں دیتی ہوئی ہمت کے کنارے کنارے وہ ایک ہولی ڈھلوان چٹان پر چڑھ گئے۔ وہ ہاتھوں کی کشمکش میں ایک دوسرے سے گتھے ہوئے، وہ دونوں مگر پر اکھڑ سکتے رہے یہاں تک کہ ان میں سے ایک کا پیر پہاڑ میں پھسلا اور اس نے دوسرے کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لیا خالی ہاتھ آگے بڑھنے پر وہ اپنی گرتی ہوئی شکلوں سے صرف ہو کر چڑھتے اور مارکس، جو تماشائی تھا، ان کے مفقود ہونے پر آواز نکالے بغیر چیختا رہا۔

وہ کھوئے ہوئے سر کے ساتھ بیٹھا رہا یہاں تک کہ سوچوں نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا۔

جب وہ اپنے آپ میں آیا تو اس نے اس واقعے کو ایک طرح کے خواب کی صورت دے دی اور وہ کسی ناخوشگوار واقعے کے پیش آنے سے منکر ہو گیا۔ تاہم وہ جانتا تھا کہ ایسا ہوا ہے، ہولی نے اسے معمولی بات کا نام دے دیا۔ کیا اس نے اس کارخانے میں جہاں وہ امریکا آنے کے بعد کام کرتا تھا، لوگوں کے درمیان ایسی لڑائیاں بارہا نہیں دیکھی تھیں؟ معمولی باتوں کو سب بھول جاتے ہیں، خواہ وہ لمحاتی طور پر کیسی ہی شدید ہوں۔

تاہم کچھ ہی روز اور اس کے بعد ایک دن کے وقفے کے بغیر ہر روز، ان دونوں کی نفرت شدید اور پرشور جھگڑے کی صورت میں پھٹ پڑی جس سے کاروبار متاثر ہونے لگا۔ وہ بدتمیز آوازوں میں ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے۔ لیبل ڈوش نے قدر حیثیت ہو کر اس کے پیمائش کا فیتہ، جسے وہ پوشاک کی طرح شانوں پر پڑے رہنے دیتا تھا، ایک بار تو بیچ گردن میں لپیٹ لیا۔ گاہک اور لیبل ڈوش نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا اور ان کو جلدی جلدی ان کا ناپ سناتے رہے۔ گاہک جو عموماً پتلون کے بارے سے متعلق گفتگو کو طول دینا پسند کرتا تھا، ناپ دینے کے بعد تیزی سے رخصت ہو گیا تا کہ ان نفرت انگیز گالیوں کے سیل سے بچ سکے جو پچھلے کمرے سے یوں چھائی جا رہی تھیں کہ انہیں سامنے کے حصے میں بھی واضح طور پر سنا جا سکتا تھا، اس کی موجودگی کے باوجود بھی۔

وہ صرف ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہوئے دشنام طرازی ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ اپنی اپنی زبان میں بولتے باتیں بھی بڑبڑا رہے تھے۔ لیبل ڈوش سمجھ گیا کہ یوسپ چیخ چیخ کر کسی کے غصے سے اس کاٹ رہا ہے تک بات کرے گا، اور اس نے اندازہ لگایا کہ میسیو بھی ایسا ہی کچھ کہتا ہوگا، اور وہ بیک وقت دکھی اور مشتعل ہو گیا۔

وہ انہیں ہمیشہ ہی بار غصے میں آ کر اور بعض اوقات ایک ایک لفظ توجہ اور تحمل سے سنا کیونکہ لیبل ڈوش نیک دل ہونے کے علاوہ، جو اس کی آنکھوں سے عیاں تھا، بلیغ بھی تھا اور اس خصوصیت کے وہ دونوں شائق تھے۔ لیکن اس کے الفاظ، جو کچھ بھی تھے، بیکار گئے، کیونکہ جونہی وہ یہ بات ختم کر کے واپس مڑتا وہ دونوں پھر سے شروع ہو جاتے۔ زخم خوردہ ہار کر وہ دکان میں سمٹ جاتا اور سنہری عینک لگائے ہوئے، زرد چہرہ گھٹنے کے بیچ بیٹھا رہتا، یہاں تک کہ کام بند کرنے کا وقت آ جاتا یا وہ سب بھی کچھ کام کر رہے ہوتے اور گھر جانے کا وقت ہو جاتا۔

اس کی خواہش تو یہ تھی کہ انہیں جوتوں سمیت باہر نکال دے، لیکن وہ تصور نہ کر پایا کہ ایک ہفتے کے اندر وہ ان سے بہتر دو مددگار، جو ان دونوں جیسے ہنرمند اور ماہر ہوں، کہاں سے لائے گا۔ بعد ازاں ایک دن تنگ آ کر برداشت نہ ہونے پر اس نے ایک دوپہر، اسپیو کو، جب وہ کھانا کھانے جا رہا تھا، روک لیا، اسے سرگوشی کر کے ایک کونے میں لے گیا اور اس سے کہا: "سنو میسیو، دونوں میں تم سمجھدار ہو، مجھے بتاؤ کہ تم لڑتے کیوں ہو؟ تم ایک دوسرے سے نفرت کیوں کرتے ہو اور ایسے گندے گندے الفاظ

Scanned with CamScanner

کیوں استعمال کرتے ہو؟

اگرچہ درزی کو اس کا یوں سرگوشی کرنا اچھا لگا اور وہ لباس فروش کی مٹھیوں میں موم ہو گیا مگر ان چھوٹی چھوٹی نوازشوں کو پسند کرنے کے باوجود اس نے نظریں جھکا لیں اور اس کا چہرہ بری طرح سرخ ہو گیا۔ میں یا تو وہ جواب دینا ہی نہیں چاہتا تھا یا پھر دے نہیں سکا۔

جہاں تک مارکس یوری کا تعلق ہے وہ کانوں میں انگلیاں دیے گھٹنے کے نیچے بیٹھا رہا۔ اسی شام اس نے دکان سے باہر نکلتے استری والے کو روک کر اس سے کہا: مہربانی کر کے یوسپ، مجھے بتاؤ اس سے تمھیں کیا ملتا ہے؟ یوسپ، تم کیوں کرتے ہو؟ تمھارے پیچھے ایک بیمار بیوی اور بچہ کا ہے۔ ہاں یوسپ سے، جو کہ وہ لباس فروش کے لیے کام محسوس کرتا تھا اور پچھتاتی ہوتے ہوئے بھی بہت ہی [illegible] نہیں تھا، سے محض پسینے سوتے سوتے بازوؤں میں [illegible] اگرچہ اسے بڑی پھسلتی ہوئی پتلون، [illegible] کاٹ [illegible] رکھی تھی، بار بار سنبھالنی پڑتی تھی، وہ مارکس کو چھوڑ کر بے لطف سا ہونا چاہتا تھا۔ [illegible] اسے [illegible] اسے ایک طرف دھکیل کر [illegible] ناچتا ہوا باہر نکل گیا۔

جب اگلی صبح ان دونوں نے وہی گھٹیا سلسلہ پھر شروع کر دیا اور ایک کاٹ ہوا [illegible] تو مارکس غصے کرنے کی طرف لپکا۔ انھوں نے اپنی کام کی [illegible] روک دی کہ دونوں ٹھٹک چکے تھے اور اس سے لگے بیٹھے تھے۔ وہ مارکس کی بات سننے لگے جو کڑکتے اور روتے ہوئے [illegible]۔ لیکن جب مارکس نے مزید چیخنا چلانا چھوڑ دیا [illegible] کیا اور [illegible] لیے ہیں [illegible] وعظ کرنے لگا تو وہ اس طور پر متوجہ ہو گئے۔ وہ ایک دبلا [illegible] آدمی تھا [illegible] اس کے بدن پر جو تھوڑا بہت گوشت بچا تھا وہ [illegible] مہینوں میں [illegible] گیا تھا، اس کے بال سفید تھے جن کی وجہ سے اس کے سامنے [illegible] اور [illegible] تھا۔ وہ [illegible] کوئی بوڑھا [illegible] سب [illegible] تھا اور اس کے دونوں کاریگر اس کی تقریر [illegible] سن رہے تھے۔

یہ خطبہ اس کے باپ کے بارے میں تھا، جو [illegible] مولی [illegible] تھا، [illegible] کی بات تھی جب وہ سب بچے تھے اور چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں والے ایک [illegible] میں رہتے تھے۔ [illegible] لال [illegible] پر مشتمل تھا جس میں [illegible] کرنے اور [illegible] کی ایک [illegible] تھی۔ [illegible] ناقابل یقین حد تک غریب تھے۔ ایک موقعے پر تو [illegible] بلکہ [illegible] جس سے [illegible] کا پیٹ پھول گیا تھا۔ [illegible] بھوک کی شدت سے [illegible] دوسرے [illegible] کاٹ کھایا کرتے تھے۔

[illegible] غریب باپ [illegible] لمبی داڑھی تھی، [illegible] کے بیٹے [illegible] یوسپ کی آنکھوں میں [illegible] آنسو بھر آئے۔ میرے باپ نے کہا [illegible] تم غریب ہیں، تم [illegible] کہیں بھی [illegible] ابھی ہی رہیں گے۔ [illegible] کہ تم میں اس سے تو [illegible]، [illegible] تو۔۔۔ لیکن وہ [illegible]

Scanned with CamScanner

[illegible] کی بستری [illegible] اس نے پشت کرسی پر [illegible] ڈھیر ہو گیا جہاں بیٹھ کر [illegible] پڑھا کرتی تھی۔ [illegible] نے [illegible] چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا [illegible] جو اپنے گلے سے عجیب [illegible] کٹ کٹ کا شور پیدا کر رہا تھا، اپنا منہ پھیر لینا پڑا۔

[illegible] کسی [illegible] تم کبھی نہیں روئے۔

یوسپ [illegible] روتے ہوئے [illegible] اور [illegible] کی ہوئی آنکھوں کے ساتھ سنجیدگی سے [illegible] دیا۔

[illegible] سے رفاقت پر [illegible] دونوں کے سر پر ہاتھ پھیر کر رخصت ہو گیا، [illegible] اس کے عقب میں [illegible] ایک بار [illegible] دونوں کے خیال سے [illegible] ہو گئی۔

[illegible] دونوں کو [illegible] شامل [illegible] ایک بڑھئی نے اپنی [illegible] ایک ہوئی [illegible] اور ایک بار [illegible] ایک [illegible] ہوئی [illegible] وہ پورے ایک [illegible] تک [illegible] رہے۔ [illegible] ہوئی [illegible] کسی [illegible] ایک [illegible] تک موجود [illegible] یا [illegible] کے بعد تو [illegible] اور جب [illegible] وہ [illegible] آتے تو [illegible] ایک [illegible] کو [illegible] رات کے وقت [illegible] دیتا۔

ایک [illegible] کھول تو [illegible] میں [illegible] کا سیاہ [illegible] کسی [illegible] ہوئی [illegible] کی طرف [illegible] وہ [illegible] کو کنی سے پکڑ [illegible] وقت [illegible] پر [illegible] چھوڑ دیا، اس کی کلائی میں ایک بھورا سا گلابی زخم کھول دیا۔

[illegible] اور ان کے زخموں نے [illegible] نہیں کر لئے [illegible] ہوئے [illegible] ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

[illegible] تھی۔ [illegible] ہوئے [illegible] میں [illegible] بانی [illegible] وہ جو کچھ [illegible] سے [illegible] کر [illegible] تھیں [illegible] ٹوٹ گیا۔

حالاں کہ گرتے وقت صعیب یہودی کی آنکھیں پتھرا چکی تھیں مگر قاتل ان میں صاف پڑھ سکتے تھے:
میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ دیکھا تم نے؟

**

(انگریزی عنوان : The Death of Me)

برنارڈ مالامڈ

[illegible] سے ترجمہ: [illegible]

اُدھار

[illegible] کی [illegible] عمارتوں کی [illegible] وہ گلی [illegible] کہیں دریا کے آس پاس تھی مگر [illegible] سے [illegible] تھی [illegible] آسمان کا ایک ہی ٹکڑا [illegible] عمارت سے [illegible] کے طور پر کام کرتا تھا [illegible] ایک اور عمارت تھی [illegible] عمارت [illegible] جہاں [illegible] تھا [illegible] جس میں [illegible] اور [illegible] کی بیوی [illegible] پیسے کی چیزوں کا ایک [illegible] چلاتے تھے [illegible] دکان [illegible] ایک [illegible] سے زیادہ نہ تھی۔

[illegible] بتایا [illegible] دونوں [illegible]۔ [illegible] کی بیوی کی سمجھ میں آیا [illegible] دونوں سے [illegible] کے [illegible] ایک کارخانے کا [illegible] کی بیوی سے [illegible] طرف [illegible] اسٹور [illegible] سے وہ [illegible] عمارت میں [illegible] تھے [illegible] پوچھا: [illegible] بیوی سے [illegible] جواب دیا [illegible] یہ چھوٹی سی [illegible] سال زیادہ [illegible]

کے بعد انھوں نے فیصلہ کیا کہ یہ دکان کم سے کم روزی تو مہیا کر سکے گی۔ اس نے ریتا شلیگل کی نیلی آنکھوں میں جھانکا اور ریتا نے کہا کہ ہاں، امید تو ہے۔

اس نے ولی کو سڑک کے پار نئے آنے والے جوڑے کے بارے میں بتایا جنھوں نے یہودی سے دکان خرید لی تھی اور کہا کہ، موقع ہو تو، وہ لوگ وہاں سے خریداری کیا کریں۔ اس سے مراد یہ تھی کہ وہ معمول کی خریداری تو سیلف سروس والی دکان ہی سے کرتے رہیں لیکن جب کوئی چیز خریدنا بھول جائیں تو پاپیسا کی دکان سے لے لیا کریں۔ ولی نے وہی کیا جو اسے کہا گیا تھا۔ وہ چوڑی پیشانی والا طویل قامت شخص تھا۔ گونگے اور راکھ نے، جسے وہ بازوؤں پر بیلچے کی مدد سے ادھر سے اُدھر لیے جاتا رہتا تھا، اس کے بھاری چہرے پر سیاہ نشان ڈال دیے تھے، اور اس کے بال راکھ دانوں میں سے اڑتی گرد سے۔۔ جب وہ [illegible] میں لاوے [illegible] کے لیے [illegible] میں [illegible] ہوتا تھا۔۔ گرمی کی شدت [illegible] آتے تھے وہ ہر وقت [illegible] پسینے رہتا تھا۔۔ [illegible] شکایت تھی کہ اس کا کام کبھی ختم ہی نہیں ہوتا۔۔ اور جب بھی کسی چیز کی ضرورت پڑتی، سڑک پار [illegible] تہ خانے کی سیڑھیاں اتر جاتا اور پائپ سلگاتے ہوئے مسز پاپیسا کے پاس کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگتا، جب کہ مسز پاپیسا، جو ملتوں مسکراہٹ والا پستہ قد کمزور سا آدمی تھا، کاؤنٹر کے پیچھے [illegible] رہتا کہ دیر تک باتیں ہونے کے بعد ولی کو یاد آئے گا اور وہ ایک آدھ ڈالر قیمت کی کوئی چھوٹی موٹی چیز لے کر چلے گا۔ یہ سودا نصف ڈالر سے زیادہ کا کبھی نہیں ہوتا تھا۔ [illegible] ایک دن ولی نے یہ قصہ چھیڑ دیا کہ [illegible] کس طرح اسے مروقت تنگ کرتے ہیں اور [illegible] اور [illegible] اس پانچ [illegible] میں اس کے لیے کیسے کیسے کام نکالتا رہتا ہے۔ وہ [illegible] بیان میں مو [illegible] اس سے پہلے کہ [illegible] ہوتا، اس نے تین ڈالر کا سودا [illegible] کہ اس کے پاس صرف [illegible] سینٹ تھے۔ وہ ایک [illegible] لگتا تھا [illegible] کبھی خوب [illegible] ہو، لیکن مسٹر پاپیسا نے، تکلف کرنے کے بعد، [illegible] سے کہا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا [illegible]، پھر وہ جب چاہے دے سکتا ہے۔ [illegible] کہ ہر چیز اُدھار پر چلتی ہے، کاروبار [illegible] دوسری چیز [illegible] حقیقت نے سوا کیا ہے کہ لوگ [illegible] میں اور [illegible] کوئی [illegible] انسان ہے تو وہ کسی کو اُدھار دیتا ہے [illegible] کوئی دوسرا اسے دیتا ہے۔ [illegible] ولی کسی دکان دار کو ایسی باتیں کرتے کبھی نہیں سنا تھا [illegible] ڈھائی ڈالر کی [illegible] ولی نے [illegible] بعد [illegible] جب پاپیسا نے کہا کہ وہ جب چاہے اُدھار لے سکتا ہے تو اس نے اپنے پائپ کا [illegible] سے [illegible] اس نے [illegible] ہر قسم کی چیز خریدنے لگا۔

جب وہ سودا سلف لے کر [illegible] سے نکلتے [illegible] جاتی تو ریتا شلیگل کہ ضرور اس کا دماغ چل گیا ہے۔ ولی نے جواب دیا کہ اس نے ہر چیز کی قیمت بالکل ٹھیک ٹھیک نہیں دیا۔

لیکن [illegible] کیا تم نہیں دیکھتی کہ [illegible] ریتا چلائی۔ اور سیلف سروس والی دکان کی نسبت زیادہ قیمت دینی ہوگی۔ [illegible] ولی نے وہی بات کہی جو وہ ہمیشہ کہتی تھی: ہم غریب ہیں ولی،

Scanned with CamScanner

ہم بہت زیادہ خریداری نہیں کر سکتے۔"

ولی نے اس کے لہجے میں چھپی سچائی کو محسوس کر لیا تھا، مگر اس کے برا ماننے کے باوجود سڑک کے پار جا کر دکان سے خریداری کرتا رہا۔ ایک بار اس کی جیب میں دس ڈالر کا نوٹ تھا اور سودے کی رقم چار ڈالر سے بھی کم تھی، مگر اس نے واپسی کی کوشش نہیں کی اور چاہا تو یہی کہ کتاب میں رقم درج کر دی جائے۔ وہ بتا چکی تھی کہ اس کے پاس پیسے ہیں، اس لیے جب اس نے دکان سے خریداری کا ذکر کیا تو وہ چیخ اٹھی

"تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ جب تمہارے پاس پیسے ہیں تو دے کیوں نہیں دیتے؟"

اس نے جواب نہیں دیا مگر تھوڑی دیر بعد بولا کہ اسے ابھی کئی دوسری چیزیں بھی خریدنی پڑتی ہیں۔ وہ شکستہ دل سے گھر سے باہر گیا اور ایک چمکتے ہوئے پیکٹ کے ساتھ واپس آیا۔ اس نے پیکٹ کھولا جس میں موتیوں والا ایک سیاہ لباس تھا۔

پانچیا اس کو دیکھ کر چیخنے لگی۔ اس نے کہا کہ وہ اسے کبھی نہیں پہنے گی کیونکہ وہ اس کے لیے کوئی چیز تبھی خریدتا ہے جب اس نے کوئی غلط کام کیا ہو۔ اس کے بعد اس نے سودا سلف کی تمام خریداری ولی پر چھوڑ دی اور جب وہ دکان سے سامان لے کر آتا تو وہ کچھ نہیں بولتی تھی۔

ولی پانچیا کی دکان سے خریداری کرتا رہا۔ پس منظر میں وہ میاں بیوی اس کے انتظار میں بیٹھے رہتے تھے۔ وہ دکان کی دیوار کے ساتھ کے تین چھوٹے کمروں میں رہتے تھے اور جب مسز پانچیا اپنی کھڑکی میں سے اسے آتے دیکھتی تو فوراً دوڑ کر نیچے دکان میں پہنچ جاتی۔ ولی اپنے تہہ خانے میں سے نکل کر اوپر آتا، سڑک پار کرتا اور سیڑھیاں اتر کر نیچے سٹور میں چلا آتا۔ وہ دروازہ کھولتے ہوئے اس کا دروازہ کچھ دیر رکھتا۔ وہ جب بھی سودا لیتا تو وہ دو ڈالر سے کم رقم کبھی نہیں ہوتی تھی، اور کبھی کبھی تو پانچ ڈالر تک پہنچ جاتی تھی۔ جب پانچیا تمام چیزیں شمار کر کے ان کا حساب ایک دوسری پنسل سے لکھتے اور تھوڑی کاپی میں لکھ لیتا تو مسز پانچیا سودا ایک دوسرے تھیلے میں ڈال دیتی۔ ولی جب بھی اندر آتا، پانچیا اپنی کاپی کھولتا اور بڑی احتیاط سے پلٹتے ہوئے بہت سے ورق الٹ کر کاپی کے وسط میں ولی کے کھاتے پر پہنچ جاتا۔ جب سودا تھیلے میں ڈال دیا جاتا تو پانچیا سودے کو پنسل سے چھوتے اور اپنے آپ سے سرگوشی کرتے ہوئے رقم جوڑنا شروع کر دیتا۔ مسز پانچیا کی طرح نظریں جمائے وہ شمار کا تعاقب کرتی رہتیں یہاں تک کہ پانچیا حاصل جمع لکھ لیتا اور رقم کے نیچے لکیر کھینچ دیتا۔ یقین کرنے کے بعد ولی کا نام لکھتا اور پھر کاپی بند کر دیتا۔ جب تک کاپی کا شمار نہ ہو جاتا، ولی، جس کے ہونٹوں میں سگریٹ لٹکا رہتا، چپ چاپ کھڑا رہتا۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوتا اور تھیلوں کو بازوؤں میں تھامتے ہوئے، جنہیں سڑک کے پار جانا تھا، میاں بیوی کا شکریہ ادا کرتے اور وہ ہر بار رد کر دیتا، دکان سے باہر نکل جاتا۔

ایک دن جب کل رقم تیرہ ڈالر اور کچھ سینٹ ہو گئی تو پانیسا نے سر اٹھا کر ولی سے پوچھا کہ وہ حساب میں کچھ ادائیگی کب تک کر سکتا ہے۔ ولی نے اگلے ہی دن سے پانیسا کے ہاں سے خریداری کرنی چھوڑ دی، اور پھر رفتہ رفتہ دوبارہ پیتا ڈوریوں والا تھیلا اٹھائے سیلف سروس والی دکان سے سودا سلف لینے جانے لگی۔ دونوں میں سے کوئی، یا وہ بچہ کو ٹھار سے یا نمک کے ڈبے کے لیے بھی، جو وہ خریدنا بھول جاتے، سڑک کے پار نہیں جاتا تھا۔

پیتا جب سیلف سروس سے خریداری کر کے لوٹتی تو پانیسا کی دکان سے امکان بھر دور رہنے کے لیے سڑک کی بائیں طرف والی دیوار سے لگی ہوئی چلتی۔

بعد ازاں اس نے ولی سے پوچھا کہ کیا اس نے انہیں کچھ ادائیگی کی ہے۔

اس نے جواب دیا: نہیں۔

کب کرو گے؟

اس نے کہا وہ نہیں کہہ سکتا۔

ایک مہینہ گزر گیا، پھر اتفاق سے پیتا کا سامنا پانیسا سے ہو گیا اور اگرچہ مسز پانیسا سے، وہ ناخوش لگ رہی تھی۔ ادائیگی کے بارے میں کچھ نہیں کہا، مگر پیتا نے گھر آ کر ولی کو یاددہانی کرائی۔

مجھے پریشان مت کرو، وہ بولا۔ میری اپنی مشکل ہی بہت ہے۔

کیا مشکل ہے تمہیں، ولی؟

بدبختی، اس نے کہا اور وہ بدبختی کے مارے، وہ چیخا، اور زور سے دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔

جب وہ لوٹ کے آیا تو: میرے پاس ہے کیا جو میں ادائیگی کروں۔ کیا میری اپنی زندگی کا ہر دن خراب نہیں ہوتا؟

پیتا میز پر بیٹھی تھی۔ اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں پر رکھے ہوئے رو رہی تھی۔

کس چیز سے ادائیگی کروں؟ وہ چیخ کر بولا۔ اس کا چہرہ تلخی سے روشن ہو گیا اور اس کے ہونٹ سے تن گئے۔ اپنی ہڈیوں کے گوشت سے؟ اپنی آنکھوں میں اٹکی ہوئی اندھیرے سے؟ کیا پیشاب سے جو میں فرش پر صاف کرتا ہوں؟ یا بیچاروں کی اس ٹھنڈ سے جس کے ساتھ میں سوتا ہوں؟

اس نے پانیسا اور اس کی بیوی کے لیے شدید نفرت محسوس کی اور کبھی ادائیگی نہ کرنے کا عہد کیا۔ کیونکہ وہ ان سے نفرت کرتا تھا، جس طرح وہ ان سے ... ہو وہ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی تھی۔ اگر وہ کبھی بھی اس ذلیل آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تو وہ اسے فرش سے اٹھا کر اس کی بیزاری میں بھی ہڈیاں چٹخا دے گا۔

اس رات وہ باہر گیا اور پی کر مدہوش ہو گیا اور صبح تک واپس نہیں آیا، کیچڑ سے لتھڑے کپڑوں اور جیسی سرخ آنکھوں کے ساتھ جب وہ لوٹا تو پیتا نے بیٹے چار سالہ بچے کی تصویر، جو خناق میں مبتلا ہو کر ...

Scanned with CamScanner

تھا، اس کے آگے کر دی۔ ولی نے موٹے موٹے آنسو بہاتے ہوئے قسم کھائی کہ آئندہ ایک قطرہ بھی نہیں چکھے گا۔

ہر صبح جب وہ کوڑے دان قطار میں لگائے جاتا تو نظر اٹھا کر سڑک کے اس پار نہیں دیکھتا تھا۔

"اور دو اُدھار،" وہ طنزیہ نقل اتارتا۔ "اور دو اُدھار!"

پھر کشش زمانہ آگیا۔ مالک مکان نے حرارت میں کٹوتی کر دی، گرم پانی میں کٹوتی کر دی۔ اس نے ولی کے اخراجات کی رقم اور تنخواہ میں بھی کٹوتی کر دی۔ کرایہ دار مشتعل ہوئے۔ وہ کھڑکیوں سے ٹھنڈ کی شکایت دن بھر ولی کو شکایت کرتے اور ولی انہیں بتاتا کہ مالک مکان نے کیا حکم دیا ہے۔ انہوں نے محکمہ صحت والوں کو فون کیا لیکن جب انسپکٹر آئے تو انھوں نے کہا کہ عمارت گرچہ ہوائی زد پر ہے مگر درجہ حرارت کم سے کم قانونی حد کے اندر ہے۔ تاہم کرایہ دار ٹھنڈ کی شکایت پھر بھی کرتے رہے۔ وہ اس بارے میں ولی کو دن بھر پریشان رکھتے اور وہ کہتا کہ ٹھنڈ سے مجھے بھی لگتی ہے؛ اس کا کمرہ تو دو سرد ہوا ہے لیکن اس کی بات پر کوئی یقین نہیں کرتا تھا۔

ایک دن صفائی والے ٹرک میں لادے جانے کے لیے بارہ کوڑے دان قطار میں رکھنے کے بعد اس نے نظر اٹھائی تو مسٹر اور مسز پانیسا کو دکان میں سے اپنی طرف دیکھتے پایا۔ وہ سامنے والے شیشے کے دروازے میں سے اس پر نگاہیں باندھے ہوئے تھے؛ جب اس نے انہیں دیکھا تو پہلے اس کی آنکھیں دھندلا گئیں اور پھر وہ دونوں سے ڈھکے پروں والے دو سفید پرندوں کی طرح اڑ گئے۔

وہ گلی میں ایک دوسرے دروازے سے پانی لینے گیا اور جب واپس آیا تو انھیں وہیں دیکھ کر اسے لڑکی کے فرش سے پھوٹتی ہوئی بے رنگ بار بار جھاڑیوں کی یاد آگئی۔ وہ جھاڑیوں میں سے خالی دکانوں تک دیکھ سکتا تھا۔

موسم بہار میں جب گلی اس کے گھونسے پیادہ روؤں کی دراڑوں میں سے سر اٹھا رہے تھے، اس نے ایٹا کو بتایا: "میں صرف اس وقت کا منتظر ہوں جب پوری ادائیگی کر سکوں۔"

"کیسے، ولی؟"

"ہم پیسے جمع کر سکتے ہیں۔"

"کیسے؟"

"ہم مہینے میں کتنا بچاتے ہیں؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"تم نے کتنا چھپا رکھا ہے؟"

"اب تو کچھ بھی نہیں۔"

"میں تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کروں گا۔ یسوع کی قسم، میں ادا کروں گا۔"

مشکل یہ تھی کہ کوئی تدبیر کسی جانب سے بھی بن نہیں پا رہی تھی۔ بعض اوقات جب وہ پیسہ حاصل

کرنے کے مختلف طریقوں کے بارے میں سوچتا تو اس کا خیال آگے آگے دوڑتا اور وہ دیکھنے لگتا کہ وہ ڈلیوری کرتے ہوئے کیسا لگے گا۔ وہ نوٹوں کی گڈی کو ربڑ کی ایک چوڑی پٹی میں لپیٹ کر سیڑھیاں چڑھے گا اور سڑک پار کرے گا، پانچ سیڑھیاں اتر کر دکان میں جائے گا؛ وہ پانیسا سے کہے گا: "یہ رہی رقم، بڑے میاں، اور میں شرط لگاتا ہوں، تم نہیں سمجھتے تھے کہ میں ڈلیوری کروں گا، اور میرا خیال نہیں کہ کوئی اور بھی یہ سمجھتا ہو۔ بعض وقت تو میں خود بھی یہ سمجھتا تھا۔ لیکن یہ رہے ربڑ کی پٹی میں بندھے نوٹ، تمہاری رقم۔" اس نے گڈی دی، تو میں اٹھ کر تھوڑی دیر تولنے کے بعد کاؤنٹر کے وسط میں اس طرح رکھی گویا بساط پر مہرہ چلنے جا رہا ہو۔ کمزور سے آدمی اور اس کی بیوی، دونوں نے ایک ایک گڈی سے نوٹ پر خوشی اور اطمینان جھلکیں مارتے ہوئے رقم گنی۔ وہ حیران تھے کہ اتنے سارے نوٹ اتنی چھوٹی سی گڈی میں سما کیسے گئے۔

یہ وہ خواب تھا جو ولی دیکھا کرتا تھا، لیکن اس خواب کی تعبیر وہ کبھی نہ پا سکا۔

مگر وہ اس خواب کو پورا کرنے کے لیے محنت کرتا تھا۔ وہ جلدی بیدار ہوتا اور تہ خانے سے چھت تک کی سیڑھیاں صابن اور ایک سخت برش سے رگڑتا۔ پھر ان پر گیلا پوچا لگاتا یہاں تک کہ وہ پیچ و خم راستے میں نیچے تک چمکنے لگتیں۔ وہ الماری میں سے ڈبے والے ڈبوں کو دھاتی پالش اور نرم کپڑے سے رگڑتا یہاں تک کہ وہ ایسے ہو جاتے کہ آدمی ان میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔ وہ ان میں اپنا بھاری چہرہ داب کی میں رکھی ہوئی ان کی سنہری مونچھوں اور اس زرد فلیٹ کی ٹوپی کے ساتھ دیکھتا جو ایک کرایہ دار جاتے ہوئے کاٹھ کباڑ کے ساتھ ہی الماری میں چھوڑ گیا تھا۔ پیتا اس کی مدد کرتی اور وہ پورے تہ خانے اور تاریک احاطے کی صفائی کرتے جہاں کوڑے کے ڈبے کی ڈوریاں ایک دوسرے سے الجھتی ہوئی بندھی ہوتی تھیں۔ وہ سنک پر پانی سے لے کر مرمت کی ہر قسم کی درخواست، چاہے وہ ناپسندیدہ کیوں نہ ہو، کرایہ داروں کی طرف سے کیوں نہ ہو، تیزی سے نمٹاتے۔ وہ ہر روز کام کرتے کرتے تھکن سے چور ہو جاتے لیکن، جیسا کہ وہ شروع ہی سے جانتے تھے، زائد آمدنی ناپید رہی۔

ایک صبح جب ولی ڈاک کے ڈبوں کو چھانٹ رہا تھا، اسے اپنے ڈبے میں ایک خط ملا جو اس کے نام تھا۔ اس نے ٹوپی اتار کر خط کھولا اور کاغذ کو روشنی کی جانب کر کے کانپتی ہوئی آنکھوں سے پڑھنے لگا۔ خط مسز پانیسا کا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ اس کا شوہر بیمار ہے اور گھر میں پیسے نہیں ہیں۔ اس لیے کیا وہ فی الحال صرف دس ڈالر دے سکتا ہے، باقی رقم بعد میں آتی رہے گی۔

اس نے خط پھاڑ دیا اور دن بھر تہ خانے میں چھپا رہا۔ اس شب پیتا نے، جو اسے گلیوں میں تلاش کرتی رہی تھی، اسے بھٹی کے پیچھے پائپوں کے درمیان پایا۔ اس نے پوچھا کہ وہ وہاں کیا کر رہا ہے۔

ولی نے خط کے بارے میں بتایا۔

"چھپنے سے تمہارا مسئلہ کبھی حل نہیں ہو گا،" وہ مایوسی سے بولی۔

"پھر کیا کرنا چاہیے مجھے؟"

"میرے خیال میں سو جانا چاہیے۔"

وہ سو گیا لیکن اگلی صبح اٹھ کر بستر سے نکلا، ڈنگری چڑھائی اور کندھوں پر اوور کوٹ ڈالتا ہوا گھر سے باہر دوڑ گیا۔ سڑک کے پاس سے ایک گروسری کی دکان مل گئی جہاں کوٹ کے عوض اسے دس ڈالر مل گئے۔ وہ خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا۔

لیکن جب وہ دوڑتا ہوا واپس آیا تو اس نے سڑک سے پار ایک میت گاڑی یا ایسی ہی کوئی چیز دیکھی۔ سیاہ لباس میں دو آدمی چیڑ کا چھوٹا اور تنگ تابوت مکان میں سے باہر لا رہے تھے۔

کون موت ہوئی ہے؟ کوئی بچہ؟ اس نے ایک کرایہ دار سے پوچھا۔

نہیں، مسٹر پانیسا نامی ایک آدمی گزر گیا ہے۔

ول سنگ ہو گیا۔ اس کا گلا ہڈی میں تبدیل ہو چکا تھا۔

جب چیڑ کا تابوت راہداری سے دروازوں میں سے بمشکل باہر نکل چکا تو مسز پانیسا جو سب کے لئے اجنبی تھی، تنہا باہر آ گئی۔ ول نے اپنا چہرہ پھیر لیا، حالانکہ اس کا خیال تھا کہ اس کی گھنی مونچھوں اور گرد ٹوپی کی وجہ سے وہ اسے پہچان نہیں سکے گی۔

موت کیسے ہوئی؟ اس نے کرایہ دار سے سرگوشی کی۔

میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔

لیکن تابوت کے عقب میں چلتی ہوئی مسز پانیسا نے سن لیا تھا۔

بڑھاپے سے، اس نے پلٹ کر چیختی آواز میں جواب دیا۔

ول نے اس سے کوئی بات کہنے کی کوشش کی، مگر اس کے منہ میں زبان یوں لٹکی ہوئی تھی جیسے کسی درخت پر مردہ پھل اور اس کا دل ایک تختہ سیاہ کھڑکی سے بند تھا۔

مسز پانیسا پہلے ایک شادی شدہ بیٹی کے ساتھ اور پھر دوسری کے ساتھ رہنے چلی گئی۔ اور ادھار کبھی ادا نہیں ہوا۔

**

(انگریزی عنوان : The Bill)

برنارڈ مالامڈ

انگریزی سے ترجمہ: زاہد منظر

زندگی غنیمت ہے

[illegible] کو وہ آدمی [illegible] سال سے تین دن سے یاد ہے۔ کبھی کبھار وہ [illegible] ارد گرد نظر دوڑاتی ہوئی وہ ایک پرانی سی قبر کے سرہانے کھڑی تھی، جب کہ [illegible] ہاتھ میں تسبیح لیے، اپنے شوہر ریمنڈ کے ابدی سکون کے لیے دعا کر رہی تھی۔ بعض اوقات وہ یہ دعا کرتی کہ اس کا شوہر کروٹ بدلے اور اسے بھی اپنے پہلو میں لیٹ جانے دے۔ نومبر کا دوسرا دن تھا اور [illegible] ہوئے قبرستان میں یوم ارواح منایا جا رہا تھا۔ وہ زرد پھولوں کا دستہ قبر پر رکھ چکی تو جھک کر پڑھنے لگی۔ ریمنڈ کو یہ قبر کبھی نصیب نہ ہوتی اگر اس کا ایک [illegible] ڈاکٹر [illegible] نہ ہوتا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اگر یہ بچہ نہ ہوتا تو ریمنڈ کس دن [illegible] سے کہیں کم [illegible] کوشش کر رہی، گو وہ اس کی جلائے جانے کی خواہش کی، جس کا اظہار وہ [illegible] کیا کرتا تھا، مخالفت کرتی۔

یہ ایک معمولی اجرت کے عوض ایک [illegible] کے ہاں کام کرتی تھی، اور ریمنڈ نے اپنے پیچھے پیسے کی کوئی رقم نہیں چھوڑی تھی۔ نومبر کی مغموم دھوپ میں کھلے ہوئے بڑے بڑے روشن پھولوں کے نظارے سے اس کا دل بھر آیا اور آنسو بہنے لگے۔ ہرچند کہ اس طرح رونے سے وہ بخار کی سی کیفیت محسوس کرنے لگتی تھی مگر پھر بھی خوش تھی کیونکہ رونا ہی وہ واحد عمل تھا جو سکون بخش تھا [illegible] مکمل [illegible] ریمنڈ کا [illegible] تھا [illegible] آنکھوں کے [illegible] سرخ تھے اور اس کے گرد سیاہی مائل حلقے پڑے ہوئے تھے۔ اس کی [illegible] ریمنڈ [illegible] تھے۔ ریمنڈ کی حادثاتی موت کے بعد سے، جس کو اب سال سے چند ماہ اوپر ہو گئے تھے، وہ تقریباً ہر روز [illegible] کی

طویل سفر کے دوران، اس کی کمر درد ہونے لگی تھی۔ وہ ... سے منتشر اور اس کی یاد میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہفتے میں دو بار وہ اعتراف کے لیے جاتی اور ہر اتوار کو عشائے ربانی میں شرکت کرتی۔ وہ لا ... یہودی ... ان میں ... کے لیے شمعیں جلاتی اور ہفتے میں ایک بار ... کبھی تھوڑے زیادہ پیسے ہوتے تو کئی بار عبادت کرتی۔ جب وہ ... فلیٹ میں لوٹتی، جہاں وہ اب تک رہتی تھی اور ... نہیں کر سکتی تھی ... کسی ... کا ... کے بارے میں سوچا کرتی۔ وہ اس کے ... میں ... کی ... موت سے ... وقت کی ... ہوتی۔ وہ ہمیشہ ... کی ... محسوس کرتی اور بہت کم ... تھی۔

... نے ... تھی ... سے ... تھی ... ایک ... اور ایک سیاہ چھتری کھول لی۔ وہ ... سے ... آدمی، ... سیاہ ... اور ... سیاہ ... اور ... تھا۔ ... چند ... چھوٹے چھوٹے ... کی ... ہلکی ... تھی۔ ... کے ... بیٹھ ... وہ ... کا ... آدمی تھا اور اس کی ... نہیں ... آتی تھیں۔ ... ہوتے تھے، ... وہ خوش شکل تھی۔

آپ نے ... سے ... کو ... سے ... کے لیے ... آنکھیں رکھتے ہوئے ہونٹوں ہی میں پوچھا۔

ریتا نے اثبات میں جواب دیا۔

اس نے ... کی طرف ... سے ... وہ ... میری بیوی۔ ایک دن جب میں کام پر تھا، وہ اپنے عاشق سے ملنے کی جلدی میں ... ایک ... سے ... گئی۔ وہ ... کی ... میں ... تھیں۔

ریتا نے ... کو ... سے ... دیکھا ... وہ ... رہے ... نے جھکتے ہوئے ... اپنی ... سے ... آنسو ... کی ... ۔

سیزار ... ہوتا ... اس نے ... میں ... اور گھمبیرتا سے قبول کرتے ہوئے ... اتنا بلند کر لیا کہ دونوں کے لیے کافی ہو جائے۔

ریتا ... کی ... اس ... کی ... تھوڑی تھی۔

وہ ... کی طرف ... آہستہ آہستہ چلنے لگے جس کے دونوں طرف ... تھے۔ ریتا ... اس کی کہانی سے اس قدر متاثر ہوئی کہ ہمدردی کا ایک جملہ بھی نہیں کہہ سکی۔

... کی ... ہے ... بات ... کم ہوتی ہیں۔

وہ ... ہوئے ذرا سا مسکرائی۔

Scanned with CamScanner

بس اسٹاپ پر سڑک کے اس پار ایک شراب خانہ تھا جہاں سائبان کے نیچے میزیں پڑی تھیں۔ میر رضا نے کافی یا آئس کریم کی تجویز پیش کی۔

ریتا نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ انکار کرنے ہی والی تھی کہ میر رضا نے دوستانہ تاثر سے اس کا خیال بدل دیا اور وہ اس کے ساتھ سڑک کے پار چلی گئی۔ اس نے آہستگی سے ریتا کی کہنی پکڑتے ہوئے اس کی رہنمائی کی اور دوسرے ہاتھ سے مضبوطی کے ساتھ دونوں پر چھتری تانے رہا۔ ریتا نے کہا کہ اسے ٹھنڈ لگ رہی ہے اور وہ اندر چلے گئے۔

اس نے اپنے لیے ایسپریسو کافی منگوائی مگر ریتا نے ایک پیسٹری پر اکتفا کیا جسے وہ نزاکت کے ساتھ کانٹے سے کھاتی رہی۔ سگریٹ کے کش لیتے ہوئے وہ اپنے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ اس کی آواز دھیمی تھی اور اس کے بولنے کا ڈھب ... تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ غیر ملازم ... ہے۔ اس سے پہلے وہ ایک سرکاری دفتر میں کام کرتا تھا لیکن کام اکتا دینے والا تھا، سو اس نے بددل ہو کر استعفیٰ دے دیا حالانکہ وہ ڈائریکٹر کے عہدے پر ترقی پانے والا تھا۔ ... میں کنسلٹنسی کی ڈائریکٹری کرتا۔ اب وہ امریکا جانے کے خیال سے کھیل رہا تھا۔ بوسٹن میں اس کا ایک بھائی تھا جو چاہتا تھا کہ وہ چند ماہ آ کر وہاں رہے اور پھر فیصلہ کرے کہ آیا مستقل طور پر ترکِ وطن کرنا چاہتا ہے یا نہیں۔ بھائی کا خیال تھا کہ میر رضا کے لگاؤ کے رشتوں ... پیچھے کا ... درست کیا جا سکتا ہے۔ اس نے اس بارے میں سوچا تھا مگر ایک طرح کی ... سے، دوسری طرح کی زندگی کی خاطر ... ناتا توڑنے پر خود کو آمادہ نہ کر پایا تھا۔ اسے یہ بھی لگتا تھا کہ وہ وہاں جا کر بھی بیوی کی قبر پر دعا مانگنے کو ترسا کرے گا۔ "آپ جانتی ہیں، جس سے محبت رہی ہو،" اس نے کہا، "اس کے بارے میں کیسا محسوس ہوتا ہے۔"

ریتا نے بیگ میں سے اپنا رومال ٹٹول کر نکالا اور اس سے اپنی آنکھوں کو چھوا۔

"اور آپ؟" میر رضا نے ہمدردی سے پوچھا۔

ریتا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے خود کو اپنی کہانی سناتے ہوئے پایا۔ گو اس نے برسوں کے ساتھ ... کسی اور کو کبھی نہیں سنائی تھی، یہاں تک کہ کسی دوست کو بھی نہیں۔ سو وہ یہ کہانی ایک اجنبی کو سنا رہی تھی، کیوں کہ وہ ایسا آدمی نظر آتا تھا جو اسے سمجھ لے گا۔ اور اگر بعد میں اسے پچھتاوا بھی ہوا تو اس سے کیا فرق پڑے گا، وہ تو جا چکا ہو گا۔

ریتا نے اعتراف کیا کہ اس نے اپنے شوہر کو مرنے کی بددعا دی تھی۔ میر رضا نے اپنی کافی کی پیالی رکھ دی اور اس کے بولنے کے دوران ہونٹوں میں سگریٹ دبائے، کش لیے بغیر، بیٹھا رہا۔

ریتا نے بتایا کہ ارمندو کو اپنی ایک عم زاد سے محبت ہو گئی تھی جو نوکری کے لیے گرمیوں میں ... سے روم آئی ہوئی تھی۔ اس کے باپ نے تجویز کیا تھا کہ وہ ان کے گھر ٹھہرے، اور ارمندو اور ریتا نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد طے کیا تھا کہ اسے کچھ عرصے کے لیے پے انگ گیسٹ رکھ لیں۔ اس سے ملنے والا کرایہ جمع کر کے وہ ایک پرانا ٹی وی خرید لیں گے تاکہ ... ٹی وی پروگرام دیکھ سکیں جو

Scanned with CamScanner

ہر خوبصورت لی شب روم کا ہر شخص دیکھتا ہے، وہ یوں بابسمیدہ پڑوسیوں کی دعوت کے انتظار اور اسے قبول کرنے کی ہمت سے پہلے آپ کو پا سکیں۔ سو تم ... اس کا نام لورا ساندو تھا، آ گئی۔ وہ مجھے خوبصورت بالوں اور بڑی بڑی آنکھوں والی نیپلز سے بڑی کی شادی ... خوب صورت لڑکی تھی۔ وہ بچپن میں سونے پر سوتی تھی، عادات و اطوار کی اچھی تھی اور کئی سال سے پہلے اور بعد میں باورچی خانے کے کام میں ہاتھ بٹاتی رہتی تھی۔ ریتا اسے پسند کرتی تھی تاوقتیکہ اس نے دیکھا کہ ارماندو لڑکی پر لٹو ہو گیا ہے۔ پھر اس نے اسے چھٹکارا پانے کی کوشش کی۔ ارماندو نے دھمکی دی کہ اگر اس نے لورا کو پریشان کیا تو وہ گھر سے چلا جائے گا۔ ایک دن ریتا کام سے گھر لوٹی تو اس نے ان دونوں کو اپنی شادی کی مسہری پر برہنہ پایا۔ وہ چیخی چلائی اور روئی۔ اس نے لورا کو خوبصورت رنڈی کہا اور قسمیں کھائیں کہ اگر وہ اسی وقت گھر سے نہ نکلی تو وہ اسے ہلاک کر دے گی۔ ارماندو پشیمان تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ لڑکی کو واپس نیپلز بھیج دے گا اور اس سے ملے گا۔ ریتا اسٹیشن جا کر لڑکی کو ٹرین میں سوار کر آئی۔ لیکن ارماندو کی اس کی وحشت سے باہر تھی۔ ... ہونے لگا اور اس کی حالت قابل رحم ہو گئی۔ ایک ستمبر کی رات ارماندو خود اعتراف کر لیا کہ وہ ان سالوں میں ... لیکن اس سے ملنے جاتے وہ لڑکی کو پہلے سے بھی زیادہ شدت سے چاہنے لگا۔ ایک ہفتے بعد اس نے ریتا کو بتایا کہ وہ اپنی ماں سے ملنے اور اسے واپس روم لانے جا رہا ہے۔

"اگر تم اس رنڈی کو یہاں لائے،" ریتا چلائی، "تو میں سینٹ سے دعا کروں گی کہ تم یہاں پہنچنے سے پہلے ہی مر جاؤ۔"

"یہ بات ہے،" ارماندو نے کہا، "تو دعا کرنا شروع کر دو۔"

وہ گھر سے نکلا تو ریتا گھٹنوں کے بل گر گئی اور اس کی موت کی دعا کرنے لگی۔

اس رات ارماندو ایک دوست کے ساتھ لورا کو لینے گیا۔ دوست کے پاس ایک ٹرک تھا اور وہ سبھی جب ارماندو اور لورا ... دو دن بعد نیپلز سے روم آ رہے تھے ... ٹرک ... بیٹھ گیا۔ کچھ دیر ارماندو نے ٹرک چلایا، پھر ... سے چلنے لگی اور وہ ... ٹرک کے پیچھے بیٹھ گیا۔ ... پہاڑیاں ... تھیں۔ ٹرک سڑک ... ایک ... سے ... ٹکرا گیا۔ ارماندو، جو ٹرک کے پیچھے بیٹھا تھا، ... دوست سے ... سڑک پر ... پہاڑی پر سے لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا۔ لڑھکتے لڑھکتے نیچے پہنچنے سے پہلے ہی وہ مر چکا تھا۔ ریتا نے جب یہ خبر سنی تو اسے غش آ گیا اور وہ ... بعد اس نے خود اپنی موت کی دعا کی تھی اور ... کرتی تھی۔

... دوسری ... کی طرف پھیر لی، حالانکہ وہ ... تھیں، ... خاموشی سے رونے لگی۔

تھوڑی دیر بعد سیزر نے اپنے سگریٹ کا سرا مسل دیا۔ "دیکھو تو، سٹیورا، اگر خدا میرے شوہر کو زندہ رکھنا چاہتا تو وہ اب تک جی رہا ہوتا۔ دعاؤں کا صورت حال سے بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ میری سوچ کے لحاظ سے یہ تمام رولو مکس کا تعلق سے زیادہ نہیں ہے۔ مذہب سے بہت زیادہ تعلق نہ رکھنا ہی بہتر ہوتا ہے ورنہ مذہب خاصا تکلیف دہ بن جاتا ہے۔"

"دعا تو دعا ہوتی ہے،" وہ بولی۔ "میں اپنی دعا کی وجہ سے مصیبت جھیل رہی ہوں۔"

سیزر نے اپنے ہونٹ دبائے۔ "لیکن ان معاملات پر کون حکم لگا سکتا ہے؟ یہ کہیں ہماری سمجھ کی نسبت زیادہ پیچیدہ ہیں۔ میں نے اپنی بیوی کے سلسلے میں اس کے مرنے کی دعا نہیں مانگی تھی، لیکن مجھے اعتراف ہے کہ میں ایسا کر سکتا تھا۔ کیا میں تم سے بہتر صورت حال میں ہوں؟ میری دعا نامراد تھی۔ تمہارے دل پر ایسا کوئی بوجھ نہیں ہے۔ یہ اس سے کہیں بدتر ہے جو تم نے تصور کیا ہو گا۔

یہ صرف ایک تکنیکی معاملہ ہے، سٹیورا۔"

"اگر رماندو زندہ رہتا، وہ ایک سبزے کے مانند ہوتا، تو مجھے اور کتنے سال کا ہونا۔ میں ایک سال بڑی ہوں لیکن اب میری زندگی لاحاصل ہے۔ میں اس سے جا ملنے کا انتظار کر رہی ہوں۔"

وہ اپنا سر ہلاتے ہوئے متاثر نظر آ رہا تھا۔ اس نے ریتا کے لیے ایسپریسو کافی منگوائی۔

اگرچہ ریتا اب رونا دھونا بند کر چکی تھی، وہ محسوس کر رہی تھی جیسے یہ بوجھ کافی حد تک کم محسوس ہو رہا تھا۔

سیزر نے اسے اس ہفتے ہوٹل سے باہر جب چاہا تو ملنے پر رضامند کرتے ہوئے کسی کیفے میں ملنے کی تجویز پیش کی، کیوں کہ دونوں میں بہت کچھ مشترک تھا۔

"میں تو راہباؤں کی طرح رہتی ہوں،" وہ بولی۔

اس نے اپنا ہیٹ اوپر اٹھایا۔ "خدا حافظ۔" وہ ایسا اس مہربانی سے کہ جیسے اس پر ٹیک دی۔

اس رات جب وہ گھر لوٹی تو رماندو کے بغیر جیسے ان دنوں پھر سے لوٹ آئی۔ اسے ان دنوں کا رماندو یاد آنے لگا جب ان دونوں کی شادی نہیں ہوئی تھی، اور اس کے بارے میں سیزر سے باتیں کرنے پر وہ بے چینی محسوس کرنے لگی۔ اس نے اپنے آپ سے وعدہ کیا، کہ وہ اپنی ندامت جاری رکھنے کا عہد کرتی ہے جب تک رماندو پر رحم کیا جائے

ریتا سے ملنے کے بعد ایک اتوار کی سہ پہر سیزر اسے ہوٹل پر ملا۔ اس نے ریتا کا نام اپنی چھوٹی سی نوٹ بک میں لکھ لیا تھا اور بجلی کی کمپنی میں کام کرنے والے ایک دوست کی مدد سے وہ یہ جان گیا تھا کہ ایک عمارت میں اس کا گھر ڈھونڈ لیا تھا۔

جب اس نے ریتا کے دروازے پر دستک دی تو وہ اسے دیکھ کر حیران ہو گئی۔ خوشی سے اس کا رنگ سرخ ہو گیا، حالاں کہ وہ شک میں پڑ کر جھجک سا گیا تھا۔ اس نے کہا کہ اسے اس کا گھر محض اتفاق سے معلوم ہو گیا

ہے، اور ریتا نے کوئی تفصیل نہیں پوچھی۔ مسٹر رے ایک چھوٹا سا گلدستہ لایا تھا جو اس نے مسکراتے ہوئے قبول کر لیا اور پانی میں رکھ دیا۔

"آپ بہتر لگ رہی ہیں، مسز سنیورا،" اس نے کہا۔

"ریمانڈو کے لیے میرا سوگ ابھی جاری ہے،" وہ اداسی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"جانتا ہوں،" اس نے نرمی سے اپنا موٹا کان کھجاتے ہوئے مشورہ دیا، "آپ ابھی جوان ہیں اور پھر مشکل بھی نہیں۔ آپ کو اس بات کا ادراک کرنا چاہیے۔ خود مختاری کے بھی فائدے ہیں۔"

ریتا نے کافی بنائی اور مسٹر رے خوش ہو کر ٹوسٹ اور کچھ پیسٹریاں لے آیا۔

کافی پیتے ہوئے اس نے بتایا کہ اگر حالات جلد بہتر نہ ہوئے تو وہ باہر چلا جائے گا۔ تھوڑے توقف کے بعد اس نے کہا کہ اس نے طے کر لیا ہے کہ وہ مرنے والی کو اس کے حصے سے زیادہ وقت دے چکا ہے۔ جب سے اس کی بیوی مری ہے اس کو کبھی کسی سے ملنے کا خیال آتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے جب آدمی کو زندگی کی طرف لوٹنا پڑتا ہے۔ یہ فطری بات ہے۔ زندگی وہیں ہوتی ہے جہاں زندگی ہو۔

ریتا نے نظریں جھکا لیں اور کافی کی چسکیاں لیتی رہی۔

مسٹر رے نے دستانے پہنے، ٹوپی اور مفلر لگایا۔ اس نے کوٹ پہنا اور ریتا کا شکریہ ادا کیا۔ اور کوٹ کے بٹن لگاتے ہوئے اس نے کہا کہ اگر اس دوران میں آنا ہو تو وہ اس کے ہاں پہنچ جائے گا۔ اس کا ایک صحافی دوست پاس ہی رہتا ہے۔

"یہ سب خوب ہے لیکن میں کسی سے ملتی نہیں ہوں،" ریتا نے کہا۔

اس نے ریتا کو غور سے مسکراتے دیکھا۔ "یہ کون محسوس کر سکتا ہے، مسز... جب تک آپ سوگ میں ہیں، کون اسے بھولنا چاہے گا؟"

"آپ میری بات سمجھ رہے ہیں،" وہ اس شخص کو جیسے وضاحت کر رہی ہو۔

"جانتا ہوں،" اس نے کہا، "ہم دونوں کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ وہ دونوں مر گئے اور مصیبت ہم اٹھا رہے ہیں۔ جب سے میری بیوی گئی ہے، دکھ میں اکیلا رہ گیا ہوں۔"

"خدا سے وہ بھی تکمیل چاہتے ہیں۔ اگر ریمانڈو کو میرے جذبات کا پتا ہو تو میں نہیں جانتی کہ وہ میرے متعلق کیا سوچتے۔ میں تو یہ محسوس کرتی ہوں کہ میں اب بھی اس کی منکوحہ ہوں۔" ریتا کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"وہ مر چکا ہے، مسز سنیورا۔ آپ کی شادی ختم ہو چکی ہے،" مسٹر رے نے کہا۔ "اس کی موجودگی کے بغیر شادی کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔ ہاں، اگر آپ دوبارہ زندگی کی آمد کی امید ہو تو اور بات ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولتا رہا۔ "اس کے دنیا سے جانے کے بعد آپ کی ضرورتیں ایک زندہ آدمی کی ضرورتوں سے مختلف نہیں۔ آپ ایک صحت مند عورت ہیں۔ تمہیں حقائق کا سامنا کرنا چاہیے۔"

"روحانی طور پر نہیں،" ریتا جلدی سے بولی۔

Scanned with CamScanner

روحانی طور پر بھی اور جسمانی طور پر بھی۔ مرنے کے بعد محبت نہیں ہوتی۔

وہ شرم سے سرخ ہو گئی اور مضطرب ہو کر بولی: "مرے ہوؤں کی محبت ہوتی ہے۔ اسے محسوس ہونا چاہیے کہ جس طرح وہ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہا ہے بالکل اسی طرح میں بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہوں۔ میں نے دوسری دنیا میں اس کی مدد کرنے کے خیال سے اپنے آپ کو پاک کیا ہے۔ اسے یہ بات محسوس ہونی چاہیے۔"

سیزارے نے سر کو جنبش دی اور رخصت ہو گیا، لیکن اس کے چلے جانے کے بعد بھی ایتا مسلسل بے چینی محسوس کرتی رہی۔ وہ اضطراب کے عالم میں تھی اور اپنی ہیبت نہ کم کرنے سے قاصر۔ اگلے دن جب وہ ارماندو کی قبر پر گئی تو وہاں معمول سے زیادہ دیر ٹھہری۔ اس نے خود سے عہد کیا کہ سیزارے سے دوبارہ نہیں ملے گی۔ اگلے ہفتوں میں وہ قدرے بحال ہو گئی۔

کوئی مہینے بھر بعد ایک شام صوفی پھر آیا۔ ایتا کو اندازہ تھا کہ دروازے میں کھڑی ہو کر وہ اسے نہیں بلائے گی۔ اس کے آنے کی صورت میں اس نے اپنے آپ کو تصور میں یہی کرتے دیکھا تھا۔ لیکن سیزارے نے، جس کا ہیٹ اس کے ہاتھ میں تھا، تھوڑی سی چہل قدمی کی تجویز پیش کی۔ یہ تجویز اتنی شائستہ لگ رہی تھی کہ وہ مان گئی۔ وہ دونوں قبرستان پر ٹہلنے لگے۔ ایتا اپنے سب سے نیچی ایڑی کے جوتے پہنے تھی اور سیزارے بے جھجک باتیں کر رہا تھا۔ اس نے پیٹنٹ لیدر کے چھوٹے جوتے پہن رکھے تھے اور چہل قدمی کے دوران سگریٹ پی رہا تھا۔

دسمبر کے ابتدائی دن تھے اور ابھی سردیوں سے زیادہ خزاں تھی۔ چند درختوں پر چند پتے لگے ہوئے تھے اور ہوا ایک ملائم سی دھند سے بوجھل تھی۔ سیزارے نے تھوڑی دیر سیاسی صورت حال پر بات کی لیکن وینیتو میسولینی کے ایک شراب خانے میں ایک ایسپریسو کافی کے بعد، واپس آتے ہوئے اس نے وہی موضوع چھیڑ دیا جس سے ایتا بچنا چاہتی تھی۔ وہ اچانک بے چین ہو گیا اور جو کچھ کہنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا اسے بیان کرنے سے قاصر نظر آنے لگا۔ اس کی آواز میں شدت، اشاروں میں بے چینی اور سیاہ آنکھوں میں اضطراب تھا۔ اگرچہ اس کے یوں پھٹ پڑنے سے ایتا ڈر گئی لیکن اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ تھی۔

"ایتا،" وہ بولا۔ "تمہارا شوہر جہاں کہیں بھی ہے تم یہ کفارہ اپنے اوپر لے کر اس کی مدد نہیں کر رہی ہو۔ اس کی مدد کے لیے سب سے بہتر کام جو تم کر سکتی ہو وہ اپنی معمول کی زندگی کی طرف لوٹنا ہے۔ ورنہ وہ دوہرا عذاب جھیلتا رہے گا، ایک اپنے گناہ کا اور دوسرا اس مردہ بوجھ کا جو زندگی سے تمہارے انکار نے اس پر لاد دیا ہے۔"

"میں اسے سزا نہیں دے رہی، اپنے گناہوں پر پچھتا رہی ہوں۔" وہ اس قدر پریشان تھی کہ مزید کچھ نہ کہہ سکی۔ اس نے گھر تک کا راستہ خاموشی سے طے کرنے اور سیزارے پر دروازہ بند کر دینے کے بارے میں سوچا، مگر یہ خود کو جلدی سے کھٹکنے لگا۔ "اگر ہم ساتھ رہیں تو یہ بے وفائی ہوگی۔ تم کر رہے

Scanned with CamScanner

ہوں سے وفا کر رہے ہوں گے۔

تم ہر بات کو ذاتی کیوں لیتی ہو؟

[illegible] تو انھوں نے کی [illegible] حقیقت یہ ہے کہ میری بیوی کیسی تھی۔ تمہارا شوہر [illegible] حقیقت کا سامنا کرنا چاہیے۔

[illegible] میں کچھ نہیں [illegible]

[illegible] میری آخری بات ہے۔ [illegible] ہوگا۔

[illegible] وہ آگے چلتی گئی۔ [illegible] اور رخصت ہوگئی۔

[illegible]

اور عبادت کے ذریعے وہ راحت لیتی رہی۔

[illegible] شادی کے بستر کی [illegible]

[illegible] شوہر کی یاد سے [illegible] ان کا کوئی شوہر نہیں ہے [illegible] ان کا کوئی شوہر نہیں [illegible]

ایک رات جب وہ بستر میں تھے، اس نے شادی کے امکان پر سیمرا سے بات کی۔ اس نے جواب دیا کہ محبت زیادہ اہم ہے۔ وہ دونوں خوب جانتے تھے کہ شادی محبت کو کس طرح برباد کردیتی ہے۔

اور پھر دو ماہ بعد جب اسے معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہے تو سیمرا سے کو اطلاع دینے اس کے گھر کی طرف دوڑ پڑی۔ صحافی نے، جو سب خوبی کا بیان پڑھ چکا تھا، اسے تسلی دی۔ "تمہیں ساری زندگی پر افسوس نہیں کرنا چاہیے۔"

"یہ تمہارا بچہ ہے،" ایتا نے کہا۔

"میں اسے اپنا تسلیم کروں گا" سیمرا نے کہا اور بتا پرشان کو خوش خوش اپنے گھر چلی گئی۔

اگلے روز ارماندو کی قبر پر جا کر اور اسے یہ اطلاع دے کر کہ وہ آخر کار باپ بننے والا ہے، جب وہ اپنے معمول کے وقت سیمرا کے گھر پہنچی تو وہ جا چکا تھا۔

چلا گیا، ملازم نے اپنے ہاتھ کو جنبش دیتے ہوئے کہا، اسے نہیں معلوم تھا کہاں۔

* *

(انگریزی عنوان: Life is Better then Death)

برنارڈ مالامڈ

انگریزی سے ترجمہ: راشد مفتی

پہلے سات برس

[illegible]

Scanned with CamScanner

اسے حسب معمول کتابوں کے بارے میں مشورے دیتا رہے گا۔ اس کے جواب نے باپ کو بہت رنجیدہ کیا۔

برف سے ایک شکل نمودار ہوئی اور دکان کا دروازہ کھلا۔ اس شخص نے کاؤنٹر پر پہنچ کر اپنے کاغذی تھیلے میں سے گھسے ہوئے جوتوں کا جوڑا نکالا جو وہ مرمت کرانے کے لیے لایا تھا۔ یہ شخص کون ہے، لمحہ بھر کو جفت ساز بالکل نہ سمجھ سکا، لیکن ابھی اس نے لڑکے کا چہرہ مکمل طور سے شناخت بھی نہیں کیا تھا کہ اس کے دل نے پے در پے متواتر میکس کی موجودگی محسوس کر کے دھڑکنا شروع کر دیا جو گھبراہٹ میں بتا رہا تھا کہ اس کے پرانے جوتوں میں کیا مرمت ہونی ہے۔ گو فیلڈ نے سننے کی کوشش تو کی لیکن ایک لفظ بھی نہ سن سکا کیونکہ اس اچانک موقعے نے اس کے حواس گم کر دیے تھے۔

اسے ٹھیک طرح سے یاد نہیں تھا کہ یہ خیال اسے پہلے پہل کب آیا کیونکہ وہ اس لڑکے کے سامنے مریم کے ساتھ کہیں باہر جانے کی تجویز رکھنے کے بارے میں ایک سے زائد بار سوچ چکا تھا، لیکن اس خوف سے میکس سے بات نہ کر سکا تھا کہ اگر اس نے انکار کر دیا تو وہ دوبارہ اس کا سامنا کیسے کر سکے گا۔ یا بالفرض مریم ہی، جو ہر وقت آزادی کا راگ الاپتی رہتی تھی، اس کی دخل اندازی پر مشتعل ہو گئی تو؟ تاہم یہ موقع ایسا تھا کہ اسے ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسے تو صرف تعارف کرانا تھا؛ اگر انہیں کہیں ملنے کا اتفاق ہو گیا ہوتا تو یہ دونوں اب تک بہت دوست بن چکے ہوتے۔ بعد ازاں وہ دونوں کو یک جا کر گیا اس کا قصہ بلکہ دے دری نہیں تھی؟ ایک سے مہر، سازگار جو سب ہوتے ہیں چاہے کسی طرف، یا یوں کہو کسی مشترکہ دوست کے کرائے ہوئے تعارف کا محتاج ہو۔ میکس کو صرف ایک بار مریم سے ملنے اور بات کرنے کا موقع ملنا چاہیے، وہ جیسے اس میں دل چسپی لینے لگے گا۔ جہاں تک مریم کا تعلق ہے، تو ایک دفتری لڑکی کے، جس کا صرف ملنا جلنا اسٹینوں اور جاہل قسم کے کلرکوں سے ہوتا ہے، ایک تعلیم یافتہ نوجوان سے متعارف ہونے میں کیا حرج ہے؟ ہو سکتا ہے میکس اس کے دل میں کالج جانے کی خواہش بیدار کر دے، یا کم از کم (یہاں جفت ساز کے دل کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آ گیا) ایک تعلیم یافتہ شخص سے شادی کر کے بہتر زندگی گزارنے کا موقع نہ دے۔

جب میکس اپنے جوتوں کی مرمت کے بارے میں بتا چکا تو جفت ساز نے اس کے تلووں پر، جن میں بڑے بڑے سوراخ تھے، سیسے سے ایکس کی شکل کے نشان لگا دیے اور ایڑیوں پر جو بالکل گھس چکی تھیں، وی کی شکل کے، تو وہ اس بات کی طرف سے فکر مند تھا کہ کہیں اس سے غلط نشان نہ لگا دیے ہوں۔ میکس نے اجرت پوچھی تو جفت ساز نے گلا صاف کرتے ہوئے اسے تھوڑی دیر کے لیے پردے کے پیچھے بیٹھنے کی دعوت دی۔ سوبل کی ٹھک ٹھک مسلسل جاری تھی۔ میکس حیران تو ہوا، تاہم اس نے دعوت قبول کر لی۔ فیلڈ بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر آ گیا۔ دونوں ایک منٹ تک خاموش رہے لیکن پھر سوبل نے بھی ٹھک ٹھک بند کر دی؛ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہ بات سمجھ گیا ہے کہ جب تک شور دوبارہ شروع نہ ہو، دونوں میں سے کوئی ایک لفظ بھی نہیں بولے گا۔ ٹھک ٹھک زور دار آواز سے دوبارہ

شروع ہوئی تو جیکب ساری نے جلدی جلدی میکس کو بتایا کہ وہ اس سے کیوں بات کرنا چاہتا تھا۔

جب سے تم نے اپنی سکول جانا شروع کیا، میں نے تمہیں راستے میں آتے جاتے دیکھا۔ میں ہر صبح تمہیں سکول کے لیے سب وے کی طرف جاتے دیکھتا رہا ہوں اور ہمیشہ خود سے کہتا رہا ہوں کہ یہ کتنا اچھا لڑکا ہے جسے تعلیم کی اتنی فکر ہے۔

شکریہ، میکس نے کہا۔ وہ ہوشیار اور تیز نظر ہو گیا تھا۔ وہ طویل قامت اور حد سے زیادہ کی حد تک دُبلا تھا۔ اس کے خدوخال تیکھے تھے، خاص طور پر اس کی ناک چونچ جیسی تھی۔ وہ ایک بارش آلود ڈھیلا ڈھالا سا اوور کوٹ پہنے تھا جو اس کے ٹخنوں تک پہنچتا تھا جیسے کسی نے اس کے ڈھلکے ہوئے شانوں پر قالین لٹکا دیا ہو۔ اس نے پہن رکھا تھا ایک بڑا سا ہیٹ جس کی ... سلا ہوا تھا اور اس کے جوتے بھی مرمت طلب ہو چکے تھے۔

میں ایک کاروباری آدمی ہوں، جیکب ساری نے اپنی پریشانی کو چھپاتے ہوئے اچانک کہا، اس لیے تم سے صاف صاف بات کروں گا۔ میری ایک بیٹی ہے، ہیلن، جو انیس سال کی ہے۔ بہت اچھی لڑکی ہے، اور خوب صورت بھی، یہی خوب صورت کہ جب گلی سے گزرتی ہے تو ہر کوئی اسے دیکھتا ہے۔ ذہین ہے، ہر وقت کتابیں پڑھتی رہتی ہے۔ میں نے سوچا تم پڑھا لکھا لڑکا... میں نے سوچا ہو سکتا ہے تم اس جیسی لڑکی سے ملنے میں دلچسپی لو۔ اپنی بات ختم کر کے وہ تھوڑا سا ہنسا۔ اسے کچھ اور کہنے کی خواہش ہوئی لیکن ہوشمندی نے اسے روک دیا۔

میکس عقاب کی طرح تنقیدی نگاہ سے گھورتا رہا۔ وہ ایک غیر آرام دہ لمحے تک چپ رہا، پھر اس نے پوچھا:

آپ نے کیا عمر بتائی، انیس سال؟

ہاں۔

کیا یہ پوچھنا مناسب ہو گا کہ آپ کے پاس اس کی کوئی فوٹو ہے؟

ایک منٹ، جیکب ساری نے کہا۔ وہ دکان میں گیا اور ایک فوٹو لے آیا۔ میکس نے فوٹو کو روشنی کی طرف کر کے دیکھا۔

بہت خوب، اس نے کہا۔

بہت ... ۔

کیا وہ سمجھدار بھی ہے؟ آج کل قسم کی تو نہیں؟

وہ بہت سمجھدار ہے۔

ایک ہفتے کے بعد کسی شام اس سے ملنے میں کوئی اعتراض نہیں۔

جیکب ساری نے جلدی سے کاغذ کا بیگ تھامتے ہوئے کہا۔ اسے فون کر لینا۔ وہ چھ بجے دفتر سے لوٹ آتی ہے۔

Scanned with CamScanner

میکس نے کاغذ کا پارہ تہ کر کے اپنے گھسے ہوئے چمڑے کے بٹوے میں رکھ لیا۔

"جوتوں کے بارے میں،" اس نے پوچھا، "آپ نے کیا کہا تھا، کتنے پیسے لگیں گے؟"

"پیسوں کی فکر مت کرو۔"

"پھر بھی، میں اندازہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"ایک ڈالر۔۔۔ ایک ڈالر پچاس سینٹ۔" جفت ساز نے جواب دیا۔

اس نے اچانک بدمزگی محسوس کی کیونکہ عام طور پر وہ اس قسم کے کام کے دو ڈالر پچیس سینٹ لیتا تھا؛ اسے یا تو پوری اجرت لینی چاہیے تھی یا پھر کام مفت میں کر دینا چاہیے تھا۔

بعد میں جب وہ دکان میں داخل ہوا تو ایک شدید شور سن کر بھونچکا رہ گیا۔ اس نے دیکھا کہ سوبل خالی لاسٹ کو کوٹ رہا ہے۔ وہ ٹوٹ کر فرش پر گرا، اور پھر اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ لیکن اس سے پہلے کہ مشتعل جفت ساز چیختا چلاتا، اس کا مددگار کھونٹی پر سے ہیٹ اور کوٹ اتار کر تیزی سے باہر سڑک میں نکل گیا۔

اس طرح فیلڈ اپنی بیٹی اور میکس کے روابط کے بارے میں اندازے لگانے کے بجائے، جس کی وہ توقع کر رہا تھا، سخت پریشانی میں گرفتار ہو گیا۔ اپنے مددگار کے بغیر وہ ایک بے مصرف شخص تھا خاص طور پر اس لیے کہ اسے اکیلے دکان چلائے ہوئے زمانہ ہو چکا تھا۔ اسے برسوں سے دل کا عارضہ تھا۔ بیماری اب اس مرحلے میں تھی جہاں مشقت مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ پانچ سال پہلے جب اسے دل کا دورہ پڑا تھا تو یہ لگتا تھا کہ اسے یہ کاروبار نیلام کر کے ایک حقیر تنخواہ پر جوتے بنانے کا کام کرنا پڑے گا یا پھر کسی بددیانت ملازم کے رحم و کرم پر چھوڑنا ہوگا جو بالآخر کاروبار کو تباہ کر ڈالے گا۔ لیکن اس کی زندگی کے مایوس ترین لمحے میں یہ پولینڈ کا پناہ گزین، سوبل، ایک رات سڑک پر سے نمودار ہوا تھا اور اس نے ملازمت کی درخواست کی تھی۔ وہ ناکافی کپڑوں میں ملبوس ایک بھاری بدن کا شخص تھا۔ اس کا سر، جس پر کچھ سنہری بال تھے، بالکل گنجا ہو چکا تھا اور چہرہ یکسر سپاٹ تھا۔ اس کی ہلکی نیلی آنکھیں، ان کتابوں کے سبب جو وہ پڑھا کرتا تھا، دھندلی ہو گئی تھیں۔ وہ جوان ہوتے ہوئے بھی اتنا عمر رسیدہ لگتا تھا کہ اسے کوئی بھی تیس برس کا نہیں کہہ سکتا تھا۔ گو اسے اعتراف تھا کہ وہ جفت سازی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن اس نے کہا کہ وہ مستعد ہے اور اگر فیلڈ نے اسے یہ موقع دیا تو وہ بہت کم معاوضے پر کام کرے گا۔ فیلڈ نے یہ سوچتے ہوئے کہ ایک ہم وطن سے کسی مکمل اجنبی کی نسبت بہت کم خطرہ ہو گا، اسے رکھ لیا اور چھ ہفتے کے اندر اندر وہ پناہ گزین جوتوں کی اتنی ہی اچھی مرمت کرنے لگا جتنی خود فیلڈ، اور اس کے کچھ ہی عرصے بعد اس نے مطمئن جفت ساز کا سارا کاروبار سنبھال لیا۔

فیلڈ اس پر ہر معاملے میں بھروسا کر سکتا تھا اور کرتا تھا۔ وہ دکان میں گھنٹوں اسے اکیلا چھوڑ کر چلا جاتا تھا۔ وہ ساری رقم غلّے میں چھوڑ جاتا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ سوبل ایک سینٹ کی بھی

کرے گا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ وہ بہت کم اجرت طلب کرتا تھا۔ اس کی ضروریات چند ایک ہی تھیں۔ پیسے سے تو اسے دلچسپی تھی ہی نہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ کتابوں کے سوا، جو وہ ایک ایک کر کے مریم کو پڑھنے کے لیے دیا کرتا تھا، اسے کسی بھی چیز سے دلچسپی نہیں ہے۔ کتابوں کے ساتھ اس کے عجیب و غریب تحریری تبصرے بھی ہوتے جو بہت مفصل ہوتے تھے اور جنہیں وہ ٹائپ کرنے کی تنہا ساعتوں میں لکھا کرتا تھا۔ یہ تبصرے جو موٹے موٹے پلندوں پر مشتمل ہوتے، جنہیں اس کی بیٹی چودہ سال کی عمر سے ہی تقدیس کے ساتھ پڑھ رہی تھی گویا وہ الہامی تحریریں ہوں۔ وہ ان تبصروں کو اچک کر دیکھنے کی کوشش کرتا اور اپنی بیٹی پر کندھے اچکا کر رہ جاتا۔

وہ سوبل کا بہت خیال رکھتا تھا اور وہ جو کچھ طلب کرتا اس سے زیادہ ہی دیتا تھا۔ تاہم اس کا ضمیر اسے اس بات پر ملامت کرتا تھا کہ وہ سوبل سے زیادہ تنخواہ وصول کرنے پر اصرار نہیں کرتا۔ ہر چند کہ اس نے سوبل کو دیانت داری کے ساتھ بتا دیا تھا کہ وہ کہیں اور کام کرے یا خود اپنی دکان کھول کر موجودہ آمدنی سے کہیں زیادہ کما سکتا ہے۔ لیکن سوبل نے کسی حد تک کوڑھ مغزی میں جواب دیا کہ وہ کہیں اور جانے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ فیلڈ نے آپ سے اکثر سوال کیا تھا یہ یہاں کیوں لگا ہوا ہے؟ آخر اسے کیا چیز روکے ہوئے ہے؟ اور آخر کار اس نے یہ جواب ڈھونڈ لیا کہ یہ شخص پناہ گزین ہے جو ہولناک تجربوں سے ڈرا سہما، محنت و دنیا سے قانع ہے۔

دل ٹوٹنے کے واقعے کے بعد جب فیلڈ صحت یاب ہوا، جو سوبل کے رویے سے نڈر ہو چکا تھا، طے کیا کہ اسے تنہا اس کے لیے چپ چاپ چھوڑ دیا جائے۔ دوبارہ کام کرنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ اس کی بڑی خواہش کے سبب خطرناک تھی، اور کاروبار بہت متاثر ہوا۔ تاہم اس کی بیوی اور بیٹی دونوں کی بہت منتوں کے بعد آخر وہ سوبل کو ڈھونڈنے نکلا۔ یہ کام بھی کچھ دن پہلے کی کوشش سے مشکل تھا جب سوبل ایک معمولی سی بات پر بگڑ کر چلا گیا تھا۔ فیلڈ نے اسے صرف تنبیہ کی تھی کہ وہ مریم کو جو کتابیں دیا کرتا ہے، کیوں کہ اس نے پڑھ پڑھ کر اپنی آنکھیں سرخ کر لی ہیں۔ یہ واقعہ بھی حسب معمول بے نتیجہ رہا تھا، کیوں کہ اس کے غصے میں سوبل واپس آ گیا تھا اور اپنی پرانی ملازمت سنبھال لی تھی۔ لیکن اس بار جب وہ برف میں وحشت سوبل کے گھر پہنچا تو مالک مکان مالکن نے، جو انگریزی میں بولتی تھی، اسے دروازے پر بتایا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ فیلڈ کو یقین ہو گیا کہ یہ جھوٹ ہے (آخر سوبل کہاں جا سکتا تھا؟)، پھر بھی کسی وجہ سے، جس کے بارے میں وہ یقین سے نہیں جانتا تھا — شاید غصہ اور تکان کے باعث — اس نے سوبل سے ملنے پر اصرار نہیں کیا بلکہ گھر چلا آیا اور ایک نیا مددگار رکھ لیا۔ گویا اس نے اب سوبل کو واپس بلانے کے بارے میں کبھی سوچ کر یہ آسانی سے لوٹ آئے گا۔

اس طرح اس نے یہ معاملہ نمٹا لیا، گو وہ پوری طرح مطمئن نہیں تھا کیوں کہ اسے پہلے سے زیادہ کام کرنا پڑتا تھا، وہ صبح کو دیر تک بستر میں نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ نیا مددگار کبھی رکھتا ہی نہ تھا۔ ایک کھنا شخص تھا جو ہر وقت بڑبڑاتا رہتا تھا۔ فیلڈ کو اس کی بڑبڑاہٹ پر غصہ آتا تھا۔ وہ سوبل کی طرح جانفشانی

کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔ علاوہ ازیں، یہ شخص گودست کا کام اچھا خاصا کر لیتا تھا، مگر چمڑے کے درجوں یا قسموں کے بارے میں ناواقف تھا۔ سو فیلڈ کو خریداری خود کرنا پڑتی اور ہر رات دکان بند کرنے سے پہلے غلّے میں موجود رقم گننا بھی ضروری تھا۔ تاہم وہ غیر مطمئن نہیں تھا کیوں کہ بیشتر وقت وہ میکس اور مریم کی بابت اپنے خیالوں میں کھویا رہتا تھا۔ لڑکا مریم سے ملا تھا اور ان دونوں نے اس آنے والی جمعے کی شب کو ملاقات طے کی تھی۔ وہ ذاتی طور پر سنیچر کو ترجیح دیتا، جس سے اس کے خیال میں اس ملاقات کی اہمیت بڑھ جاتی، لیکن اسے معلوم تھا کہ یہ خود مریم کا انتخاب ہے، سو وہ چپ رہا۔ دن کی کوئی اہمیت نہیں تھی، اہمیت تو بعد کے واقعات کی تھی۔ کیا وہ ایک دوسرے کو پسند کریں گے اور دوست رہنا چاہیں گے؟ اس سوال کا حتمی جواب ملنے تک جو وقت گزرنا ضروری تھا وہ اس پر بہت بھاری تھا۔ مریم سے اس لڑکے کے بارے میں بات کرنے کی اسے اکثر خواہش ہوتی۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ آیا میکس کی قسم اسے پسند آئے گی۔ خود اس نے مریم کو صرف یہ بتایا تھا کہ وہ میکس کو اچھا لڑکا سمجھتا ہے اور اسی نے تجویز کیا تھا کہ وہ مریم سے ملے۔ لیکن جب ایک بار اس نے کچھ پوچھنے کی کوشش کی تو مریم نے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ حق بجانب تھی۔ آخر وہ ابھی سے کیا بتا سکتی تھی؟

آخر کار جمعہ آ گیا۔ فیلڈ خود کو بہت زیادہ ہشاش محسوس نہیں کر رہا تھا سو وہ بستر ہی میں رہا، اور میکس کے آنے کے وقت فیلڈ کی بیوی نے بھی اس کے ساتھ خواب گاہ ہی میں رہنا بہتر سمجھا۔ مریم نے لڑکے کا استقبال کیا۔ اس کے ماں باپ ان دونوں کو باتیں کرتے سن سکتے تھے۔ لڑکے کی آواز بھاری ہونے کے سبب نمایاں تھی۔ رخصت ہونے سے قبل مریم اسے خواب گاہ کے دروازے پر لائی۔ اس کا طویل قامت اور قدرے خمیدہ جثہ، جو موٹے کپڑے کے ڈھیلے ڈھالے سوٹ میں ملبوس تھا، پل بھر کو دروازے میں رکا۔ وہ دیکھنے میں مطمئن معلوم ہوتا تھا۔ اس نے جفت ساز اور اس کی بیوی کی مزاج پرسی کی جو بلاشبہ ایک اچھی علامت تھی۔ گو مریم دن بھر کی تھکی ہوئی تھی مگر پھر بھی تازہ دم اور خوب صورت نظر آ رہی تھی۔ وہ بڑے جثے اور متناسب بدن کی لڑکی تھی۔ اس کا چہرہ دلکش اور بال نرم تھے۔ فیلڈ کی نگاہ میں وہ دونوں ایک مثالی جوڑا تھے۔

مریم ساڑھے گیارہ بجے کے بعد لوٹی۔ اس کی ماں سو چکی تھی لیکن جفت ساز بستر سے اٹھ کر، اپنی باتھ روب پہننے کے بعد کچن میں گیا جہاں مریم میز پر بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

تم لوگ کہاں گئے تھے؟ اس نے خوش گوار لہجے میں پوچھا۔

چہل قدمی کرنے، مریم نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

میں نے اسے مشورہ دیا تھا، وہ گلا صاف کرتے ہوئے بولا، کہ وہ زیادہ پیسے خرچ نہ کرے۔

میں نے غور نہیں کیا۔"

جفت ساز نے چائے کے لیے پانی ابالا، دو پیالیاں اور لیموں کی ایک موٹی قاش لے کر میز پر بیٹھ گیا۔

سو، تمہاری تفریح، اس نے ایک چسکی لے کر آہ بھری، کیسی رہی؟

Scanned with CamScanner

ٹھیک تھی۔

حسب عادت خاموش ہو گیا۔ مریم نے یقیناً اس کی بیوی کا نمبر رکھا ہوا ہوگا۔ وہ بولی:

پہلی ملاقات میں کیا کہا جا سکتا ہے۔

اس سے پھر ملو گی؟

مریم نے دوری گھٹتے ہوئے بتایا کہ میکس نے ایک اور ملاقات کے لیے کہا ہے۔

کس دن؟

سنیچر کو۔

تم نے کیا کہا؟

میں نے کیا کہا؟ مریم نے اس کی بات دہرائی اور کچھ توقف کے بعد بولی، میں نے ہامی بھر لی۔
بعد ازاں مریم نے سول کے بارے میں پوچھا اور فیلڈ نے بغیر سوچے سمجھے کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے، اسے بتایا کہ سول نے کہیں اور نوکری کر لی ہے۔ مریم نے مزید کچھ نہیں کہا اور چپ چاپ پڑھتی رہی۔
حسب معمول فیلڈ کے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں تھا۔ وہ سنیچر کو ہونے والی ملاقات کے حوالے سے مطمئن تھا۔

ہفتے کے دوران اس نے مریم سے ایک آدھ متفرق سوال کر کے میکس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ میکس ڈاکٹر یا وکیل بننے کے لیے نہیں پڑھ رہا تھا بلکہ اس نے کاروباری شعبے میں ڈگری لینے کے لیے ایک تجارتی مضمون لے رکھا ہے۔ فیلڈ کو قدرے مایوسی ہوئی کیونکہ وہ کاروباری پیشوں کو گھٹیا سمجھتا تھا۔ وہ کسی علمی پیشے کو ترجیح دیتا تھا۔ تاہم اس نے جلد ہی اس سلسلے میں تحقیق کر کے معلوم کر لیا کہ سرٹیفائیڈ پبلک اکاؤنٹنٹ بہت باعزت لوگ ہوتے ہیں۔ ویسے سنیچر کے آتے آتے وہ پوری طرح مطمئن تھا۔ لیکن سنیچر کا دن مصروف دن تھا اور اسے زیادہ وقت دکان میں رہنا پڑا۔ اس لیے جب میکس مریم سے ملنے آیا تو وہ اسے نہیں دیکھ سکا۔ اسے اپنی بیوی سے معلوم ہوا کہ اس کے حسن معمول کلمات سے کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں تھی۔ میکس نے گھنٹی بجائی تھی اور مریم اپنا کوٹ پہن کر اس کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔ بس، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ فیلڈ کھوج میں نہیں گیا کیونکہ اس کی بیوی کچھ خاص تیز بین نہیں تھی۔ اس کے بجائے وہ رات دیر گئے تک مریم کی واپسی کا منتظر رہا اور بستر میں لیٹا وہ مستقبل کے حوالے سے اس قدر مسرور تھا کہ اخبار پر دھیان دینا مشکل پڑ رہا تھا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ برآمدے میں اس کے سامنے موجود تھی۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں اپنا ہیٹ اتار رہی تھی۔ مریم کا خیر مقدم کرتے ہوئے یکایک اسے یہ خوف لاحق ہوا کہ اسے پھر گرفت میں لے لیا ہو، وہ گزری ہوئی شام کے بارے میں اس سے کچھ نہ پوچھ سکا۔ مریم نے بھی خود کچھ نہیں بتایا، سو آخر وہ پوچھنے پر مجبور ہو گیا کہ شام کیسی گزری۔ مریم نے پہلے تو کوئی مبہم جواب دینا چاہا لیکن پھر اپنا ہیٹ بھی اتار دیا اور کچھ توقف کے بعد بولی: میں بور ہوئی۔

جب فیلڈ بیوی کے بجائے سوچنا اور اس نے مریم سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بلا تردد

جواب دیا: "وہ مادہ پرست سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔"

"اس لفظ کے کیا معنی ہیں؟"

"وہ بے روح شخص ہے۔ صرف چیزوں میں دلچسپی رکھتا ہے۔"

اس نے مریم کے بیان پر تادیر غور کیا۔ پھر پوچھا: "پھر ملو گی اس سے؟"

"اس نے کہا تو نہیں۔"

"فرض کرو اگر وہ کہے؟"

"میں اس سے نہیں ملوں گی۔"

جفت ساز نے حجت نہیں کی، تاہم گزرتے دنوں کے ساتھ اس کی امید بڑھتی رہی کہ مریم اپنا دل دے دے گی۔ وہ سوچتا کاش میکس ہی سامنے آ جائے، کیونکہ اسے یقین تھا کہ میکس میں جو کچھ ہے مریم کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن میکس نہیں آیا بلکہ اس نے کالج جانے کے لیے ایک اور راستہ اختیار کر لیا۔ اب وہ جفت ساز کی دکان کے سامنے سے نہیں گزرتا تھا۔ فیلڈ کو اس بات سے سخت صدمہ پہنچا۔

ایک سہ پہر میکس دکان میں داخل ہوا اور اپنے جوتے مانگے۔ جفت ساز نے اس کے جوتے شیلف سے اتارے جہاں اس نے انھیں دوسرے جوتوں سے الگ رکھا تھا۔ اس نے ان جوتوں کی خود مرمت کی تھی اور ان کے تلے اور ایڑیاں بہت مضبوط اور عمدہ بنی تھیں۔ انھیں بہت اچھی طرح پالش کیا گیا تھا اور وہ کسی نہ کسی طرح نئے جوتوں سے بہتر لگ رہے تھے۔ میکس نے جب انھیں دیکھا تو اس کا ٹیٹوا اچھل کر اوپر آ گیا اور آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔

"کتنے پیسے؟" اس نے جفت ساز کی طرف براہ راست دیکھے بغیر پوچھا۔

"جتنے میں نے بتائے تھے،" فیلڈ نے افسردگی سے جواب دیا۔ "ایک ڈالر پچاس سینٹ"

میکس نے دو مڑے تڑے نوٹ اس کے حوالے کیے اور بدلے میں چاندی کا نصف ڈالر کا سکہ وصول کیا۔ پھر وہ چلا گیا۔ مریم کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ اسی رات جفت ساز پر انکشاف ہوا کہ اس کا مددگار شروع سے غلے سے پیسے چراتا رہا ہے، اور اس پر دل کا دورہ پڑ گیا۔

دورہ گو بالکل معمولی تھا لیکن اسے تین ہفتے بستر میں رہنا پڑا۔ مریم نے سوبل کو بلانے کی بات کی تو جفت ساز جو پہلے ہی بیمار تھا اس بات پر اور چیخنے چلانے لگا۔ تاہم وہ اپنے دل میں جانتا تھا کہ اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اور دکان میں تھکا دینے والے پہلے ہی دن نے اسے مکمل طور پر قائل کر لیا۔ سو اس رات کھانے کے بعد وہ گرتا پڑتا سوبل کی طرف گیا۔ وہ آخری منزل تک سیڑھیاں چڑھتا رہا حالانکہ جانتا تھا کہ یہ اس کے لیے مضر ہے۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ سوبل نے دروازہ کھولا اور وہ اندر داخل ہو گیا۔ کمرہ چھوٹا اور سستا قسم کا تھا۔ اس میں ایک ہی کھڑکی تھی جو سڑک پر کھلتی تھی۔ کمرے میں ایک تنگ

Scanned with CamScanner

چارپائی، ایک چھوٹی میز اور کتابوں کے کئی ڈھیر تھے جو دیواروں کے ساتھ ساتھ بے ترتیبی سے فرش پر پڑے تھے۔ کتابوں کے ڈھیر دیکھ کر اسے خیال آیا کہ سوبل کس قدر عجیب شخص ہے: غیر تعلیم یافتہ ہو کر بھی کتابیں پڑھتا ہے۔ اس نے ایک بار پوچھا تھا: سوبل، تم کتابیں کیوں پڑھتے ہو؟ اور وہ کوئی جواب نہ دے سکا تھا۔ کیا تم نے کسی کالج میں پڑھا ہے؟ اس نے پوچھا تھا، اور سوبل نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ جاننے کے لیے پڑھتا ہے۔ لیکن کیا جاننے کے لیے؟ جفت ساز نے سوال کیا تھا، اور کیوں جاننے کے لیے؟ سوبل کسی وضاحت نہ کر سکا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اتنا زیادہ اس لیے پڑھتا تھا کہ وہ عجیب تھا۔

فیلڈ مین بیٹھ کر سانس درست کرنے لگا۔ سوبل بستر پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کی پشت دیوار سے لگی ہوئی تھی۔ اس کی قمیص اور پتلون صاف ستھری تھی اور انگلیاں جفت سازی کے کام سے دور ہونے کے سبب عجیب طرح سے زرد تھیں۔ اس کا چہرہ دبلا اور زرد تھا جیسے وہ دکان سے بھاگ آنے کے بعد سے مسلسل اسی کمرے میں بند ہو۔

کام پر کب واپس آؤ گے؟ فیلڈ مین نے اس سے پوچھا۔

اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب سوبل نے چلا کر کہا: کبھی نہیں۔

وہ بستر سے کود کر کھڑکی کی طرف چلا گیا اور وہاں سڑک پر جھانکنے لگا۔

کیوں واپس آؤں نہیں؟ وہ چلایا۔

میں تمھاری تنخواہ بڑھا دوں گا۔

کسے پروا ہے تمھاری تنخواہ کی!

جفت ساز، جسے معلوم تھا کہ سوبل کو پروا نہیں، حیران تھا کہ اب کیا کہے۔

تم مجھ سے کیا چاہتے ہو سوبل؟

کچھ نہیں۔

میں نے ہمیشہ تمھیں اپنے بیٹے کی طرح سمجھا ہے۔

سوبل نے سختی سے اس کی تردید کی۔ تو پھر تم مریم کے ساتھ باہر جانے کے لیے اجنبی لڑکوں کو کیوں ڈھونڈتے ہو، میرے بارے میں کیوں نہیں سوچتے؟

جفت ساز کے ہاتھ پاؤں برف ہو گئے۔ اس کی آواز اتنی بیٹھ گئی کہ وہ بول نہ سکا۔ آخر کار اس نے گلا صاف کیا اور پھٹی ہوئی آواز میں بولا: میری بیٹی کو ایک پینتیس سالہ جفت ساز سے جو میرا ملازم ہے، کیا لینا ہے؟

تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ میں نے اتنا عرصہ تمھارے ہاں کام کیا ہے؟ سوبل چلایا۔ اس حقیر تنخواہ پر میں نے اپنی زندگی کے پانچ سال اس لیے قربان کیے ہیں کہ تمھیں کھانا پینا اور سونے کی جگہ مل سکے؟

Scanned with CamScanner

"پھر کس لیے؟" حشمت سردار نے پوچھا۔

"وریمہ کے لیے،" وہ بول اٹھا، "اس کی خاطر۔"

حشمت سردار کی گویائی بحال ہوئی تو اس نے کہا، "سوہل، میں تنخواہ کی ادائیگی نقد کرتا ہوں،" وہ خاموش ہو گیا۔ وہ شدت سے محسوس کر رہا تھا لیکن اس کا ذہن بالکل صاف تھا اور اسے آپ سے آپ تسلیم کرنا پڑا کہ سوہل نے اس معاملے میں سوچنے کا سلسلہ شروع ہی سے علم تھا۔ اس نے یہ بات کسی شعوری طور پر نہیں سوچی تھی لیکن محسوس ضرور کی تھی اور وہ اس سے خوف زدہ تھا۔

"وریمہ کو معلوم ہے؟" اس نے دبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"معلوم ہے۔"

"تم نے بتایا ہے؟"

"نہیں۔"

"پھر اسے کیسے معلوم ہے؟"

"اسے کیسے معلوم ہے؟" سوہل نے کہا۔ "کیوں کہ وہ جانتی ہے، وہ جانتی ہے کہ میں کون ہوں اور میرے دل میں کیا ہے۔"

فیلڈ کو جیسے یکایک حیرت مل گئی۔ اس کی کتابوں اور تصویروں کی مدد سے سوہل نے اس کی پیچیدہ تربیت سے وریمہ کو بہلا رکھا تھا اور وہ اس سے محبت کرتی ہے۔ یہ اس کی دوستی پر محبت ظاہر ہے۔

"سوہل، تم پاگل ہو،" اس نے تلخی سے کہا۔ "وہ کبھی تم جیسے بوڑھے اور بدصورت شخص سے شادی نہیں کرے گی۔"

غصے سے سوہل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ حشمت سردار پر برس پڑا لیکن ہمہ، گرچہ اس نے اپنے طیش کو دبانے کی کوشش کی، اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ کتنی عجیب اور درد ناک بات تھی کہ ایک پستہ قد، ایک بدقسمت آدمی جسے اس کے ماں باپ نے بہلا کر بوڑھا کر دیا تھا، جو مشقت کی قوت سے بے بس بچا تھا اور پھنچ کر بچپن سے لے کر عمر کی لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو جائے۔ اپنے دل کو تکلیف سے آسودہ کرتے ہیں، کام، کسی امتحان کے بعد اس لڑکی کے عورت بننے کے انتظار میں پانچ سال تک وہ شب بیدار ہوتے رہے۔

"بدصورت میں نے تمہیں نہیں کہا،" اس نے نیم مدھم آواز میں کہا۔

تب سے احساس ہوا کہ اس نے جسے بدصورت کہا تھا وہ سوہل نہیں بلکہ سوہل سے شادی کے بعد وریمہ کی زندگی تھی۔ اس نے اپنی بیٹی کے لیے ایک عجیب اور دل کو لرزا دینے والا ڈر محسوس کیا، جیسے وہ سوہل کی جو آخر ایک حشمت سردار ہی تھا، دلہن بن چکی ہو اور اس کی زندگی بیتی ماں کی زندگی سے زیادہ کچھ نہ ہو اور اس کے بارے میں اس کے باپ کے سارے خواب، جن سے اس نے دن رات محنت کر کے اپنے دل کو خطرات اور تاریکی سے تباہ کرتے، بکھرتے ہوئے ہوں۔ سوہل کھڑکی کے پاس کھڑا پڑھ رہا

تھی اور عجیب بات یہ تھی کہ پڑھتے وقت وہ جوان نظر آتا تھا۔

وہ انیس سال کی ہے، فیلڈ نے شکست لہجے میں کہا۔ شادی کے لیے یہ عمر ابھی کم ہے۔ ابھی دو سال اور اس سے شادی کی بات مت کرو۔ جب وہ اکیس سال کی ہو جائے تو بے شک اس سے بات کر لینا۔

سوبل نے جواب نہیں دیا۔ فیلڈ رخصت ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترا لیکن جب وہ ایک بار باہر آ گیا تو حرارت اور سڑک کو سفید کرتی ہوئی برف کے باوجود اس کی چال میں استقامت تھی۔

اگلی صبح جب بوجھل دل کے ساتھ فیلڈ دکان کھولنے آیا تو اس نے جانا کہ اسے آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس کا مددگار پہلے ہی سے وہاں پر بیٹھا اپنی محبت کی خاطر چمڑا کوٹ رہا تھا۔

**

(انگریزی عنوان : The First Seven Years)

برنارڈ مالامڈ

انگریزی سے ترجمہ: راشد مفتی

رشتہ ساز

زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ نیویارک شہر کے ایک نواحی علاقے میں واقع، کتابوں سے بھرے ایک کمرے میں لیو فنکل رہتا تھا۔ وہ یشیوا یونیورسٹی میں ربائی بننے کا طالب علم تھا۔ چھ برس کی تعلیم کے بعد اسے اس جون میں سند ملنے والی تھی۔ ایک ملاقاتی نے اسے بتایا تھا کہ اگر وہ شادی کر لے تو یہ مرحلہ نسبتاً آسان ہو جائے گا۔ چونکہ شادی کے امکانات موجود نہ تھے، لہٰذا دو دن کی سوچ بچار کے بعد اس نے ایک رشتہ ساز پنائی سالزمان کو بلوایا جس کا دو سطری اشتہار اس نے فارورڈ میں پڑھا تھا۔

سو ایک شب رشتہ ساز نے اس کے فلیٹ پر دستک دی جو ایک سنگی عمارت کی چوتھی منزل پر تھا۔ سالزمان کی بغل میں چمڑے کا سیاہ بستہ تھا جو کثرت استعمال سے گھس چکا تھا۔ وہ اس پیشے میں ایک مدت سے تھا۔ اس کا جسم منحنی لیکن ساخت باوقار تھی۔ اس کے سر پر ایک پرانا ہیٹ اور بدن پر ایک بہت چھوٹا اور تنگ اوور کوٹ تھا۔ اس کے پاس سے مچھلی کی، جو اس کی پسندیدہ خوراک تھی، بو آ رہی تھی۔ گو اس کے چند دانت غائب تھے، تاہم اس کی رنگت خوشگوار لگتی تھی۔ اس کی وجہ وہ خوش خلقی تھی جو اس کی غمناک آنکھوں سے عجیب عدم مطابقت رکھتی تھی۔ اس کی آواز، ہونٹ، داڑھی کی چونچ، استخوانی انگلیاں — سب خوش خلقی سے معمور تھیں لیکن جب وہ غور سے دیکھے بغیر اس کی ملگجی نیلی آنکھوں میں دکھ کی ایک گہرائی نظر آتی تھی۔ رشتہ ساز کی اس خصوصیت سے لیو نے اطمینان محسوس کیا، حالانکہ اس کے لیے صورت حال بڑی گمبھیر تھی۔

لیو نے اپنا مقصد فوراً ہی بیان کر دیا۔ اس نے رشتہ ساز کو بتایا کہ اس کا گھر کلیولینڈ میں ہے اور ماں

باپ کے سو دیہ میں ان کا کوئی نہیں ہے۔ ان سے والدین نے مستند دیر سے شادی کی تھی۔ وہ چھ برس سے بڑی [illegible] میں [illegible] تین کے تھے میں [illegible] لڑکیوں کی صحبت [illegible] کے لیے وقت نہیں [illegible] ان سے [illegible] کہ بیٹے [illegible] میں خلش سے بچے کے لیے کسی تجربہ کار شخص سے مشورہ [illegible] ان نے [illegible] باتوں میں یہ بھی کہا کہ رشتہ سازی کا پیشہ قدیم اور باعزت ہے [illegible] بڑی قدر سے [illegible] ان کی بدولت [illegible] کا مشغلہ عمل ہو جاتا ہے اور مسرت میں [illegible] نہیں [illegible] ان سے [illegible] کی شادی بھی ایک رشتہ سازی نے [illegible] تھی۔ [illegible] کی شادی [illegible] کامیاب [illegible] تھی۔ دونوں ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ [illegible] شادی کے وقت دونوں میں سے کسی کے پاس دولت [illegible] نہیں [illegible] باتیں [illegible] بیوی کا انتقال ہو [illegible] سے بیت چکے [illegible] محسوس ہوتے [illegible] لیکن [illegible] برسوں سے محسوس نہیں کی تھی۔ وہ دل سے بیوی کا مداح ہو گیا۔

دونوں نے [illegible] کی بات شروع کی۔ [illegible] ایک [illegible] کھڑکی کے نزدیک جہاں ایک میز پڑی تھی۔ کھڑکی سے شہر کی [illegible] نہیں۔ [illegible] نے سامان کو یہاں منتقل کر دیا۔ وہ خود ان کے [illegible] سے مقابل تھے۔ [illegible] میں ایک [illegible] مشکل [illegible] سامان سے جلدی جلدی [illegible] کھول کر [illegible] کارڈوں کو ایک [illegible] نہیں [illegible] عمل [illegible] کے چہرے [illegible] عجیب [illegible] آسمانی [illegible] محسوس ہوتے تھی۔ [illegible] کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔ [illegible] کو [illegible] کی علامت [illegible] برسوں میں پہلی بار محسوس ہوئی تھی۔ [illegible] سفید چاند [illegible] بادلوں میں سے گزرتے دیکھ [illegible] آسمان پر [illegible] میں تیر رہے تھے۔ [illegible] دیکھا گیا [illegible] ایک [illegible] میں سے گزر [illegible] کی طرح [illegible] سامان کی آنکھیں کارڈوں کی عبارت [illegible] لگی ہوئی تھیں لیکن وہ ان [illegible] سے [illegible] لڑکی [illegible] سامان [illegible] سے متصل [illegible] رنگوں کی خاص بناوٹ دیکھ کر رشتہ ساز ایک طرح سے [illegible] شیشوں [illegible] ایک [illegible] آسودہ [illegible]

[illegible] کارڈوں پر [illegible] کہ وہ [illegible] صرف چھ ہیں۔

اتنے کم؟ [illegible] نے مایوسی سے پوچھا۔

[illegible] نہیں [illegible] سے دفتر میں [illegible] کارڈ ہیں [illegible] سے [illegible] ایک [illegible] میں رکھتا ہوں۔ [illegible] ایک [illegible] کے لیے کون سی لڑکی مناسب ہے؟

لیو کی بات پر غور کیا۔ وہ بھی جانتا تھا کہ خط کے ذریعے اپنے بارے میں سب کچھ ظاہر کر دیتے تھے۔ اس نے رشتہ ساز کو اپنے معیار اور طلب سے آگاہ کر دینا مناسب جانا تھا، لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ پیش کرنے میں وہ خود کو ضرورت سے زیادہ آشکار کر بیٹھا ہے۔

اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا: "آپ فائل میں ان کی تصویریں نہیں رکھتے؟"

پہلا وعدہ خاندان، جہیز کی رقم اور اس طرح کی دوسری معلومات پہلی ہوتی تھیں۔ سالزمان نے اپنے تنگ کوٹ کے بٹن کھول کر، کمر کرسی کی پشت سے ٹکا دی۔ تصویروں کی باری اس کے بعد آتی ہے ربی۔

مجھے لیو کہیے۔ میں ابھی ربی نہیں ہوں۔

سالزمان نے کہا کہ وہ ایسا ہی کرے گا لیکن اس نے پہلے ہی ڈاکٹر کہہ کر مخاطب کرنا شروع کر دیا اور جب لیو کا دھیان اس کی طرف نہیں ہوتا تھا تو اسے پھر سے ربی کہہ کر پکارنے لگتا۔

اس نے اپنی سینگ کی کمانیوں والی عینک درست کی، آہستگی سے کھانس کر گلا صاف کیا اور ایک مشتاق آواز میں سب سے اوپر والا کارڈ پڑھنے لگا۔

سوفی پی۔ عمر چوبیس سال۔ ایک سال کی بیوہ۔ بچے نہیں ہیں۔ ہائی اسکول کی تعلیم پائی۔ دو سال کالج میں بھی گزارے ہیں۔ باپ، جس کا تھوک کا عمدہ کاروبار ہے، آٹھ ہزار ڈالر جہیز کا وعدہ کرتا ہے۔ جائیداد بھی ہے۔ ماں کے رشتہ داروں میں ٹیچر اور ایک ایکٹر بھی ہے۔ خاندان سیکنڈ ایونیو میں بھی طرح جانا پہچانا جاتا ہے۔

لیو نے حیرت سے اس کی سمت دیکھی۔ "آپ نے کہا، بیوہ؟"

بیوہ ہونے کا مطلب برباد ہونا تو نہیں، ربی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ مشکل سے چار مہینے رہی تھی۔ وہ بیمار تھا۔ اس نے شادی کر کے غلطی کی۔"

میں نے کسی بیوہ سے شادی کرنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔

اس کی وجہ تمہاری ناتجربہ کاری ہے۔ بیوہ اگر اس لڑکی کی طرح جوان اور صحت مند ہو تو شادی کے لیے موزوں ترین عورت ہوتی ہے۔ وہ ساری عمر تمہاری ممنون رہے گی۔ یقین کرو، اگر مجھے خود شادی کرنا پڑے تو کسی بیوہ ہی سے کروں گا۔

لیو نے کچھ تامل کے بعد نفی میں سر ہلا دیا۔

سالزمان نے تقریباً غیر محسوس طور پر اپنے شانے مایوسی میں جھکائے اور کارڈ میز پر رکھ کر اگلی لڑکی کے کوائف پڑھنے لگا۔

للی ایچ۔ ہائی اسکول کی ٹیچر۔ نوکری مستقل ہے، عارضی نہیں۔ بچت کا اکاؤنٹ اور ایک ڈاج کار کی مالک ہے۔ پیرس میں ایک سال رہ چکی ہے۔ باپ پینتیس برس سے ایک کامیاب دندان ساز ہے۔ پیشہ ور مردوں میں دلچسپی رکھتی ہے۔ خاندان مکمل طور پر امریکی ہے۔ حیرت انگیز موقع۔

Scanned with CamScanner

"میں سچے دل سے کہتا ہوں،" سالزمان نے کہا۔ "کاش تم نے اس لڑکی کو دیکھا ہوتا۔ بالکل
ریا ہے۔ عمدہ، عمدہ دین سی ہے۔ دن بھر کتابیں، تھیٹر، عشق ہر موضوع پر باتیں کر سکتی ہے۔ حالات
حاضرہ سے بھی باخبر ہے۔"

"آپ نے اس کی عمر نہیں بتائی۔"

"عمر؟" سالزمان نے بھنویں چڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس کی عمر بتیس برس ہے۔"

لیو نے کچھ تامل کے بعد کہا۔ "لڑکی کی عمر کچھ زیادہ نہیں؟"

سالزمان نے قہقہہ لگایا۔ "تمھاری عمر کتنی ہے ربی؟"

"ستائیس برس۔"

"مجھے بتاؤ، تم ستائیس اور بتیس میں کیا فرق ہے؟ میری اپنی بیوی مجھ سے سات برس بڑی ہے۔ مجھے اس سے کیا تکلیف ہوئی؟ اور تو چاہو کی لڑکی تم سے شادی کرنا چاہے تو کیا تم اس کی عمر کی وجہ سے انکار کر دو گے؟"

"ہاں،" لیو نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

سالزمان اس کی نفی کو اثبات میں بدلنے لگا۔ "پانچ سال سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ میں قسمیں کھاتا ہوں کہ ہفتہ بھر اکٹھے رہنے کے بعد تم اس کی عمر بھول جاؤ گے۔ پانچ سال بڑے ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یہی نا کہ وہ زیادہ جیتی، زیادہ دن سے ہے اور جیسے کے کم عمروں کی نسبت زیادہ جانتی ہے؟ اس لڑکی پر خدا اسے سلامت رکھے، یہ دو سال رائیگاں نہیں ہوئے۔ ہر آنے والا سال اسے بہتر بنا رہا ہے۔"

"اسکول میں وہ کیا پڑھاتی ہے؟"

"لسانیات۔ تم اسے فرانسیسی بولتے سنو گے تو سمجھو گے موسیقی بج رہی ہے۔ میں اس پیشے میں پچیس برس سے ہوں۔ میری نظر میں یہ لڑکی تمہارے لیے بالکل موزوں ہے۔ یقین کرو، ربی، میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔"

"اگلے کارڈ پر کون ہے؟" لیو نے ایک دم کہا۔

سالزمان نے ہچکچاتے ہوئے تیسرا کارڈ اٹھایا:

"روتھ کے۔ عمر انیس برس۔ آنرز کی طالبہ۔ باپ ڈاکٹر ہے، ماہر امراض شکم۔ شادی پر تیرہ ہزار ڈالر نقد ملیں گے۔ باپ کی پریکٹس بہت عمدہ ہے۔ بھائی ملبوسات کا کاروبار کرتا ہے۔ خاص لوگ ہیں۔"

سالزمان یوں لگ رہا تھا جیسے اپنا ترپ کا پتا ظاہر کر چکا ہو۔

"آپ نے کیا کہا، انیس سال؟" لیو نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"پورے انیس سال۔"

"کیا وہ خوبصورت ہے؟" لیو نے شرماتے ہوئے سوال کیا۔ "میرا مطلب ہے دلکش؟"

سالزمان نے اپنی انگلیوں سے ہونٹوں کو بوسہ دیا۔ "بالکل گڑیا کی طرح۔ میں اس بات کی ضمانت

Scanned with CamScanner

دیتا ہوں۔ مجھے آج رات اس کے باپ کو بلانے دو۔ تمہیں پتا لگ جائے گا کہ خوب صورتی کیا ہوتی ہے۔

لیکن لیو شک میں تھا۔ "آپ کو یقین ہے اس کی عمر یہی ہے؟"

"مکمل یقین ہے۔ اس کا باپ پیدائش کا سرٹیفکیٹ دکھا سکتا ہے۔"

"آپ کو یقین ہے اس کے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں ہے؟ میرا مطلب ہے..."

"کون کہتا ہے گڑبڑ ہے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس عمر کی ایسی لڑکی رشتہ ساز سے کیوں ملے گی؟"

سالناں کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اسی مقصد سے جس کے لیے تم ملے ہو۔"

لیو شرما گیا۔ "میرے پاس تو وقت کی کمی ہے۔"

تاہم سالناں کو جلد ہی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ وہ تیزی سے وضاحت کرنے لگا۔ "لڑکی نہیں اس کا باپ آیا تھا۔ اسے اپنی بیٹی کے لیے بہترین شوہر درکار ہے، لہٰذا وہ خود تلاش کر رہا ہے۔ جب مناسب لڑکا مل جائے گا تو وہ لڑکی سے اس کا تعارف کرا دے گا۔ نوجوان اور ناتجربہ کار لڑکی پر بھروسا کرنے کی نسبت یہ طریقِ کار بہتر ہے۔ غالباً تمہیں یہ سب کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"آپ کے خیال میں یہ نوجوان خاتون محبت میں یقین نہیں رکھتی؟" لیو نے بے چینی سے پوچھا۔

سالناں ہنسی پر قابو پاتے ہوئے سنجیدگی سے بولا: "محبت مناسب دولہا کے ملنے پر ہی ہوتی ہے اس سے پہلے نہیں۔"

لیو نے اپنے خشک ہونٹ وا کیے، لیکن کچھ بولا نہیں۔ سالناں کو اگلے کارڈ پر نظر ڈالتے دیکھ کر اس نے چالاکی سے پوچھا: "اس کی صحت کیسی ہے؟"

"بہت عمدہ۔" سالناں کا سانس اکھڑنے لگا۔ "صرف دائیں ٹانگ میں ذرا سا لنگ ہے جو بارہ برس کی عمر میں کار کے ایک حادثے کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس کی خوب صورتی کے آگے یہ عیب کیا ہے۔"

لیو دل گرفتہ سا اٹھا اور کھڑکی کی سمت بڑھ گیا۔ وہ اس درجہ تلخی محسوس کر رہا تھا کہ رشتہ ساز کو بلانے پر دل ہی دل میں خود کو لعن طعن کرنے لگا۔ آخر اس نے انکار کر دیا۔

"کیوں؟" سالناں نے آواز اونچی کرتے ہوئے اصرار کیا۔

"میں ماہرینِ شکم کو پسند نہیں کرتا۔"

"اس کے باپ کے پیشے سے تمہیں کیا لینا ہے؟ شادی کے بعد تمہیں اس کی کیا ضرورت رہے گی؟ کوئی ضروری نہیں کہ ہر جمعے کی شب تم اس کی مہمان داری کرو۔"

گفتگو کے اس رخ سے لیو کو شرم آنے لگی، سو اس نے سالناں کو رخصت کر دیا، جو بوجھل، غم زدہ آنکھوں کے ساتھ گھر لوٹ گیا۔

گو رشتہ ساز کے جانے سے اسے خوشی ہوئی تھی لیکن اگلے دن وہ پھر اداس ہو گیا۔ اس نے اپنی اس

Scanned with CamScanner

لیبیٹ کو سالزماں کی [illegible] کافی پر محسوس ہوئی۔ لیو کو سالزماں جیسے لوگوں کی پروا نہیں تھی، لیکن جب اس سے
[illegible] رشتہ [illegible] میں مختلف محسوس کی تو یہ سوچنے لگا کہیں اس کا مطلب یہ تو نہیں [illegible]
شادی [illegible] کی [illegible] سے پروا نہیں۔ لوگوں کے [illegible] بالکل [illegible] برعکس تھے اور [illegible]
بے ماں باپ کا [illegible] تھا۔ [illegible] نے فوراً اس [illegible] سے نکال دیا، مگر [illegible] بھی سے پیچھا رہا۔ وہ
[illegible] میں گھومتا رہا، ایک [illegible] شادی میں [illegible] دیے [illegible]
[illegible] دوست کے [illegible] سے مل [illegible] کے لیے [illegible]
[illegible] لیڈی کو بھی نہ پہچانا جس نے ایک دوست کے ساتھ [illegible] پاس سے گزرتے
ہوئے بڑے خلوص سے شام بخیر کہا تھا۔ [illegible] ہوئے وہ کافی [illegible] کیا تھا۔ ایک کتاب سے
اسے خیالوں سے [illegible] دے دی۔

[illegible] وقت [illegible] [illegible] ہوئی۔ [illegible] دوست پایا [illegible] سالزماں
[illegible] کا [illegible] [illegible] تھے۔ [illegible] قدموں میں جان
[illegible] اپنے خیالات [illegible] شعور [illegible] کامیاب رہا۔

[illegible] میں ناخواندہ مہمان تو نہیں؟

[illegible] تھا میں پہچانے [illegible]

سالزمان نے خوش ہو کر اپنا بستہ میز پر رکھ دیا۔

[illegible] بڑی عمدہ خبر ہے۔

میں [illegible] مجھے [illegible] صرف [illegible] ہوں۔

[illegible] ڈھونڈ لی ہے۔

اس موضوع کو چھوڑو۔ لیو نے عدم دلچسپی کا [illegible]

ساری دنیا ناچے گی تمہاری شادی پر۔

سالزماں، خدا کے لیے، بس کرو۔"

[illegible] سب سے پہلے میں اپنی توانائی بحال کروں گا۔" سالزمان زیرِ لب بولا۔

[illegible] ایک [illegible] ایک [illegible] اور ایک چھوٹی سی [illegible]
[illegible] [illegible] [illegible] دوڑ میں
گزرتا ہے، وہ بڑبڑایا۔

لیو اسے [illegible] ہوئے دیکھا کیا۔

آپ [illegible] ہو گا؟" سالزماں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

نہیں۔

[illegible] نہیں [illegible] جب وہ کھا چکا تو اس نے احتیاط سے میز صاف کی

اور پھر کچھ مچھلی دوبارہ تھیلے میں رکھ لی۔ اس کی خوشبو ہوش آنکھیں کہ سے ہیں عشقی رہیں اور کتابوں کے ڈھیر کے درمیان رکھے ہیں، اسٹوو پر گرم کیں۔ وہ پتنا نیٹ ٹھاتے ہوئے ماڑی سے بولا: ایک پیالی چائے ہے گی، ربی؟

سمیر ہاد ... چائے سامنے لا۔ چائے کے ساتھ اس سے کچھ ... کی بخشش نے جس سے سالزان بہت خوش ہوا۔

چائے کے بعد سالزان کی توانائی اور خوش دلی لوٹ آئی۔

"اچھا، ربی، تم نے کل والی لڑکیوں پر مزید غور کیا؟"

"ضرورت نہیں پڑی۔"

"کیوں؟"

"ان میں سے کوئی بھی موزوں نہیں ہے۔"

"کون موزوں ہے پھر تمہارے لیے؟"

لیو نے ان سنی کر دی، کیونکہ وہ صرف ایک لمحہ ... ہی ... تھا۔

لیکن سالزان نے اس کے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ "تمہیں وہ ... کی ... یاد ہے جس کی میں نے بات کی تھی؟"

"بتیس سال والی؟"

سالزان کا چہرہ ... غیر متوقع طور پر مسکراہٹ سے روشن ہو گیا۔

"اس کی عمر اٹھائیس سال ہے۔"

لیو نے چونک کر اسے دیکھا۔ "تین سال کم ہو گئے؟"

سالزان عذر خواہی کرنے لگا۔ "میں نے آپ کی ... سے ... سے ... میں رکھی ہوئی ... غلطی کی ہے۔ پچھلے گشت میں وہ شخص ... لی تھی۔ ... ایک ... مقام پر، جہاں وہ تعطیلات گزار رہی تھی، ایک پارٹی میں ملی تھی۔ ... کے باپ سے ... لکھنا بھول گیا اور ... بتیس سال بتا بیٹھا۔ اب مجھے یاد آ گیا۔ ... سال کی ... ہے۔

"وہی جس کی تم نے بات کی تھی؟ میرے خیال میں اس کی عمر تو چونتیس سال تھی۔"

"وہ اور ہے۔ دنیا میں بیوؤں کی کثرت کا ... رہیں تو نہیں ہوں۔"

"نہیں۔ بات یہ ہے کہ مجھے بیوؤں یا ... سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

سالزان نے ... باندھتے ہوئے ہاتھ سینے پر رکھ لیے اور چھت کو تکتے ہوئے ... بولا: "خدایا! ایسے آدمی سے میں کیا کہوں جسے اسکول ٹیچروں سے دلچسپی نہیں ہے۔ تو پھر کس قسم کی لڑکی چاہیے تمہیں؟"

Scanned with CamScanner

لیو شرما گیا، لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

پھر کیسی لڑکی چاہیے تمہیں؟ سالزمان کہتا رہا۔ جو ہزاروں میں ہونے والی ایک حسین لڑکی، جس کے بنک اکاؤنٹ میں دس ہزار ڈالر جمع ہیں، تمہیں پسند ہے؟ ہمیں اس کا باپ بھی بارہ ہزار دینے کا وعدہ کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ لڑکی کے پاس ایک نئی کار ہے، عمدہ قسم کے ملبوسات ہیں اور وہ ہر موضوع پر بات کر سکتی ہے۔ تمہارے عمدہ گھر اور بچوں کی ضامن ہے۔ ہم ... ہی جنت سے کتنے قریب ہو جاؤ گے!

اگر اس میں یہ سب اوصاف ہیں تو اس کی شادی دس سال قبل کیوں نہ ہو گئی؟

اس لیے، سالزمان سادہ لوحی کے ساتھ بولا۔ اسے بہترین آدمی مطلوب ہے۔ وہ خاص قسم کا شوہر چاہتی ہے۔"

لیو چپ رہا۔ وہ اس طرح اپنے مجسمے پر حیران تھا۔ سالزمان کی باتوں سے للی ہرش میں اس کی دلچسپی پیدا کر دی تھی۔ اس نے اس سے ملاقات کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا۔ جب رشتہ ساز نے محسوس کیا کہ اس نے مہیا کردہ حقائق پر واقعی غور کر رہا ہے، اسے یقین ہو گیا کہ وہ جلد ہی کسی سمجھوتے پر پہنچ جائیں گے۔

لیو سنیچر کی سہ پہر کو للی ہرشورن کے ساتھ ریورسائیڈ ڈرائیو پر گیا۔ اسے ہر قدم پر سالزمان کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کی چال تیز اور باوقار تھی۔ اپنی الماری پر رکھے گرد آلود ہیٹ بکس سے اس نے بڑی سوچ بچار سے سیاہ ہیٹ نکالا تھا۔ کوٹ کو بڑی احتیاط سے برش کیا تھا۔ لیو کے پاس ایک چھوٹی سی ... تھی جو اس کی ... رشتہ دار نے تحفتاً دی تھی، لیکن اس نے ترغیب پر قابو پاتے ہوئے اسے ... سے جدا کیا۔ للی ایک پستہ قد، صاف ستھری عورت تھی۔ وہ بدصورت نہیں تھی۔ اس کا لباس آنے والی بہار سے مناسبت رکھتا تھا۔ وہ ہر قسم کے موضوع پر روانی سے بول سکتی تھی۔ لیو نے اس کے علاوہ ... تو وہ ... طور پر پختہ کار تھی ... سالزمان کی یہ ایک ... تھی جو اس کے خیال میں کہیں پاس ہی، شاید درختوں میں چھپا ہوا تھا اور بھیجے سے اس خاتون کو ہدایات دے رہا تھا۔ یا شاید وہ ... اور چرواہوں کا دیوتا پان تھا جو اپنے ... بکھیر رہا ... کے آگے رقص کرتا ہوا شادی کے نغمے گا رہا تھا۔ ... کی ... کلیاں بکھیر رہا تھا۔ اس کے قدموں میں رفاقت کا علامتی ... نشر ... رہا تھا حالاں کہ رفاقت ابھی تک تو مفقود تھی۔

للی نے یک لخت ... سے دنگ کر دیا۔ میں مسٹر سالزمان کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ عجیب شخص ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

لیو ... جواب ... دے، بس سر ہلا کر رہ گیا۔

للی نے شرماتے ہوئے سلسلۂ کلام بااعتماد طور سے جاری رکھا۔ میں بڑی ممنون ہوں کہ اس نے ہماری ملاقات کرادی۔ آپ کیا کہتے ہیں؟

اس نے خوش خلقی سے جواب دیا کہ وہ بھی ایسا ہی محسوس کرتا ہے۔

میرا مطلب ہے، وہ تھوڑا سا جھجکتے ہوئے بولی، ورنہ اس کی یہ بات اچھے معنی میں تھی یا کم از کم بری نہ ہونے کا تاثر دے رہی تھی۔ آپ ہم دونوں کے اس طرح ملنے کو برا تو نہیں سمجھتے؟

وہ لڑکی کی دیانت سے خوش ہوا تھا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ اس تعلق کو درست بنیادوں پر استوار کرنا چاہتی ہے اور یہ بھی کہ ایسا کرنے کے لیے کافی تجربے اور محنت کی ضرورت ہے۔ اس قسم کے آغاز کے لیے ساتھ تجربہ ناگزیر ہوتا ہے۔

لیو نے جواب دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ سائنسدان کا کام دوستی اور باعزت ہے اور کثرت طور خود نتائج برآمد نہ ہونے کے باوجود اس کی افادیت میں شبہ نہیں ہے۔

لی نے گہرا سانس لیتے ہوئے اتفاق کیا۔ وہ تھوڑی دیر چپ رہے۔ آخر ایک طویل خاموشی کے بعد —— اور اس بار بوکھلائی ہوئی ہنسی کے ساتھ —— وہ بولی: آپ ناراض تو نہ ہوں گے، میں ایک ذاتی سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔ سچ پوچھیے تو مجھے اس موضوع سے بڑی دلچسپی ہے۔ لیو کو یہ سن کر حیرت ہوئی کہ لی کس بوکھلاہٹ کے ساتھ بول رہی۔ آپ مذہب کی طرف کیسے آ گئے؟ میرا مطلب ہے یہ کیا اچانک تحریک کے تحت ہوا؟

قدرے توقف کے بعد لیو نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ مذہبی قانون میں مجھے ہمیشہ سے دلچسپی رہی ہے۔

آپ نے اس میں خدا کو کس طرح دیکھا؟

لیو نے سر ہلا دیا اور موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ مس لی، میں سمجھتا ہوں آپ نے پیرس میں کچھ وقت گزارا ہے؟

اوہ ری لیو! سالوں سے آپ کو پتا ہوگا۔ لیو چونک اٹھا لیکن لی نے اپنی بات جاری رکھی۔ "یہ تو برسوں پہلے کی بات ہے۔ اب تو میں بھول چکی ہوں۔ بس اتنا یاد ہے کہ میں کی سادگی پر مجھے بڑا پیار تھا۔"

لی اس کی دقت سے بچنے کا کام بھی سمجھ رہی تھی۔ اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا: آپ نے خدا سے لو کب لگائی؟

لیو نے بکھتا رہ گیا۔ تب اس نے بھلا کہ وہ اس کے بارے میں نہیں بلکہ کسی اجنبی کی باتیں کر رہی ہے، کسی صوفی بلکہ جیسے سرمد کا ذکر کر رہی ہے جسے سالہا سال سے اس کے خوابوں میں دکھایا گیا ہے جن کا زندوں سے تعلق ہے نہ مردوں سے۔ لیو غصے اور نفرت سے کانپ اٹھا۔ ظاہر ہے کہ جہاں بار سامنے سے ہی گئے، خود ہو دیکھا تھا، بالکل اسی طرح جیسے اس کے ہاتھ۔ لیو کو ایک ایسی سادہ خاتون سے شناسائی کی توقع تھی لیکن لی کے گھٹے ہوئے جسم سے پر اٹھتے ہی اسے پتا چل گیا تھا کہ مقابل عورت جیتی جاگتی ہے اور وہ کسی سے وہ تیزی سے ڈھل رہی ہے۔ یہ صرف اپنے آپ پر قابو رکھنے کے باعث تھا کہ وہ سب

Scanned with CamScanner

تک ہو کے رہ گیا تھا۔

[illegible] کوئی [illegible] نہیں ہوں۔ [illegible] [illegible] کی طرف محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ عدم محبت کے باعث آیا ہوں۔

[illegible]

[illegible] ہوگئی۔ [illegible] کا ماتم نظر آیا۔

[illegible]

[illegible] اس نے کسی نہ کسی طرح اپنے پر قابو رکھا اور ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگا۔

[illegible] کر دینے سے اس کا ورن گھٹنے لگا۔ اس کی [illegible] اور مطالعہ بھی تقریباً موقوف کر دیا۔ گو اپنے تعلیمی برسوں کے [illegible] ہونے کا خیال اس کے لیے روح فرسا تھا۔ وہ یونیورسٹی [illegible]

[illegible]

رہتا۔ وہ بہت چڑچڑا اور منفی ہو گیا تھا، خاص طور پر بیوی کے ساتھ جو ہر قسم کے دقیق سوال کیا
کرتی تھی۔ دوسری طرف، ناپسندیدگی محسوس کرتے ہوئے وہ سرگوشیوں پر اس سے تکرار کرتا اور پھر سرسری
سی معافی مانگ لیتا۔ یہاں تک کہ وہ اسے بوڑھی اور بے وقوف لگنے لگی۔ تاہم اس حالت سے اس نے یہ نتیجہ اخذ
کیا کہ وہ بیوی سے الگ ہونا چاہتا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ ملنے کے اہتمام تک وہ [illegible] ہو گیا اور
تب ساتھ پیش کی تجاویز کی طرف توجہ دی۔ وہ آپ مکمل نہیں لیکن مقصد تو مکمل تھا۔ جہاں تک
بیوی کی ترقی کا سوال ہے، اس نے جو پالیسی رکھی تھی کہ خوشیوں کی سوغات لوٹ آئے۔ یہ بھی اپنے وجود کی پہچان
سے ناخوش تھی۔ اس کی کامیابی کا معیار اسی سے مقابلے میں زیادہ تھا۔ شاید اسی لیے دل میں محبت بھی جاگ
سکتی تھی اور اس نے کوئی مدد لی سکتا ہو اور اس مقصد کی تلاش میں اسے سالوں کی مدد کی ضرورت
نہیں تھی۔

رشتہ ساز کے دفتر میں داخل ہوا تو جانے کیوں دل میں اضطراب سا تھا۔ اسی شام وہ بہت مسرور رہا۔ وہ
بہت شکستہ حال تھا جیسے [illegible] تصور ہو، جیسے وہ [illegible] کے جلوے میں گھر کے
بیٹھا ہو اور کبھی [illegible] انتظار کر رہا ہو۔

کھنکتے ہوئے وہ فوراً مطلب پر آ گیا۔ تمہیں لڑکی پسند آئی؟

سیو کو غصہ آ گیا۔ وہ اسے [illegible] سالزمین، تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں
بولا؟

سالزمین کا چہرہ [illegible] جیسے کسی نے اس کی رگوں سے [illegible] نچوڑ لیا ہو۔

کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ تمہیں پسند آئی ہے؟ سیو نے کہا۔

میں قسم کھاتا ہوں---

وہ پینتیس سے ایک دن بھی کم نہیں۔ کم از کم پینتیس۔

اس کی عمر کے بارے میں تمہیں یقین ہے [illegible] اس کے باپ کا کہنا ہے---

چھوڑو اس کے باپ کو۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تم نے للی سے بھی جھوٹ بولا۔

میں نے کیا جھوٹ بولا ہے میں نہیں سمجھ سکتا، بتاؤ تو سہی۔

تم نے میرے بارے میں ایسی باتیں کہیں جو درست نہیں ہیں۔ تم نے مجھے بڑھا چڑھا کر پیش
کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے مجھے اصل سے کچھ اور سمجھا۔ اس کے ذہن میں بالکل کوئی اور شخص تھا۔ وہ
مجھے کوئی معجزاتی [illegible] سمجھ بیٹھی۔

میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ تم مذہبی آدمی ہو۔

مجھے معلوم ہے۔

سالزمین نے آہ بھری۔ یہ میری بڑی کمزوری ہے۔ اس نے اعتراف کیا۔ میری بیوی کہتی
ہے مجھے یہ کام ترک کر دینا چاہیے۔ بس جب مجھے دو [illegible] ملتے ہیں تو میں شادی کے لیے موزوں

Scanned with CamScanner

ہوں تو میں خوشی کے مارے حد سے زیادہ بولنے لگتا ہوں۔" وہ کھل کے مسکرایا۔ "بس [illegible] میں غریب ہوں۔"

لیو کا غصہ اتر گیا۔ "خیر، سالزمان، بات اب ختم ہو چکی۔

رشتہ سازی کی [illegible] آپ کے جمع سے [illegible] کاٹ دوں۔"

"کیا مطلب؟ اب تم شادی نہیں کرنا چاہتے؟"

"یہ بات نہیں [illegible] لیکن اب میں نے طریق کار بدل دیا ہے۔ اب مجھے طے کرائی ہوئی شادی سے دل چسپی نہیں رہی۔ [illegible] شادی سے قبل محبت کی ضرورت محسوس کرنے لگا ہوں۔ یعنی میں شادی اس سے کروں گا جس سے محبت ہو گی۔"

"محبت؟" سالزمان [illegible] ہمارے لوگوں کے لیے زندگی ہی محبت ہے۔ ہماری عورتوں کے لیے نہیں، یہ کتابوں میں لکھا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے، مجھے معلوم ہے،" لیو نے کہا۔ "میں نے اس کے بارے میں اکثر سوچا ہے۔ میں نے یہ آپ سے محسوس کیا ہے کہ محبت کو جینے اور خدا سے [illegible] کرنے کا اضافی نتیجہ ہونا چاہیے نہ کہ آپ اپنا مقصد۔ [illegible] میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنی طلب کا کوئی معیار بناؤں اور اسے حاصل کرنے کی جدوجہد کروں۔"

سالزمان نے [illegible] لیکن [illegible] بولا "سنو ربی، تمہیں محبت درکار ہے تو اس کا بھی بندوبست ہو سکتا ہے۔ میرے پاس ایسی ایسی پریاں ہیں کہ تم دیکھتے ہی لٹو ہو جاؤ۔"

لیو ناخوشی سے مسکرایا۔ "تم مجھے نہیں [illegible]۔"

لیکن سالزمان نے [illegible] محنت سے کھولا اور ایک بڑا سا لفافہ برآمد کیا۔

"تصویریں،" [illegible] میز پر تیزی سے رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

[illegible] وہ تصویریں اپنے ساتھ لے جائے لیکن سالزمان تو جیسے ہوا میں تحلیل ہو گیا۔

مارچ کا مہینہ آ گیا۔ لیو کی زندگی معمول پر آ گئی تھی۔ وہ [illegible] طرح [illegible] نہیں [illegible] کمزوری محسوس کر رہا تھا، لیکن اب اس نے ایک [illegible] پر [illegible] زندگی گزارنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بلاشبہ ایسی زندگی کے لیے [illegible] درکار تھی لیکن وہ [illegible] ہمت [illegible] تھا [illegible] کا خرچ کم کر کے وہ [illegible] پوری کر سکتا تھا۔ [illegible] سالزمان کی [illegible] ہوئی تصویریں میز [illegible] گرد کھاتی رہیں۔ کبھی [illegible] مطالعے کے دوران [illegible] بیٹھے ہوئے اس کی نظر [illegible] لفافے پر پڑ جاتی، لیکن وہ اسے کھولنے سے گریزاں ہی رہا۔

دن گزرتے رہے لیکن [illegible] سے کوئی قابل ذکر سماجی رابطہ [illegible] لیو جیسے شخص کے [illegible] میں ایسا ہونا مشکل ہی تھا۔ ایک صبح لیو [illegible] سے سیڑھیاں طے کر کے اپنے کمرے میں آیا اور کھڑکی سے [illegible] شہر کو دیکھنے لگا [illegible] دن روشن تھا لیکن اس کے لیے شہر کا منظر تاریک تھا۔ وہ کچھ دیر [illegible] بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھتا رہا، پھر [illegible] دل کے ساتھ کمرے میں لوٹ آیا۔ لفافہ

Scanned with CamScanner

میز پر رکھا تھا۔ اس نے ایک اچانک اضطراب کے ساتھ اسے کھول لیا اور ایک ہیجانی کیفیت میں آدھے گھنٹے تک وہیں کھڑا ان تصویروں کو دیکھتا رہا۔ آخر کار ایک ٹھنڈی آہ بھر کر اس نے تصویریں رکھ دیں۔ دلکشی کے مختلف درجوں کی وہ تصویریں تعداد میں چھ تھیں لیکن غور سے دیکھنے پر سب کی سب ملتی جلتی تھیں۔ ان سب کی جوانیاں ڈھل چکی تھیں اور ان کی دلکش مسکراہٹوں کے پیچھے وقت کی تھکن جھلک رہی تھی۔ ان میں کوئی بھی حقیقی شخصیت کی مالک نہیں تھی۔ ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود زندگی ان سے سرسری گزر رہی تھی۔ وہ فقط مچھلی کی بو میں بسے ہوئے سستے میں رنگی تصویریں تھیں۔ مگر جونہی اس نے انھیں لفافے میں واپس رکھنا چاہا تو اسے ایک تصویر اور نظر آئی۔ یہ اس قسم کا سنیپ شاٹ تھا جو مشینیں پچیس سینٹ میں نکالتی ہیں۔ لیو نے لمحہ بھر اسے دیکھا تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

اس کے چہرے نے لیو کو ضرور متاثر کیا۔ پہلے پہل تو وہ اس کی وجہ نہ سمجھ سکا۔ اس کے چہرے پر جوانی کا رنگ تھا، لیکن بہار کے پھولوں جیسی تازگی کے باوجود عمر عیاں تھی جس کے گزر جانے کا احساس اس کی آنکھوں سے مترشح تھا جو بے انتہا دلکش ہونے کے باوجود اجنبی لگتی تھیں۔ لیو کو یہ مبہم سا احساس ہوا کہ وہ اس لڑکی سے پہلے بھی کہیں مل چکا ہے۔ لیکن کہاں؟ انتہائی کوشش کرنے پر بھی وہ یاد نہ کر پایا، حالانکہ اس کا نام اسے یاد آتے آتے رہ گیا جیسے اس کی ذہنی گرہ میں کہیں اٹکا ہوا ہو۔ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ ورنہ وہ اسے ضرور یاد رہتی۔ اسے خوب معلوم تھا کہ اس کشش کی وجہ لڑکی کا غیر معمولی حسن نہیں، حالانکہ اس کا چہرہ خاصا دلکش تھا جس سے لیو متاثر ہوا تھا۔ یہ اس لڑکی کی کوئی اور بات تھی۔ خدوخال کے موازنے میں تو تصویروں کی چند لڑکیاں اس سے بہتر ہی ہوں گی، لیکن فقط وہی تھی جو اس کے دل میں آ بسی تھی، دل میں رہ چکی تھی، یا رہنا چاہتی تھی، بلکہ اب تک اس کے سینے پر ثبت تھی۔ اس نے گہرے دکھ سہے تھے، اور یہ بات اس کی جھلکتی ہوئی آنکھوں کی گہرائیوں میں پڑھی جا سکتی تھی؛ یہ بات اس روشنی سے عیاں تھی جو اس کے وجود کے ارد گرد پھیلی ہوئی تھی، اس کے باطن سے ابھر رہی تھی، ملاقات کے در کھول رہی تھی۔ اس لڑکی کے خواب اس کے اپنے تھے۔ یہی عورت اس کی آرزو تھی۔ اسے! اس کو لگاتار دیکھتے رہنے سے لیو کا سر چکرانے لگا۔ اس کی آنکھیں درد کرنے لگیں۔ پھر جیسے اس کے دل میں ایک عجیب سی دھند بھر گئی۔ اسے لڑکی سے خوف آنے لگا۔ اسے احساس ہوا کہ لڑکی کسی نہ کسی طرح مدد کی متلاشی ہے۔ لیو نے کانپتے ہوئے سوچا: ہم سب کے ساتھ بہرحال یہی ہوتا ہے۔ اپنے ہیجان پر قابو پانے کو اس نے تھوڑی سی چائے دم کی اور بغیر شکر ڈالے پینے لگا۔ ابھی اس نے چائے ختم نہ کی تھی کہ ہیجان نے پھر آ لیا۔ وہ اس چہرے کو پھر سے دیکھنے لگا۔ اسے یوں لگا کہ صرف یہی چہرہ ہے جو اس کے لیے ہے۔ یہی لڑکی ہے جو اسے سمجھ سکتی ہے، اس کے مقصد حیات کو پانے میں مدد کر سکتی ہے، اور شاید اس سے محبت بھی کر سکتی ہے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ سالزمان نے اسے مسترد کر کے پیچھے میں کیوں رکھ چھوڑا۔ لیکن اسے یہ ضرور معلوم تھا کہ اس لڑکی کی تلاش میں اسے فوراً جانا ہے۔

لیو دوڑتا ہوا نیچے آیا۔ اس نے برونکس کے علاقے کی ٹیلیفون ڈائرکٹری اٹھائی اور سالزمان کے گھر

کا پتہ ڈھونڈنے لگا۔ لیکن وہاں سالزمان نام کا اندراج نہ تھا۔ اس نے دفتر کا ... کا نام ٹیلیفون کی ڈائرکٹری میں بھی مفقود تھا۔ وہ تو کچھ دیر سے یاد آگیا کہ سالزمان کا پتہ اس نے کاغذ کے کسی پرزے پر لکھ رکھا ہے۔ دراز کے ردی کاغذوں میں اسے تلاش کیا۔ پڑھا کہ اس نے پتہ لکھا بھی تھا۔ وہ جگہ جگہ ڈھونڈتا رہا اور آیا اور بے کار کاغذات کھنگالنے لگا، لیکن بے سود۔ صورت حال بڑی مایوس کن تھی۔ عین اس وقت جب رشتہ ساز کی ضرورت تھی وہ گم تھا۔ خوش قسمتی سے اسے اپنا کوٹ ٹٹولنے کا خیال آیا جس میں ایک کارڈ کی پشت پر سالزمان کا پتہ مل گیا۔ لیکن فون نمبر یہاں بھی نہیں تھا۔ لیو کو یاد آیا کہ سالزمان سے ملاقات خط کے ذریعے ہوئی تھی۔ اس نے کوٹ پہنا اور اوور کوٹ پر ہیٹ منڈھتے ہوئے زیر زمین ریلوے کی طرف بھاگا۔ برونکس کے آخری سرے تک وہ اپنی نشست کے کنارے پر بیٹھا رہا۔ راستے میں کئی بار اس کا جی چاہا کہ لڑکی کی تصویر نکال کر اپنی ذہنی تصویر سے ملائے لیکن اس سے باز رہتے ہوئے اس نے تصویر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب ہی میں رہنے دی۔ وہ اسے اتنا قریب پا کر مطمئن تھا۔ اس نے ... کئی طرح سے کا ... اور جھلملاتا ... سالزمان کی منتخب کردہ گلی اس نے جلد ہی معلوم کر لی۔

اس کی مطلوبہ عمارت سٹیشن سے ایک بلاک سے بھی کم فاصلے پر تھی۔ لیکن وہ دفتری عمارت نہ تھی۔ وہ کوئی سٹور بھی نہ تھی جس میں کرائے پر دفتر لیا جا سکے۔ وہ بہت پرانی قسم کی عمارت تھی۔ گھنٹی کے نیچے سالزمان کا نام ایک گندے سے کاغذ پر پنسل سے لکھا ہوا تھا۔ تین منزلہ اندھیری سیڑھیاں طے کر کے وہ اس کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس کی دستک پر ایک دبلی پتلی، دمے کی مریضہ، کھچڑی بالوں والی عورت باہر آئی جس کے پیروں میں معمولی قسم کے سلیپر تھے۔

جی؟ اس نے مسکرا کر اندر ... پوچھا۔ اس کا خیال کہیں اور تھا۔ لیو قسم کھا سکتا تھا کہ اس عورت کو بھی اس نے کہیں دیکھا ہے، لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ محض واہمہ ہے۔

سالزمان یہاں رہتا ہے؟ پنی سالزمان، رشتہ ساز؟

وہ ایک منٹ تک اسے دیکھتی رہی۔ "بالکل۔"

لیو کو پریشانی ہونے لگی۔ گھر پر ہے؟

نہیں۔ عورت کا منہ اگرچہ کھلا ہوا تھا مگر اس کے پاس کہنے کو اور کچھ نہ تھا۔

بڑا ضروری کام ہے۔ آپ جانتی ہیں اس کا دفتر کہاں ہے؟

ہوا میں۔ اس نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

آپ کا مطلب ہے اس کا کوئی دفتر نہیں؟ لیو نے پوچھا۔

اس کا دفتر اس کی جرابوں میں ہے۔

لیو نے اندر جھانکا۔ وہاں اندھیرا اور اداسی تھی۔ کمرہ ایک بڑا ... جسے ادھ کھلے پردے سے دو حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ کمرے کے آخری سرے پر لوہے کا ایک پرانا پلنگ پڑا تھا۔ سامنے میں کچھ ٹوٹی پھوٹی کرسیاں، پرانی الماریاں، تین ٹانگوں والی ایک میز اور برتنوں کا ڈھیر، بلکہ کچن کا سب سامان

تھا۔ لیکن وہاں کہیں سالماں کا کوئی سراغ تھا نہ اس کے جادوئی پیچے کا۔ غالباً یہ بھی لیو کے تصور کی کارفرمائی تھی۔ بجھتی تجنے کی خوشبو نے اسے پھر شک میں ڈال دیا۔

"وہ کہاں ہے؟" اس نے اصرار کیا۔ "مجھے تمہارے شوہر سے ضروری کام ہے۔"

آخر کار وہ گویا ہوئی۔ "کون کہہ سکتا ہے وہ کہاں ہے۔ ہر نئے جہاں کے ساتھ وہ ایک مختلف سمت میں چل پڑتا ہے۔ پیچھا کرو۔ وہ تمہیں مل جائے گا۔"

"اسے بتا دو نا" لیو تنگ آیا تھا۔

عورت نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

لیو مایوسی سے نیچے آیا۔

لیکن سالماں اس کے دروازے پر منتظر تھا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔

لیو اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا لیکن ساتھ ہی بے حد خوشی بھی محسوس کرنے لگا۔

"تم مجھ سے پہلے کیسے پہنچ گئے؟"

"بھاگتا ہوا آیا ہوں۔"

"اندر آجاؤ۔"

لیو نے چائے بنائی اور سینڈوچ کے ساتھ پیش کی۔ ابھی وہ چائے پی رہے تھے کہ لیو نے کتب سے تصویروں والا لفافہ نکال کر اسے تھما دیا۔

سالماں نے گلاس رکھتے ہوئے متوقع نظروں سے پوچھا: "کوئی پسند آئی؟"

"ان میں سے نہیں۔"

رشتہ ساز کا منہ لٹک گیا۔

"میری پسند یہ ہے۔" لیو نے سنیپ شاٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔

سالماں نے چشمہ چڑھایا اور کپکپاتے ہاتھوں سے تصویر تھام لی۔ اس کا رنگ فق ہو گیا اور منہ سے چیخ نکل گئی۔

"کیا ہوا؟" لیو نے چلا کر پوچھا۔

"معاف کرنا۔ یہ تصویر غلطی سے آ گئی۔ یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔"

سالماں نے لفافہ تیزی سے بستے میں رکھ لیا اور سنیپ شاٹ جیب میں۔ وہ برق رفتاری سے سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

لمحہ بھر معلق رہنے کے بعد لیو اس کے تعاقب میں بھاگا اور راہداری میں اسے جا لیا۔ لینڈ لیڈی انہیں دیکھ کر ہسٹیریائی انداز میں چیخنے لگی، لیکن وہ دونوں بے خبر رہے۔

"سالماں، تصویر مجھے لوٹا دو۔"

"نہیں۔" اس کی آنکھوں میں ہولناک کرب تھا۔

Scanned with CamScanner

"اچھا تو پھر بتاؤ یہ تصویر کس کی ہے۔"

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔ معافی چاہتا ہوں۔"

اس سے چھیننے کا ارادہ کیا لیکن لیو نے خود فراموشی کے عالم میں اسے پکڑ کر جھٹکے دینے لگا۔

"پلیز" سالزمان گڑگڑایا، "پلیز!"

لیو نے شرمندہ ہو کر اسے چھوڑ دیا۔ "مجھے بتاؤ وہ کون ہے؟" اس نے التجا کی۔ "میرے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے۔"

"وہ تمہارے لیے موزوں نہیں ہے۔ وہ ایک آوارہ لڑکی ہے، آوارہ اور بے حیا۔ وہ ایک ربی کی بیوی نہیں بن سکتی۔"

"آوارہ سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"جانوروں کی طرح۔ کتوں کی طرح۔ اس نے یہی غربت کو برباد سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ اب وہ میرے لیے مر چکی ہے۔"

"خدا کا واسطہ، تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں تمہیں اس سے نہیں ملا سکتا،" سالزمان چلایا۔

"تم اتنے ہیجان میں کیوں ہو؟"

"پوچھتے ہو ہیجان میں کیوں ہوں؟" سالزمان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "وہ میری بچی ہے۔ میری اسٹیلا ہے۔ خدا کرے وہ دوزخ کا ایندھن بنے۔"

لیو تیزی سے اوپر آیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ بستر میں لیٹے لیٹے وہ اپنی زندگی پر غور کرنے لگا۔ گو اسے جلد ہی نیند آ گئی مگر وہ لڑکی اس کے ذہن میں بسی رہی۔ جب وہ جاگا تو ڈرتے ہوئے وقت یاد کر کے اپنا سینہ پیٹنے لگا۔ اس نے لڑکی کو بھولنے کے لیے دعائیں مانگیں لیکن بے سود۔ آنے والے ذہنی عذاب کے دنوں میں اس نے اسے پیار نہ کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن کامیابی سے خائف ہو کر انہیں ترک کر دیا۔ پھر اس نے لڑکی کو سیدھی راہ پر اور خود کو خدا کے قالب میں ڈھالنا چاہا۔ یہ تصور باری باری اسے پریشان اور ارفع کرتا رہا۔

براڈوے کے ایک کیفے میں سالزمان سے اچانک ملاقات تک شاید اسے علم نہیں تھا کہ وہ حتمی نتیجے پر پہنچ چکا ہے۔ سالزمان ایک دور افتادہ میز پر بیٹھا مچھلی کی بچی کھچی ہڈیاں چبا رہا تھا۔ وہ بہت دل گرفتہ اور نحیف نظر آ رہا تھا جیسے ابھی ہوا میں تحلیل ہو جائے گا۔

پہلی نظر میں سالزمان نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ لیو نے داڑھی بڑھا لی تھی اور اس کی آنکھیں سختی سے بوجھل تھیں۔

"سالزمان،" اس نے کہا۔ "آخر مجھے محبت ہو ہی گئی۔"

"تصویر سے کون محبت کر سکتا ہے!" رشتہ کرانے والے نے اس کا مذاق اڑایا۔

"یہ ممکن تو نہیں ہے۔"

"اگر تم اس سے محبت کر سکتے ہو تو پھر کسی سے بھی کر سکتے ہو۔ آؤ، تمھیں چند سی لڑکیوں کے بارے میں بتاؤں۔ انھوں نے تصویریں بھی بھیجی ہیں۔ ایک تو بالکل گڑیا ہے۔"

"مجھے تو بس وہی چاہیے۔"

"بے وقوف مت بنو، ڈاکٹر۔ اس کا خیال چھوڑ دو۔"

"مجھے اس سے ملا دو، سالزمان، شاید میں کسی کام آ سکوں،" لیو نے عاجزانہ کہا۔

سالزمان نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا، اور اس کے تاثرات سے لیو نے جان لیا کہ معاملہ اب طے ہے۔

تاہم کیفے سے نکلتے وقت وہ اس تکلیف دہ شبے میں مبتلا تھا کہ یہ سب کچھ سالزمان کی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔

لیو کو خط کے ذریعے بتایا گیا کہ لڑکی ایک خاص موڑ پر اس سے ملے گی اور ایک بہار کی شب وہ بجلی کے کھمبے تلے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ لیو کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا گلدستہ تھا۔ سٹیلا بجلی کے کھمبے سے ٹیک لگائے سگریٹ پی رہی تھی۔ اس کا لباس سفید اور جوتے سرخ تھے، اور یہ لیو کی توقع کے عین مطابق تھا۔ حالاں کہ ایک تکلیف دہ لمحے میں اس نے تصور کیا تھا کہ لباس سرخ اور جوتے سفید ہوں گے۔ وہ بے سکونی اور جھجک کے عالم میں تھی۔ دور سے لیو نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں بالکل اپنے باپ جیسی ہیں اور ان میں معصومیت سی معصومیت ہے۔ اس لڑکی میں اسے اپنی نجات دکھائی دی۔ فضا وائلن کی صداؤں سے معمور تھی اور آسمان روشن شمعوں سے۔ پھولوں کو آگے بڑھائے ہوئے لیو اس کی طرف دوڑ پڑا۔

موڑ کے اُدھر، دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے، سالزمان مُردوں کے لیے دعائیں پڑھ رہا تھا۔

**

(انگریزی عنوان: The Magic Barrel)

برنارڈ مالامڈ

انگریزی سے ترجمہ: راشد مفتی

نوکرانی کے جوتے

نوکرانی کا نام روزا تھا اور اسے اس کی پرانی مالکن پاس چھوڑ گئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ کوئی مستقل کام ڈھونڈ رہی ہے۔ وہ کوئی بھی کام کر سکتی تھی لیکن کسی عمر رسیدہ عورت کے لیے کام نہ کرنے کو ترجیح دے گی۔ تاہم اگر ضرورت ہوئی تو کر لے گی۔ وہ پینتالیس سال کی تھی مگر اس سے زیادہ کی لگتی تھی۔ اس کا چہرہ مسکین تھا، بال سیاہ تھے اور اس کی آنکھیں اور ہاتھ خوب صورت تھے۔ اس کے چند ہی دانت سالم تھے۔ جب وہ ہنستی تو اس سے ... شرمندگی کا تاثر ہوتا۔ اگرچہ اس سال روم میں اکتوبر کا آغاز سرد تھا اور جو لوگ ... گرم کپڑوں سے لدے ہوئے تھے، لیکن نوکرانی نے صرف ایک سیاہ سوتی لباس پہن رکھا تھا اور دونوں ہاتھ بغل کے نیچے تھے، جہاں کوٹ ہوتے ہیں ... اس نے نیچے ایک نیلی رنگ کی ایک جرسی تھی۔ اس نے بچوں کو کسی ... لیکن ... سے ... پہچ کھل گئی تھی۔ اس کی ... مگر ترشیدہ ٹانگیں عریاں تھیں اور وہ بال ... باتیں کرتے ہوئے ان سے کھیلتی ... جیب میں رکھے تھے۔ وہ اسی سڑک پر آگے رستے والی ایک ... سے پہلے ایک دن ... دکھلائی کر کے آئی تھی اور اپنے جوتے ایک کاغذی تھیلے میں ڈال رکھے تھے۔ اس پہاڑی سڑک پر تین بستہ سی اقامتی عمارتیں تھیں اور وہ ہر ایک میں اپنا نام دے آئی تھی۔

دربان کی بیوی ... ہوئے ... عمر کی عورت تھی اور جس نے عمارت میں رہنے والے ایک امریکی خاندان سے ملازمہ ... کا ... کی تھی، بولی کہ وہ نوکرانی کو یاد رکھے گی، مگر پھر وہ بھول گئی۔ وہ مشغول

رکی یہاں تک کہ یہ کباڑ مشن کے ایک آرمسٹرانگ میں ایک امریکی پروفیسر سے آیا اور اس نے اسے کوئی نوکرانی ڈھونڈنے کے لیے کہا۔ دربان کی بیوی لوٹ سے ایک سولہ سالہ لڑکی کو لے آئی جو جاب ہی میں سریا سے آئی تھی اور ابھی خاندان کے ساتھ آئی۔ لیکن پروفیسر کو، جس کا نام اوریمنڈو گرنر تھا، خاص طرف سے لڑکی کی متعلق خوبیاں بڑھ چڑھ کر بیان کرنے کا طور پسند نہیں آیا، اس نے لڑکی کو لوٹا دیا۔ اس نے دربان کی بیوی کو بتایا کہ اسے کوئی ایسی عمر رسیدہ عورت چاہیے جس کی اسے فکر نہ کرنی پڑے۔ تو دربان کی بیوی کو نوکرانی کا خیال آیا جو اپنا نام بتا دے گئی تھی۔ وہ نوکرانی سے کہہ گئی جو دیا آپ آہستہ پہنتی اور قمیص تھی کے پاس واقف تھا، اور اسے بتایا کہ ایک امریکی کو دن کے وقت کام کرنے والی نوکرانی چاہیے۔ وہ اس کا نام امریکی کو بتادے گی شرط یہ کہ نوکرانی اس سے پہلے میں کچھ کرنے کو تیار ہو۔ نوکرانی نے، جس کا نام روزیتا تھا، کہا کہ اسے بچانے اور مصروفی سے بچے سرگرم ہوں گے ہی۔ اس نے کہا کہ دربان کی بیوی کو دینے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔

"دیکھو تو میں بوڑھی ہوں،" وہ بولی۔ "ان کاغذ کے ڈھیر کو دیکھو۔ یہ تم اسے کہہ سکتی ہو؟ میں سب سے چھوٹے بیٹے اور اس کی کتیا بیوی کے ساتھ رہتی ہوں جو میرے منہ میں جانے والے شوربے کا ایک ایک چمچا گنتی ہے۔ وہ دونوں مجھے عذاب سمجھتے ہیں اور میرے پاس کچھ ہے تو صرف غلاظت۔"

"اس صورت میں تو تم سے کچھ نہیں مل سکتی،" دربان کی بیوی نے کہا۔ "مجھے بھی اپنا اور اپنے شوہر کا پیٹ پالنا ہے۔" مگر وہ بس اسٹاپ تک جا کر لوٹ آئی اور نوکرانی سے کہا کہ اگر وہ اپنی پہلی تنخواہ میں سے آدھی دینے کا وعدہ کرے تو وہ اسے امریکی کے پاس رکھوا دے گی۔

"وہ تنخواہ کتنی دے گا؟" نوکرانی نے دربان کی بیوی سے پوچھا۔

"تین ہزار ماہوار کے لیے کہوں گی۔ تمھیں اس سے کم از کم دو سو پیسے روزانہ بس کے کرائے میں خرچ کرنے پڑتے ہیں۔"

"یہ تو بہت زیادہ ہے،" بوڑھی بولی۔ "چاہیں ایک طرف سے گئیں نہ اور پہنچیں ویسی ہی۔ لیکن اگر وہ مجھے تین ہزار دے گا تو میں تمھیں پانچ سو دے دوں گی، اس شرط پر کہ تم اسے یہ کہو کہ مجھے صرف اتنا ہی دینا ہے۔"

"میں کہہ دوں گی،" دربان کی بیوی نے کہا اور نوکرانی کو امریکی پروفیسر کے ہاں رکھوا دیا۔

اوریمنڈو گرنر ایک ساٹھ سالہ روکھا شخص تھا۔ اس کی آنکھیں ہلکی نیلی تھیں، دہانہ چوڑا اور گوشت دار ٹھوڑی دو حصوں میں منقسم تھی۔ اس کا گول سر بالوں سے محروم تھا۔ اس کا بالائی جسم دبلا تھا مگر پیٹ تھوڑا باہر کو نکلا ہوا تھا۔ وہ کسی حد تک عجیب نظر آنے والا آدمی تھا جو مگر تاریخ کے مضمون میں سند کی حیثیت رکھتا ہے، دربان کی بیوی نے نوکرانی کو بتایا تھا۔ پروفیسر اپنی اسٹڈی میں میز پر بیٹھا سارا دن لکھتا رہتا تھا، تاکہ ہر آدھ گھنٹے بعد کمرے سے ہو کر میں ادھر ادھر نظر ڈالتے ہوئے کسی لگی ہوئے تھ

جاتا۔ اسے یہ فکر لگی رہتی کہ معاملات کیسے چل رہے ہیں اور وہ اکثر اپنی اسٹڈی سے باہر نکل آیا کرتا۔ وہ روزا کو کام کرتے دیکھتا اور پھر اندر جا کر لکھنے لگتا۔ آدھ گھنٹے بعد پھر باہر آتا اور بناوٹی طور پر باتھ روم میں ہاتھ دھونے یا ایک گلاس ٹھنڈا پانی پینے جاتا مگر در حقیقت یہ دیکھتا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ روزا تیزی سے کام کرتی تھی، خاص طور پر جب وہ دیکھ رہا ہوتا۔ پروفیسر کا خیال تھا کہ روزا ماحول سے تنگ ہے مگر یہ اس کا مسئلہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ان لوگوں کی زندگیاں مصائب سے بھری ہیں بلکہ خستہ و خراب ہیں، اس سے لاتعلقی ہی بھلی۔

اٹلی میں یہ پروفیسر کا دوسرا سال تھا۔ پہلا سال اس نے میلان میں گزارا تھا اور اب دوسرے سال کے لیے روم میں تھا۔ اس نے تین بیڈروم کا ایک بڑا سا اپارٹمنٹ کرائے پر لیا تھا جس میں سے ایک کو وہ اسٹڈی کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ دوسرے بیڈروم اس کی بیوی اور بیٹی کے لیے تھے جو اگست میں عارضی طور پر امریکا چلی گئی تھیں۔ ان کے واپس آنے میں زیادہ دن نہیں تھے۔ اس نے روزا کو بتایا تھا کہ جب وہ تینوں آ جائیں گی تو وہ اسے کل وقتی طور پر رکھ لے گا؛ نوکرانی کا کمرہ موجود ہے، جہاں وہ سو سکتی ہے۔ در حقیقت اس کمرے کو وہ پہلے ہی اپنے کمرے کے طور پر استعمال کر رہی تھی، حالاں کہ اپارٹمنٹ میں وہ صرف نو بجے سے چار بجے تک رہتی تھی۔ روزا نے کل وقتی بندوبست سے اتفاق کیا کیوں کہ اس کا مطلب مفت کھانے کے علاوہ پیسے بچانے اور اس کی سنگ جیسی بیوہ کو کرایہ ادا کرنے سے نجات بھی تھا۔

جب تک مسز اور بیٹی آتیں، خریداری اور باورچیگی روزا ہی کو کرنی تھی۔ وہ صبح آ کر پروفیسر کے لیے ناشتہ بناتی اور ایک بجے دوپہر کا کھانا۔ رات کا کھانا تیار کرنے کے لیے، جو وہ چھ بجے کھاتا تھا، اس نے چار بجے کے بعد بھی ٹھہرنے کی پیش کش کی مگر وہ رات کا کھانا باہر کھانے کو ترجیح دیتا تھا۔ خریداری کے بعد ایک بجے تک وہ جھاڑو اور ٹوکری سے دھکیلتے، سنگ مرمر کے فرش کو پوچا لگاتے ہوئے وہ گھر کی صفائی کرتی، حالاں کہ پروفیسر کو فرش خاص گرد آلود نہیں لگتا تھا۔ وہ اس کے کپڑے دھوتی اور استری کرتی۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں تیزی سے جاتے ہوئے اپنے جوتوں سے کلپ کلاپ کرتی وہ اپنا کام خوش اسلوبی سے نمٹاتی اور اکثر مقررہ وقت سے کم و بیش گھنٹہ بھر پہلے فارغ ہو جاتی۔ سو وہ آرام کرنے کو نوکرانی کے کمرے میں چلی جاتی اور وہاں اٹالین اخبار یا پرچہ پڑھتی، یا بعض اوقات فلمی کہانی یا تصویری داستان دیکھتی جس میں ہر تصویر کے نیچے چھوٹے مکالمے چھپے ہوتے۔ اکثر وہ اپنا بستر بچھا لیتی اور سردی سے بچنے کے لیے کمبل اوڑھ کر لیٹی رہتی۔ موسم بارانی ہو گیا تھا اور اب اپارٹمنٹ ٹھیک ٹھاک طور پر سرد رہتا تھا۔ ان قدیم عمارت کے تنصیبی نظام میں گھروں کو پندرہ نومبر سے پہلے گرم رکھنے کا رواج نہ تھا، اور اگر سردی اس سے پہلے شروع ہو جاتی، جیسی کہ اب تھی، تو عمارت کے مکینوں کو اپنے طور پر کچھ نہ کچھ بندوبست کرنا پڑتا تھا۔ سردی پروفیسر کو پریشان کر رہی تھی۔ اسے دستانے اور سویٹر پہن کر لکھنا پڑتا تھا اور اس کا نزلہ بگڑ گیا تھا۔ وہ نوکرانی کو دیکھنے زیادہ باہر آنے لگا تھا۔ وہ اپنے جوتوں کے اوپر ایک سوتی باتھ روب پہننے لگا تھا۔ بعض اوقات باتھ روب کی جیبیں گرم پانی کی

بوتل کے گرد لپٹی ہوتی جسے وہ اپنی کمر کے زیریں حصے پر کوٹ کے نیچے رکھ لیا کرتا تھا۔ بعض اوقات لکھنے کے دوران وہ گرم پانی کی بوتل پر بیٹھ جاتا تھا۔ یہ ایسا نظارہ تھا کہ ایک بار روزا دیکھ کر منہ پر ہاتھ رکھ کر مسکرانے لگی تھی۔ اگر وہ کھانے کے بعد گرم پانی کی بوتل ڈائننگ روم میں چھوڑ دیتا تو روزا اسے استعمال کرنے کے لیے پوچھ لیتی۔ عموماً وہ اس کی اجازت دے دیتا تھا۔ تب وہ ربڑ کی بوتل اپنے پیٹ پر رکھ کر کچن سے دبائے کام کرتی رہتی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے جگر میں تکلیف ہے۔ یہی وجہ تھی کہ پروفیسر، جب وہ اپنا کام ختم کرتی، کمرے میں جا کر اس کے لیٹنے کا برا نہیں مانتا تھا۔

ایک بار، جب روزا جا چکی تھی، پروفیسر اس کے کمرے کے نزدیک راہداری میں تمباکو کی بو سونگھ کر تفتیش کرنے اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں، جو ایک لمبوترے دریچے سے زیادہ نہیں تھا، ایک تنگ دیوار گیر بستر کے علاوہ ایک چھوٹی سی سبز الماری بھی تھی۔ ساتھ ہی ایک چھوٹا باتھ روم تھا جس میں طہارت خانہ اور ایک بیسن تھا جس میں ٹھنڈے پانی کا نل لگا ہوا تھا۔ وہ اکثر بیسن میں ایک تختے پر کپڑے دھوتی تھی لیکن جہاں تک پروفیسر کو معلوم تھا، اس میں نہانے کی سہولت نہیں تھی۔ اولیاء کے تمام دن والے تہوار سے ایک دن قبل اس نے بڑے باتھ روم میں پروفیسر کے ٹب میں، گرم پانی سے نہانے کی اجازت مانگی تھی۔ اگرچہ وہ لمحہ بھر کو ہچکچایا تھا مگر اجازت اس نے دے دی تھی۔ اس کے کمرے میں پہنچ کر پروفیسر نے الماری کے نچلے حصے کی ایک دراز کھولی۔ وہاں سگریٹ کے بچے ہوئے ٹکڑوں کا ایک ڈھیر تھا۔ ان ٹکڑوں کا جو پروفیسر نے راکھ دانوں میں رکھ چھوڑے تھے۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ روزا نے ردی کی ٹوکری میں سے اس کے پرانے اخبار اور رسالے لے کر رکھے ہیں۔ اس نے ستلی، کاغذی تھیلے اور ربڑ کے چھلے بھی جمع کر رکھے تھے اور اس کے پھینکے ہوئے پنسل کے چھوٹے ٹکڑے بھی۔ یہ معلوم ہونے کے بعد سے وہ اسے کبھی کبھار کھانے کا بچا ہوا کچھ گوشت اور سوکھا ہوا پنیر ساتھ لے جانے کو دے دیتا۔ بدلے میں وہ اس کے لیے پھول لاتی۔ ایک بار وہ دو عجیب بڑے انڈے لے آئی جو اس کی ساس کی مرغی نے دیے تھے، مگر پروفیسر نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بتایا کہ اس کی روزانہ کی خوراک کے لحاظ سے بہت تیز ہے۔ اس نے دیکھا کہ روزا کو جوتوں کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ گھر جاتے ہوئے جو جوتے پہنتی تھی وہ جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے، اور یہ کہ وہ روزانہ وہی سیاہ ساہی پہنتی ہے جس کے باعث پروفیسر کو اس سے بات کرتے ہوئے شرمندگی ہوتی تھی۔ تاہم اس کا خیال تھا کہ جب اس کی بیوی آئے گی تو ان معاملات پر اس سے بات کرے گا۔

نوکرانی کی جو صورت حال تھی اس کے لحاظ سے روزا جانتی تھی کہ اسے ایک اچھی نوکری میسر ہے۔ پروفیسر اچھی تنخواہ دیتا تھا اور وہ بھی بلا تاخیر۔ وہ اس کے کچھ سابقہ آجروں سے مختلف تھا اور کبھی اس پر حکم نہیں چلاتا تھا۔ وہ اگرچہ روکھا اور تنگ مزاج تھا مگر برا نہیں تھا۔ اس کا سب سے بڑا نقص اس کی خاموشی تھی۔ وہ روزا سے بہتر اطالوی بول سکتا تھا، مگر جس وقت کام نہ کر رہا ہوتا ڈائننگ روم میں آرام کرسی پر بیٹھ کر پڑھنے کو ترجیح دیتا تھا۔ سارے گھر میں وہ دو ہی تو تھے، آپ سوچیں گے کہ وہ

کسی [illegible] ایک دوسرے سے کچھ بات کرنا چاہتے ہوں [illegible]۔ بعض اوقات بڑھاپے [illegible]
[illegible] بیوی [illegible] صاحب کے بارے میں کچھ کہنے کی کوشش کرتی [illegible]
[illegible] کے بارے میں [illegible] کا [illegible]
[illegible] باتیں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کے ساتھ [illegible]
[illegible] سوچا، مگر اس کے نقصانات بھی ہیں۔

[illegible]

[illegible] ترجیح دیتے ہوئے اس سے [illegible]
پوچھ [illegible] ان لوگوں کے مصاحب [illegible] تھے۔ کوئی ان میں ایک بار الجھا تو زندگی [illegible]
[illegible] ہوتی تھی، جس کے [illegible]
[illegible]
[illegible] کے تعلقات کو ایک [illegible]
[illegible]
[illegible] کی نسبت [illegible]
[illegible]

سے اور اکثر صورتوں میں بے صبر بھی، اور اسے اپنی طبیعت پر بعض اوقات افسوس بھی ہوتا تھا، لیکن وہ جو کچھ تھا سو تھا، اور جن باتوں سے اس کا گہرا اور ذاتی تعلق نہ ہوتا ان سے الگ ہی رہنا پسند کرتا تھا۔

لیکن روزا کو یہ صورتِ حال گوارا نہ تھی۔ ایک صبح اس نے پروفیسر کی سٹڈی کا دروازہ کھٹکھٹایا اور جب اس نے "آ جاؤ" کہا، تو اس طرح گھبرائی ہوئی اندر آئی کہ اس کے بات کرنے سے پہلے خود پروفیسر پریشان ہو گیا۔

"پروفیسر،" روزا ناخوشی سے بولی، "میں آپ کے کام میں مداخلت کی معافی چاہتی ہوں، مگر مجھے کسی سے تو بات کرنی ہی ہے۔"

"میں بہت مصروف واقع ہوا ہوں،" اس نے قدرے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ "تھوڑی دیر ٹھہر نہیں سکتیں؟"

"بس ایک منٹ لگے گا۔ مصیبتیں ساری زندگی پر محیط ہوتی ہیں مگر انہیں بیان کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔"

"کیا یہ تمہارے جگر کا مسئلہ ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے آپ کا مشورہ چاہیے۔ آپ تعلیم یافتہ آدمی ہیں اور میں ایک جاہل دہقان سے زیادہ نہیں ہوں۔"

"کس قسم کا مشورہ؟" اس نے بے صبری سے پوچھا۔

"آپ سے جو میں پوچھتی ہوں وہ یہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے کسی نہ کسی سے بات تو کرنی ہے۔ میں اپنے شوہر سے بات نہیں کر سکتی، چاہے اس معاملے میں یہ ممکن بھی ہوتا۔ میں نے اپنا منہ کھولا نہیں اور وہ شیر کی طرح دھاڑا نہیں۔ اور میری بہو اس لائق نہیں کہ میں اس سے بات کروں۔ بعض اوقات جب دربان کی بیوی اور میں چھت پر کپڑے لٹکا رہے ہوتے ہیں تو میں اس سے ایک آدھ بات کر لیتی ہوں مگر وہ کوئی ہمدرد انسان نہیں ہے۔ لہٰذا مجھے آپ کے پاس آنا پڑا ہے۔ میں بتاتی ہوں کس لیے۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ سکتا کہ اس کے روزا کو سننے کے بارے میں وہ کیا محسوس کرتا ہے، روزا نے ٹیکس بیورو میں ملازم ایک درمیانہ عمر کے شخص کی بات چھیڑ دی جس سے اس کی محلے میں اتفاقیہ ملاقات ہوئی تھی۔ وہ شادی شدہ تھا، چار بچوں کا باپ تھا اور روزانہ دو بجے دفتر سے چھٹی کے بعد بعض اوقات محاسب کے طور پر کام کرتا تھا۔ اس کا نام ارمادو تھا۔ یہی تھا جو اسے ہر روز فون کیا کرتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ ایک بس پر بیٹھے تھے اور اس نے دو یا تین ملاقاتوں کے بعد یہ دیکھ کر کہ اس کے جوتے پہننے کے قابل نہیں ہیں، اس پر زور دیا تھا کہ وہ اپنے لیے جوتوں کا ایک جوڑا خرید لے۔ روزا نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ احمق نہ بنے۔ وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کے وسائل بہت محدود ہیں۔ یہی کافی تھا کہ وہ اسے ہفتے میں دو بار سنیما لے جاتا ہے۔ روزا نے یہ بات کہہ دی تھی، پھر بھی ہر بار جب وہ ملتے وہ اس سے نئے جوتے خریدنے کی بات کرتا۔

Scanned with CamScanner

"آخر میں بھی انسان ہوں،" روزا نے بے تکلفی سے پروفیسر کو بتایا۔ "اور مجھے جوتوں کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن آپ جانتے ہی ہیں کہ ایسی باتوں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اگر میں نے اس کے دیے ہوئے جوتے پہن لیے تو وہ مجھے اس کے بستر پر لے جا سکتے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ میں نے سوچا کہ آپ سے پوچھوں کہ مجھے جوتے لے لینے چاہییں یا نہیں۔"

پروفیسر کا چہرہ اور گنجا سر دونوں لال ہو گئے۔ "میں نہیں سمجھتا کہ ممکنہ طور پر تمھیں کوئی مشورہ دے سکتا ہوں۔۔۔"

"آپ تعلیم یافتہ آدمی ہیں،" وہ بولی۔

تاہم، اس نے اپنی بات جاری رکھی، "چونکہ صورت حال بنیادی طور پر اخلاقی نوعیت کی ہے، لہٰذا میں اس حد تک کہہ سکتا ہوں کہ تمھیں اس قیاسی شخص کو بتا دینا چاہیے کہ اس کی ذمے داریاں کسی کے ساتھ اس کے بچے ہونی چاہییں۔ اس کے لیے بہتر ہو گا کہ تمھیں تحفے پیش نہ کرے، جیسا کہ تمھارے لیے بہتر ہو گا کہ تحفے قبول نہ کرو۔ اگر تم اس سے تحفے لو تو اس کے لیے تم پر یا تمھاری ذات پر حق جتانا ممکن نہیں ہو گا۔ اس سے زیادہ میں نہیں کہہ سکتا۔ تم نے مشورہ مانگا تھا، سو میں نے دے دیا۔ لیکن اب مزید کچھ نہیں کہوں گا۔"

روزا نے آہ بھری۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ جوتے میرے کام آ سکتے ہیں۔ میرے جوتے ایسے لگتے ہیں جیسے بکریوں کے چبائے ہوئے ہوں۔ برسوں ہو گئے میں نے نئے جوتے نہیں پہنے۔"

لیکن پروفیسر کے پاس اس بات میں اضافہ کرنے کے لیے کچھ اور نہ تھا۔

جب روزا اس دن کے کام نمٹا کر چلی گئی تو پروفیسر نے اس کے مسئلے پر سوچتے ہوئے دوران سے جوتا خرید دینے کا مقصد کیا [illegible] محض یہ تھا کہ وہ کچھ بھی توقع کر رہی ہو گی، یا یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اسی تحفے کے لیے یہ مضمون سازی کی ہو۔ لیکن جہاں تک یہ معاملہ قیاسی تھا جس کا ثبوت مکمل طور پر ناپید تھا، لہٰذا اس نے طے کیا کہ وہ بھی وہی کرے گا، تا وقتیکہ اس کے برعکس ثبوت میسر نہ ہو جائے، کہ اس کے مشورے میں روزا کی نیت کے فتور کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس نے جان چھڑانے کی غرض سے روزا کو خود جوتا خریدنے کے لیے پانچ ڈالر دینے پر غور کیا۔ لیکن اسے شک تھا: آخر اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ وہ اس رقم کو مطلوبہ مقصد ہی کے لیے استعمال کرے گی، اور وہ اگلے دن یہ کہتی ہوئی آئے کہ دانتوں کی تکلیف نے اسے ڈاکٹر کو دکھانے پر مجبور کر دیا تھا جس نے تین ڈالر فیس لے لی؛ لہٰذا اس بہ ہر حال حالات کے پیش نظر پروفیسر جوتوں کے لیے تیس روپے کی ضمانت [illegible] کرے گا؟ یہ تو ہی نہیں ہو گا۔ سو اگلی صبح جب روزا کی پنساری سے بات لگی ہوئی تھی، پروفیسر اس کے کمرے میں گیا اور تیزی سے اس کے خستہ جوتے کا ناپ کاغذ پر اتار لیا۔ یہ ایک [illegible] تھا مگر اس نے اسے پڑھ لی سے سمجھ لیا۔ اس شام [illegible] اسی دکان سے جہاں اس کا پسندیدہ ریستوراں واقع تھا اس نے روزا کے لیے [illegible] کا ایک براؤن جوتا خرید لیا۔ گو قیمت اس کے اندازے سے ذرا زیادہ تھی مگر

درمیانی اونچائی کی ایڑی والا یہ باہر پہننے کا جوتا خوب مضبوط تھا، یک کار آمد تحفہ۔

اگلے روز، جو بدھ کا دن تھا اس نے جوتے روز کو دیے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ خفت محسوس کر رہا تھا کیوں کہ اسے احساس ہو گیا تھا کہ روز کو تنبیہیں کرنے کے باوجود اس نے اپنے آپ کو اس کے معاملات میں الجھا لیا ہے۔ لیکن اسے جوتا دینے کو وہ نفسیاتی طور پر کئی اعتبار سے مناسب اقدام سمجھتا تھا۔ جوتا نوکرانی کو پیش کرتے ہوئے اس نے کہا: "روز، جس مسئلے پر تم نے مجھ سے بات کی تھی، غالباً میں اس کا ایک حل تجویز کر سکتا ہوں۔ یہ رہا تمھارے نئے جوتوں کا جوڑا۔ اپنے دوست کو بتا دو کہ تم اس سے جوتا نہیں لے سکتیں۔ اور ایسا کرتے ہوئے غالباً اسے یہ بھی بتانا مناسب ہو گا کہ آئندہ تم اس سے ذرا کم ملنے کا ارادہ رکھتی ہو۔"

پروفیسر کی مہربانی پر روز پھولی نہ سماتی تھی۔ اس نے پروفیسر کا ہاتھ چومنے کی کوشش کی لیکن اس نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور آرام کرنے اپنی اسٹڈی میں چلا گیا۔ جمعرات کو جب اس نے روز کی گھنٹی پر دروازہ کھولا تو وہ اس کے دیے ہوئے جوتے پہنے تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا کاغذی تھیلا تھا جس میں سے تین چھوٹے چھوٹے مالٹے، جو ہرے پتوں کے ساتھ ابھی تک یک شاخ پر لگے ہوئے تھے، اس نے پروفیسر کو پیش کیے۔ پروفیسر نے کہا کہ اسے یہ لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن روز نے، اس طرح کہ اس کے دانت نظر آئیں، نیم احمقانہ مسکراتے ہوئے کہا کہ وہ اس پر اپنی ممنونیت کا اظہار کرنا چاہتی ہے۔ بعد ازاں اس نے تین بجے جانے کی اجازت مانگی تاکہ ریمنڈو کو اپنے نئے جوتے دکھا سکے۔

پروفیسر نے رکھائی سے کہا: "اگر تمھارا کام ختم ہو جائے تو تم تین بجے جا سکتی ہو۔"

روز اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بچھ بچھ گئی۔ روز مرہ کے کام بس جلدی جلدی نمٹاتے ہوئے وہ تین بجنے کے ذرا دیر بعد رخصت ہو گئی، لیکن ہیٹ، دستانوں اور باتھ روب میں ملبوس پروفیسر کی نظر پڑنے سے پہلے نہیں جو اپنی اسٹڈی کے کھلے دروازے پر کھڑا اس کے ابھی ابھی پوچا لگائے ہوئے راہداری کے فرش کے معائنے کے دوران اسے خوب صورت سیاہ کوٹ اور پمپ پہنے اپارٹمنٹ سے جلدی جلدی باہر جاتے دیکھ رہا تھا۔ اس بات نے پروفیسر کو برہم کر دیا، اور جب اگلی صبح روز آئی تو پروفیسر کی زبانی یہ سن کر کہ اس نے پروفیسر کو بے وقوف بنایا ہے اور وہ سبق سکھانے کے لیے اسے نوکری سے نکال رہا ہے وہ اس سے ایسا نہ کرنے کی التجائیں کرنے لگی۔ مگر پروفیسر کا فیصلہ اٹل تھا۔ اس نے روتے ہوئے ایک اور موقع دیے جانے کی منتیں کیں پروفیسر نے چپ کرا دیا۔ لہٰذا اس نے مایوسی کے ساتھ اپنے کمرے کے متعلقات یک اخبار میں لپیٹے اور رخصت ہو گئی۔ وہ ابھی تک رو رہی تھی۔ بعد میں پروفیسر پریشان اور بے حد زود حس ہو گیا۔ اس روز اس سے سردی برداشت نہیں ہوئی اور وہ کام ہی نہیں کر سکا۔

یک ہفتے بعد، جب عمارت میں حرارت رواں کی گئی، روز اپارٹمنٹ کے دروازے پر ظاہر ہوئی اور کام پر واپس آنے کے لیے گڑگڑانے لگی۔ اس کا ذہن منتشر تھا۔ اس نے اپنے پھولے ہوئے، [illegible]

Scanned with CamScanner

پرانے جوتے کو آہستگی سے چھوتے ہوئے کہا کہ اس کے بیٹے نے اسے مارا ہے۔ گو وہ رو نہیں رہی تھی مگر اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ اس نے وضاحت کی کہ جوتوں کے دونوں جوڑے قبول کرنے میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ [illegible] جوڑا اسے پہلے دے چکا تھا، مگر کسی [illegible] رقیب کے حسد کے باعث اس نے روزا کو یہ جوڑا قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر جب پروفیسر نے مہربانی کرتے ہوئے اپنی طرف سے جوتوں کا جوڑا پیش کیا تو وہ انکار کر جاتی تھی مگر پروفیسر کو ناراض کرنے اور اپنا کام کھو بیٹھنے سے خائف تھی۔ سینٹ پیٹر کی قسم کہ یہ حقیقت ہے! اس نے وعدہ کیا کہ اگر پروفیسر نے اسے دوبارہ رکھ لیا تو وہ [illegible] کو ڈھونڈ کر، جسے وہ کتنے عرصے سے نہیں ملی ہے، اس کے جوتے لوٹا دے گی۔ اور اگر پروفیسر نے اسے رکھنے سے انکار کر دیا تو وہ دونوں جوڑے دریا میں پھینک ڈالے گی۔ پروفیسر نے، جو [illegible] گفتگو کی پروا نہیں تھی، روزا کے لیے ایک خاص ہمدردی محسوس کی۔ وہ جس طرح روزا سے پیش آیا تھا اس پر اسے خود ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ بہتر ہوتا اگر ایمان داری کے موضوع پر بحث مناسب حالات میں ہوتی تو اس معاملے کو فلسفیانہ انداز میں ختم کر دیا جاتا۔ روزا کو نوکری سے نکال کر اس نے معاملے کو [illegible] پیچیدہ کر دیا تھا کیوں کہ ان دونوں [illegible] کو [illegible] موزوں کا [illegible] سے جاتا تھا، [illegible] کا [illegible] آ کر صفائی کرتی تھی مگر [illegible] جانے سے پہلے [illegible] کے لیے [illegible] سے کام کر سکتی تھی۔ [illegible] خوش قسمتی تھی کہ [illegible] کے [illegible] ہوئی۔ جب اس نے اپنا لوٹ آنا [illegible] تو پروفیسر [illegible] دیکھ کر تسلی ہوئی کہ [illegible] کی [illegible] کر دی گئی تھی۔

[illegible] آنے والی شے کو صاف [illegible]، رگڑتی، چمکاتی، وہ دل جمعی سے کام میں لگ گئی۔ اس نے [illegible] کیے، پھر [illegible] سے [illegible] کے [illegible] پتیوں کو پانی دیتے ہوئے تازہ استری کیے ہوئے [illegible] پوشاک سے سجا دیے۔ حالاں کہ اسے کام دوبارہ مل گیا تھا اور وہ معمول کی [illegible] سے ساتھ کام کر رہی تھی، مگر پروفیسر نے دیکھا کہ وہ اداسی سے کام کر رہی ہے۔ وہ [illegible] کرتی تھی اور صرف اسی وقت مسکرانے کی کوشش کرتی جب پروفیسر اسے دیکھ رہا ہوتا۔ یہ اس کی فطرت ہے اس نے سوچا، [illegible]۔ بیٹے کی مزید مار پیٹ سے بچانے کے لیے پروفیسر نے اسے اپارٹمنٹ میں سونے کی اجازت دے دی۔ [illegible] رات [illegible] کے لیے گوشت خرید کے، پروفیسر نے [illegible] کی پیش کش کی لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پستا (pasta) سے کام چل جائے گا۔ [illegible] پستا اور سبز سلاد کھاتی تھی۔ [illegible] بچی ہوئی [illegible] اور [illegible] کھایا کرتی تھی۔ وہ [illegible] بیٹے کی دعوت دیتا [illegible] کبھی وہ [illegible] اور [illegible] ہے، حالاں کہ پروفیسر [illegible] اپارٹمنٹ میں [illegible] کبھی [illegible]۔ [illegible] محسوس [illegible] روزا سے بات کرنے

Scanned with CamScanner

کے بعد وہ گھر سے باہر گئی ہو۔

پھر ایک افسردہ صبح روزا پروفیسر کے پاس آئی اور اپنے منتشر انداز میں اعتراف کیا کہ وہ حاملہ ہے۔ اس کے چہرے پر مایوسی کی چمک تھی اور سیاہ لباس میں سے اس کا سفید زرد چہرہ چمک رہا تھا۔

اسے دوبارہ کرسی پر بیٹھنے پر آپ کو آرام دیتے ہوئے پروفیسر نے بڑی اور ہمدردی محسوس کی۔

تمہیں فوراً چلے جانا چاہیے، اپنی آواز کو کپکپانے سے روکتے ہوئے اس نے کہا۔

میں نہیں جا سکتی، وہ بولی۔ میرا بیٹا مجھے مار ڈالے گا۔ خدا کے نام پر میری مدد کیجیے، پروفیسور۔

وہ اس کی حماقت پر مشتعل ہو گیا۔ میں تمہارے جیسی کارناموں کا ذمے دار نہیں ہوں۔

کیا یہ اس رامدو کا کام ہے؟ اس نے تقریباً وحشیانہ انداز سے پوچھا۔

روزا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کیا تم نے اسے بتا دیا ہے؟

وہ کہتا ہے کہ اسے یقین نہیں آتا۔ اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

اسے میں یقین دلا دوں گا، وہ بولا۔ "تمہارے پاس اس کا فون نمبر ہے؟

روزا نے اسے فون نمبر بتایا۔ اس نے رامدو کو دفتر میں فون کیا اور اپنی پہچان کراتے ہوئے اسے فوراً اپنے اپارٹمنٹ میں آنے کو کہا۔ تم پر روزا کی ایک بھاری ذمے داری ہے۔

بھاری ذمے داری مجھ پر اپنے خاندان کی ہے، رامدو نے جواب دیا۔

اس کا خیال تمہیں پہلے کرنا چاہیے تھا۔

ٹھیک ہے، میں کل دفتر کے بعد آؤں گا۔ آج تو ناممکن ہے۔ مجھے ایک ترکھانی ٹھیکے کا کام نمٹانا ہے۔

وہ تمہارا انتظار کرے گی، پروفیسر نے کہا۔

وہ جتنا قدر ممکن تھا اس سے زیادہ جذباتی محسوس کر رہا تھا، مگر فون رکھنے کے بعد اس کا غصہ کم ہو چکا تھا۔ کیا تمہیں اس بات کا پورا یقین ہے، اس نے روزا سے پوچھا کہ تم حاملہ ہو؟

ہاں۔ وہ سب رو رہی تھی۔ کل میرے بیٹے کی سالگرہ ہے۔ یہ اطلاع اس کے لیے کیا عمدہ تحفہ ہوگی کہ اس کی ماں ایک رنڈی ہے۔ وہ ہاتھوں سے نہیں، دانتوں سے میری ہڈیاں توڑ ڈالے گا۔

تمہاری عمر کو دیکھتے ہوئے تمہیں حمل ٹھہرنے کا امکان مشکل ہی سے نظر آتا ہے۔

میری ماں نے پچاس سال کی عمر میں بچہ جنا تھا۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو؟

میں کہہ نہیں سکتی۔ پہلے کبھی ایسا ہوا نہیں۔ آخر مجھے بیوہ ہوئے بھی تو۔۔۔

بہتر ہوگا کہ تم اچھی طرح اطمینان کر لو۔

Scanned with CamScanner

"ہاں، میں بھی یہی چاہتی ہوں،" روزا بولی۔ "میں اپنے علاقے کی دایہ سے ملنا چاہتی ہوں لیکن میرے پاس ایک لیرا بھی نہیں ہے۔ میرے پاس جو کچھ تھا وہ بے کاری کے دنوں میں خرچ کر چکی ہوں۔ یہاں آنے کے لیے بس کا کرایہ ادھار لینا پڑا ہے۔ ارمادو فوری طور پر میری مدد نہیں کر سکتا۔ اس ہفتے سے اپنی بیوی کے دانتوں کی دیکھ بھال کرنی ہے۔ اس بے چاری کے دانت بہت خراب ہیں۔ یہی وجہ ہے جو میں آپ کے پاس آئی ہوں۔ کیا آپ دایہ سے معاملہ کرنے کے لیے مجھے تنخواہ میں سے دو ہزار پیشگی دے سکتے ہیں؟"

ایک منٹ بعد پروفیسر نے اپنے بٹوے میں سے دو ہزار لیرے کے دو نوٹ گن دیے۔ "دایہ کے پاس ابھی چلی جاؤ،" اس نے کہا۔ وہ اپنی بات میں اتنا اضافہ کرنے والا تھا کہ اگر دو ہزار کم ہوں تو واپس آ جانا، مگر اسے ڈر ہوا کہ کہیں وہ کوئی انتہائی قدم نہ اٹھائے یا نوکری جانے کی خاطر جھوٹ نہ بول دے۔ اب وہ اسے رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ جب اسے اس عرصے کے دوران اپنی بیوی اور بیٹی کے پہنچنے کا خیال آیا تو کمرے سے اس کا جی گھٹنے لگا۔ وہ نوکرانی سے جلد سے جلد نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

اگلے دن روزا نو کے بجائے بارہ بجے آئی۔ اس کا مغموم چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا۔ "دیر سے آنے کی معافی چاہتی ہوں،" وہ زیرِ لب بولی۔ "میں اپنے شوہر کی قبر پر دعا کرنے گئی تھی۔"

"کوئی بات نہیں،" پروفیسر نے کہا۔ "لیکن کیا تم دایہ کے پاس گئیں؟"

"ابھی نہیں۔"

"کیوں؟" غصے کے باوجود وہ نرمی سے بول رہا تھا۔

روزا فرش کو تکنے لگی۔

"مہربانی کر کے میرے سوال کا جواب دو۔"

"میں یہ بتانے والی تھی کہ وہ دو ہزار میرے بس میں گر گئے، لیکن اپنے شوہر کی قبر سے آنے کے بعد میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔ بہرحال، بات تو مکمل کروں گی۔"

"یہ تو نئی بات ہے،" اس نے سوچا، "اس کا کوئی انت نہیں۔" "تم نے رقم کا کیا کیا؟"

"میرا یہی تو مطلب ہے،" روزا نے آہ بھری۔ "میں نے اپنے بیٹے کے لیے تحفہ خرید لیا۔ اس لیے نہیں کہ وہ اس کا مستحق ہے، بلکہ اس لیے کہ یہ اس کی سالگرہ کا حق تھا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

پروفیسر کچھ دیر اسے دیکھتا رہا، پھر بولا: "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ اپنی باتھ روب ہی میں اپارٹمنٹ سے باہر نکل پڑا۔ روزا اس کے پیچھے چل دی۔ اس نے لفٹ کا دروازہ کھولا اور روزا کے لیے کھلا رکھتے ہوئے اندر قدم رکھا۔ روزا لفٹ میں داخل ہو گئی۔

وہ دوسری منزل نیچے رکے۔ پروفیسر باہر نکلا اور گھنٹیوں کے اوپر لگی پیتل کی تختیوں پر درج نام قریب جا کر غور سے پڑھنے لگا۔ مطلوبہ نام ملنے پر اس نے بٹن دبا دیا۔ ایک نوکرانی نے دروازہ کھول کر انہیں اندر بٹھایا۔ وہ روزا کے چہرے کے تاثر سے ڈری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

Scanned with CamScanner

"کیا ڈاکٹر موجود ہیں؟" پروفیسر نے ڈاکٹر کی نوکرانی سے پوچھا۔

"دیکھتی ہوں۔"

"مہربانی کر کے ان سے پوچھو کہ کیا یک منٹ کے لیے مجھ سے مل سکتے ہیں۔ میں اسی عمارت میں رہتا ہوں، دو منزل اوپر۔"

"جی سینیور۔" اس نے روزا پر دوبارہ نظر ڈالی اور اندر چلی گئی۔

طاہوی ڈاکٹر، جو چھوٹے قد کا اوسط عمر بارعب آدمی تھا، باہر آیا۔ پروفیسر عمارت کے احاطے میں اسے دو ایک بار دیکھ چکا تھا۔ ڈاکٹر اپنی آستین کا بٹن بند کر رہا تھا۔

"صاحب، میں آپ کو تکلیف دینے پر معذرت چاہتا ہوں،" پروفیسر بولا۔ "یہ میری نوکرانی ہے۔ اسے کچھ مشکل پیش آ گئی ہے۔ یہ اس بات کا یقین کرنا چاہتی ہے کہ آیا یہ حاملہ ہے۔ کیا آپ اس کی مدد کر سکتے ہیں؟"

ڈاکٹر نے پروفیسر کو دیکھتے ہوئے نوکرانی پر نظر ڈالی جس نے اپنی آنکھوں کو رومال سے ڈھک رکھا تھا۔

"اسے میرے کمرے میں بھیج دیجیے۔"

"شکریہ،" پروفیسر نے کہا۔ ڈاکٹر نے سر ہلا دیا۔

پروفیسر اپنے اپارٹمنٹ میں واپس چلا آیا۔ آدھے گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی۔

"پرونتو۔"

ڈاکٹر بول رہا تھا۔ "اسے حمل نہیں ہے،" اس نے بتایا۔ "بس خوفزدہ ہے۔ اس کے جگر میں بھی تکلیف ہے۔"

"آپ کو یقین ہے، ڈاکٹر؟"

"بالکل۔"

"شکریہ،" پروفیسر نے کہا۔ "اگر آپ اس کے لیے کوئی نسخہ تجویز کریں تو از راہ کرم میرے حساب میں ڈال دیں اور اپنا بل مجھے بھجوا دیں۔"

"بہتر،" ڈاکٹر بولا اور فون بند کر دیا۔

روزا اپارٹمنٹ میں داخل ہوئی۔ "ڈاکٹر نے تمھیں بتایا؟" پروفیسر نے پوچھا۔ "تمھیں حمل نہیں ہے۔"

"یہ مقدس کنواری کا کرم ہے،" روزا بولی۔

پھر اس نے پرسکون انداز سے بولتے ہوئے روزا کو بتایا کہ اسے جانا ہوگا۔ "مجھے افسوس ہے، روزا، لیکن میں اس قسم کی باتوں میں الجھا نہیں رہ سکتا۔ میں اس سے پریشان ہوتا ہوں اور میرے کام کا حرج ہوتا ہے۔"

Scanned with CamScanner

نوکرانی نے اپنا منہ پھیر لیا۔

دروازے کی گھنٹی بجی۔ یہ آرمندو تھا جو ایک لمبے خاکستری اوورکوٹ میں ملبوس چھوٹے قد کا، ہلکی ہلکی مونچھوں والا دبلا پتلا آدمی تھا۔ اس نے ایک موسیقیانہ سیاہ ہیٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں سیاہ اور منتظر تھیں۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس نے اپنا ہیٹ چھوا۔

روزا نے اسے بتایا کہ وہ اپارٹمنٹ چھوڑ رہی ہے۔

"آؤ میں تمہاری چیزیں اکٹھی کرنے میں مدد کرتا ہوں،" آرمندو نے کہا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں گیا اور دونوں روزا کی چیزیں تھیلوں میں سمیٹنے لگے۔

جب آرمندو اور روزا، ہاتھ میں ایک تھیلا اور اخبار میں لپٹا جوتے کا ڈبہ لیے، کمرے سے باہر آئے تو پروفیسر نے مہینے کی بقایا تنخواہ روزا کو دے دی۔

"مجھے افسوس ہے،" اس نے کہا۔ "مجھے اپنی بیوی اور بیٹی کا دھیان کرنا ہے۔ وہ آج کل میں آنے والی ہیں۔"

نوکرانی نے جواب نہیں دیا۔ آرمندو نے، جس کے منہ میں سگریٹ لٹکا ہوا تھا، مستعدی سے اس کے لیے دروازہ کھولا اور وہ دونوں رخصت ہوئے۔

بعد ازاں جب پروفیسر نوکرانی کے کمرے میں گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے دیے ہوئے جوتوں کے سوا وہ باقی ہر چیز لے جا چکی ہے۔ جب یومِ تشکر سے ذرا پہلے اس کی بیوی اپارٹمنٹ میں آئی تو اس نے جوتے دربان کی بیوی کو دے دیے جس نے انہیں پہن کر دیکھنے کے بعد اپنی بہو کے حوالے کر دیا۔

**

(انگریزی عنوان: Maid's Shoes)

برنارڈ مالامڈ

انگریزی سے ترجمہ: اجمل کمال

ماتم گسار

کیسلر، جس کا سابقہ پیشہ انڈوں کو چھانٹ کر مختلف درجوں میں تقسیم کرنا تھا، اب سوشل سکیورٹی کے وظیفے پر تنہا گزر بسر کرتا تھا۔ اس کی عمر چونسٹھ برس سے زیادہ تھی، اس کے باوجود وہ انڈوں کے ایک سے زیادہ تاجروں کے پاس اچھی خاصی اجرت پر نوکری حاصل کر سکتا تھا، کیوں کہ وہ انڈوں کو چھانٹنے اور مختلف درجوں میں الگ الگ کرنے کا کام تیزی سے اور غلطی کیے بغیر کر سکتا تھا، لیکن وہ جھگڑالو قسم کی طبیعت رکھتا تھا اور فسادی سمجھا جاتا تھا، جہاں تک تاجر اسے ملازم رکھنے کو ترجیح نہ دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد سے، ایک قلیل سرمایہ اور قلیل پنشن پر گزارا کرتے ہوئے، وہ ایسٹ سائیڈ پر واقع ایک خستہ حال عمارت کی سب سے اوپر کی منزل پر، ایک تنگ و چھوٹے سے فلیٹ میں رہ رہا تھا۔ شاید اسی وجہ سے کہ وہ اتنے اونچے پر رہتا تھا، کوئی اس سے ملنے آنے کی زحمت نہ کرتا تھا۔ وہ بالکل تنہا تھا، جیسا کہ اپنی بیشتر زندگی میں رہا تھا۔ ایک وقت تھا کہ اس کے بھی گھر والے تھے، مگر اپنی بیوی یا بچوں کی موجودگی کی تاب نہ لاتے ہوئے، جو ہمیشہ اس کے راستے میں آتے تھے، اس نے چند برسوں میں ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بعد سے اس کی ان سے ملاقات نہ ہوئی، کیوں کہ نہ اس نے انھیں تلاش کیا اور نہ انھوں نے اسے۔ تیس برس گزر گئے تھے۔ اب اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ لوگ کہاں ہیں، اور وہ اس بارے میں زیادہ سوچتا بھی نہیں تھا۔

عمارت میں، اگرچہ وہ وہاں دس برس سے رہ رہا تھا، وہ کم و بیش غیر معروف تھا۔ پانچویں منزل پر واقع اس کے فلیٹ کے دونوں جانب رہنے والے کرایہ داروں میں سے، جن میں ایک طرف تین …

Scanned with CamScanner

[illegible] مشتمل [illegible] دوسری طرف [illegible] ایک سے [illegible]
[illegible] سیڑھیوں پر [illegible]
[illegible] عمارت کے دوسرے [illegible]
[illegible] کی صورت [illegible] لیکن [illegible] عمارت میں [illegible]
[illegible] عمارت کا پست قد، خمیدہ پشت [illegible] سب سے زیادہ [illegible] تھا کیونکہ وہ
[illegible] کا کھیل [illegible] کھیل [illegible] کیونکہ
[illegible] کھیلنے میں [illegible]
[illegible] کی طبیعت
[illegible] بھی کچھ مشہور
[illegible] تھا
لیکن وہ ان سب کو حقیر سمجھتا تھا۔

[illegible] کی علاقت
[illegible]
[illegible] پانچ [illegible]
[illegible] سے حساب
سے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنتا تھا۔ [illegible]
[illegible] اور اس نے [illegible] شخص کا
[illegible]
[illegible] اس نے سوچا
[illegible] سے پانچ ڈالر زیادہ [illegible]

[illegible] کھٹکھٹایا [illegible]
[illegible] سے بند

دروازے میں سے چلا کر کہا: "مسٹر گروبر نے تمھیں نوٹس دینے کو کہہ دیا ہے۔ ہم تمھیں یہاں نہیں دیکھنا چاہتے۔ تمھاری گندگی نے پوری عمارت کو سر پر اٹھا رکھا ہے۔" جواب میں خاموشی رہی، لیکن اگنیس، اپنے کیے پر اتراتا ہوا، منتظر رہا۔ اگرچہ اسے پانچ منٹ تک کوئی آواز سنائی نہ دی، پھر بھی وہ وہاں سے ٹلا نہیں اور بند دروازے کے پیچھے بوڑھے یہودی کے تھر تھر کانپنے کا تصور کرتا رہا۔ پھر وہ دوبارہ بولا: "تمھیں پہلی تاریخ تک دو مہینے کا نوٹس دیا جاتا ہے۔ پہلی تاریخ کو یہاں سے چلتے نہ بنے تو ورنہ مسٹر گروبر اور میں دونوں مل کر تمھیں نکال باہر کریں گے۔" دروازے کو آہستہ آہستہ کھلتے اگنیس غور سے دیکھتا رہا۔ اسے حیرت ہوئی جب اس نے بوڑھے کے نمودار ہونے پر خود کو خوف زدہ محسوس کیا۔ وہ دروازہ کھولتے ہوئے یوں نظر آ رہا تھا جیسے کوئی مردہ اپنے تابوت کا ڈھکنا اٹھا رہا ہو۔ مگر دیکھنے میں وہ چاہے مردہ معلوم ہو رہا ہو، اس کی آواز بالکل زندہ تھی۔ وہ اس کے حلق سے خوفناک درشتی کے ساتھ نکلی اور اس نے اگنیس کی زندگی کے تمام رشتوں پر کوسنوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس کی آنکھیں لال تھیں، گال پچکے ہوئے تھے اور جھاڑو جیسی داڑھی بری طرح ہل رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے چلاتے چلاتے اس کا وزن گھٹتا چلا جا رہا ہو۔ مستری دل سے اس تماشے سے خوب جلا تھا لیکن وہ ایک ساتھ اتنی ساری گالیاں برداشت نہ کر سکتا تھا اس لیے چیخ اٹھا: "غلیظ بڈھے، یہاں سے دفع ہو اور اپنی بک بک بند کر۔" اس پر کیسلر نے طیش میں آ کر قسم کھائی کہ فلیٹ خالی کرانے سے پہلے انھیں اس کو قتل کرنا اور مردہ حالت میں گھسیٹ کر باہر نکالنا ہوگا۔

پہلی دسمبر کی صبح اگنیس کو اپنے لیٹر بکس میں ایک میلا سا کاغذ تہہ کیا ہوا ملا جس میں کیسلر کی جانب سے مغلظات ڈال رکھے تھے۔ شام کو جب مالک مکان فلیٹوں کا کرایہ وصول کرنے آیا تو اس نے اسے یہ رقعہ دکھا دی۔ گروبر کچھ دیر تک جلی حروف سے ہو کر رقعے کو تکتا رہا، پھر اگنیس سے تشویش سے بولا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے نوٹس دینے کو کہا تھا۔"

"جی مسٹر گروبر،" اگنیس نے تصدیق کا اظہار کیا۔ "میں نے نوٹس دے دیا تھا۔"

"اچھا، اس نے یہ دیدہ دلیری کی!" گروبر بولا۔ "لاؤ چابیاں مجھے دو۔"

اگنیس نے چابیوں کا گچھا اسے تھمایا اور گروبر دوڑ پڑا، چٹا ہٹی کے تختوں سے بنی سیڑھیوں کے طویل راستے پر چل پڑا۔ اگرچہ وہ مرض کے مطابق زیادہ سانس درست کرتا تھا لیکن سیڑھیاں چڑھتے ہوئے مشقت درپیش ہونے سے تو شاید پسینے کے باعث اس کی تھکاوٹ بڑھتی گئی۔

سب سے اوپر کی منزل پر پہنچ کر اس نے اپنی کلائی سے کیسلر کا دروازہ دھڑ دھڑایا۔ "میں ہوں گروبر، مالک مکان۔ کھولو دروازہ۔"

کوئی جواب نہ آیا، نہ اندر کسی حرکت کی آواز ہوئی، چنانچہ گروبر نے تالے میں چابی ڈال کر گھمائی۔ کیسلر نے دروازے والی الماری اور کچھ کرسیاں دروازے کے ساتھ لگا رکھی تھیں، لہٰذا گروبر کو اپنا کندھا دروازے پر رکھ کر پورے بدن کا زور لگانا پڑا تب کہیں وہ ڈھیلی کرسیوں سے اس نیم تاریک فلیٹ کی

Scanned with CamScanner

[illegible] میں قدم رکھ دیا۔ [illegible] کا چہرہ [illegible] پڑ گیا [illegible] دروازے میں کھڑا تھا۔

[illegible] تمہیں [illegible] ہوئے [illegible] میں [illegible] جاتے ہو [illegible] کو فون کروں؟"

"[illegible]"

[illegible] نے [illegible] ڈالی۔ دیکھنے میں کباڑ خانہ لگتا [illegible] کے [illegible] کرتے ہیں [illegible] گا۔

[illegible] کے [illegible] ہوں۔ [illegible] میں [illegible] ہوں، اسی جاتی رہے گی۔"

[illegible] جاتی رہے گی۔ [illegible] کھولا [illegible] نکالے، پھر سیمنٹ اور [illegible] دیا۔ تمہیں [illegible] کی [illegible] مہلت دیتا ہوں۔ [illegible] میں [illegible] دوں گا۔ [illegible] کرنے کی [illegible] ہو جائے۔

[illegible] دے [illegible] میں [illegible] رہوں گا۔

[illegible] تاریخ تک [illegible] دے [illegible] جھونکوں گا۔

[illegible] قدم [illegible] کرنے لگا۔

[illegible] میں [illegible] کرنے [illegible] کو اطلاع دے دی۔

[illegible] اس نے مستری کو ہدایت کی [illegible] دروازے کے نیچے سے اندر [illegible] میں [illegible] سے [illegible] میں سے اندر گھسا دیا۔

[illegible] کرنے کے [illegible] عدالتی نوٹس کی نقل وصول ہوئی۔ اس میں [illegible] کا حکم دیا گیا [illegible] کرنے کی [illegible] دیا جائے۔ سرکاری نوٹس دیکھ کر [illegible] تک [illegible] کی شکل [illegible] دیکھی تھی۔ [illegible]

[illegible] کے ساتھ [illegible] ہوا [illegible] دروازے کو [illegible] داخل ہوئے تو مستری [illegible]

سیڑھیاں اترنے لگا کہ نیچے تہہ خانے میں جا چھپے۔ کیسلر کے بلانے اور چیخنے چلانے کی پروا کیے بغیر دونوں ماموں نے بہت مستعدی سے اس کا قفل توڑ ڈالا اور بچے فٹ پاتھ پر لے جا کر بٹھا دیا۔ اس کے بعد انھوں نے کیسلر کو باہر نکالا، کیونکہ اس کے لیے بھی غسل خانے کا دروازہ توڑنا پڑا کیونکہ وہ وہاں گھس کر اندر سے چٹخنی لگالی تھی۔ وہ چیختا رہا، دھمکیاں دیتا رہا، پڑوسیوں کی منتیں کیں کہ اس کی مدد کریں، مگر وہ سب دروازے کے پاس حلقہ بنائے خاموشی سے کھڑے رہے۔ دونوں ہاتھ تھکنے اور ... بڑھنے کی سکت نہ تھی، دونوں نے اسے بازو سے پکڑ کر زینے سے نیچے لے گئے۔ انھوں نے ... اس کے کانپتے ہاتھ کے بیچ ایک کرسی بچھا کر اس پر بٹھا دیا۔ اوپر مارشل نے فلیٹ کے دروازے پر انھیں کام سمجھا دیا اور ایک کاغذ پر دستخط کرکے مستری کی بیوی کو تھمایا اور بچے ماموں کے ساتھ کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔

کیسلر وہیں فٹ پاتھ پر ٹوٹی ہوئی کرسی پر بیٹھا رہا۔ بارش ہوتی رہی اور پڑے ہوئے ... کے ... سے وہاں سے جنبش تک نہ کی۔ ... اس کے سامان سے بچتے ہوئے چکر کاٹ کر گزرتے رہے۔ وہ کیسلر کو گھورتے اور کیسلر خلا میں نظریں جمائے رہتا۔ اس نے کوئی ہیٹ یا کوٹ نہیں پہن رکھا تھا، اور اس پر گرتی ہوئی برف ... اس کے اور سامان کے درمیان کوئی فرق نہ ... کچھ ہی دیر بعد ... رہنے والی ایک ... عورت اپنے دو بیٹوں کے ساتھ کہیں سے لوٹی؛ بیٹوں کے ہاتھوں میں ... کی اشیا سے ... ایک ایک تھیلا تھا۔ جب اس نے ... کے درمیان بیٹھے کیسلر کو دیکھا تو اس کے منھ سے چیخ نکل گئی۔ اس نے ... کیسلر سے اطالوی زبان میں کچھ کہا تھا مگر اس نے عورت پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ جھک کر کھڑی ہو گئی، اور ... قدر ... اور بچے ... کے ... دیکھنے ... میں صدمے سے ... اس کے ہونٹوں سے ... بہلانے کی بہت کوشش کی ... اس بڑوسی پر ... دیکھنے کو بچے ... ہوں ... آخرکار جب دونوں بیٹوں کی سمجھ میں ... تو انھوں نے ... پر رکھے، کیسلر کو کرسی پر ... اٹھایا ... ہیں ... کر اوپر لے گئے۔ کیسلر کے دوسرے پڑوسی ... کو چھوٹی سی کوٹھری ... کے کاٹ کھول دیا ... کیسلر ... فلیٹ میں ... جہاں سے نکالا گیا تھا۔ ... کرسی پر بیٹھا، ... گالیاں بکتا رہا، مگر ... اور کیسلر کی کرسیاں، ٹوٹی ہوئی میز ... اور ... کی ... چارپائی بھی ... دی۔ ... کیسلر چارپائی کی پٹی پر بیٹھ ... کچھ دیر بعد جب ... عورت ... کیسلر کا ... اور ... کی ... پہنچا تب وہ رخصت ہوئے۔

... کو ... نہ تھا۔ ... وقت ... تھا ... میں ایک ... ان سب ... کو ... ہیں بیٹھا ... میں سے ... وہاں پہنچے۔ اس دوران وہ مسلسل بڑی پریشانیوں سے ... سوچتا رہا ...

ہانپتے ہوئے [illegible] عمارت کو کوڑا کرکٹ مشکل سے [illegible] جاتا ہے، کہیں ایک دو گری [illegible]۔ [illegible] نے پیسے والوں [illegible] کہ ہالک عمارت کا سامنے کا کچھ حصہ ہائی عمارت سے الگ ہو [illegible] ٹوٹی ہوئی [illegible] کی [illegible] گلی میں [illegible]۔ گروبر [illegible] پر [illegible] دینے لگا۔ عمارت میں پہنچ کر اس نے [illegible] کے ہاتھ سے چابیاں [illegible] اور ڈولتی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ [illegible] اس کے پیچھے پیچھے آنے کی کوشش کی مگر گروبر نے [illegible] کی ہدایت کی۔ جب [illegible] وہاں کی [illegible] تو [illegible] پیچھے پیچھے [illegible] اوپر [illegible] لگا۔

گروبر نے تالا کھولا اور کیسلر کے [illegible] ایک فلیٹ میں داخل ہو گیا۔ اس نے ڈوری کھینچ کر بتی جلائی [illegible] بوڑھے کو [illegible] میں [illegible] پانی کی [illegible] ہو چکا۔ فرش پر اس کے [illegible] کے پاس [illegible] اکڑے ہوئے [illegible] کا پیالہ دھرا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے تھے؟" گروبر نے [illegible] پوچھا۔

بوڑھا بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

"مجھے پتہ نہیں [illegible] قانون کی خلاف ورزی [illegible]؟ [illegible] کسی کے گھر میں [illegible] گھسا ہے اور تو نے قانون توڑا ہے۔ جواب دے!"

[illegible] چپ رہا۔

[illegible] ہاتھ جوڑے [illegible]۔

"دیکھو میرے دوست، تم [illegible] بڑی مصیبت میں [illegible] ہوئے ہو۔ اگر وہ تمہیں یہاں سے گرفتار [illegible] جانا پڑے گا۔ میں تو صرف تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

[illegible] ہوئی [illegible] اس کی طرف [illegible] ہوئے۔

"میں [illegible]؟" وہ [illegible] رونے لگا۔ "ایسے آدمی کو [illegible] سے [illegible] سال سے [illegible] وقت [illegible] آخر کیا کیا ہے [illegible] کسی کو [illegible] رہتی۔"

[illegible] نے غور سے بات سنی، پہلے تو [illegible] کیا جواب دے [illegible] "مسٹر کیسلر، مجھے [illegible] کوئی [illegible] نہیں۔ یہ مکان [illegible] ہے۔ [illegible] مکان چھوڑنا پڑتا ہے۔ [illegible] تمہیں فلیٹ چھوڑنا پڑے گا۔ [illegible] ایک خط [illegible] گا۔ لیکن اگر تم [illegible] تو تمہیں [illegible] گا۔ [illegible] کر دوں گا۔"

"مسٹر گروبر،" کیسلر نے کہا۔ "میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ آپ چاہیں تو مجھے قتل کر دیں مگر میں

Scanned with CamScanner

جاؤں گا نہیں۔"

گروبر جلنے میں مدد ہو، باہر نکلا تو اگنیس مدد سے سو گیا۔ اگلی صبح، پریشانیوں بھری بے چین رات گزار کر، مالک مکان مسٹر ہارش کے دفتر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں وہ ایک کینڈی کی دکان پر سگریٹ کا ڈبہ لینے کے لیے رکا، اور وہاں فیصلہ کیا کہ کیسلر سے ایک بار پھر بات کی جائے ۔ سے ایک ترکیب سوجھی تھی: وہ کسی بہتر ہوم میں بوڑھے کیسلر کے رہنے کا بندوبست کرانے کی پیش کش کرے گا۔

وہ گاڑی چلاتا ہوا عمارت پہنچا اور اگنیس کے دروازے پر دستک دی۔

"کیا بڈھا اب تک وہیں ہے؟"

مجھے معلوم نہیں مسٹر گروبر۔ مستری نے آزردگی سی محسوس کر رہا تھا۔

"معلوم نہیں کا کیا مطلب ہوا؟

میں نے اسے باہر جاتے نہیں دیکھا۔ اس نے صبح میں سے تالے کے چھید میں سے جھانک کر دیکھا تھا، ہلنے جلنے کی کوئی آواز نہیں تھی۔

تو پھر تم نے اپنی چابی سے دروازہ کھولا کیوں نہیں؟"

مجھے ڈر لگ رہا تھا اگنیس نے ہٹ پٹا کر جواب دیا۔

کا ہے کا ڈر؟

اگنیس کچھ نہ بتا سکا۔

خوف کی ایک لہر گروبر کے وجود میں سے گزری مگر اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اس نے چابیاں جھپٹیں اور بھاری قدموں سے سیڑھیاں چڑھنے لگا، تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کی رفتار تیز ہو جاتی۔

دروازہ کھٹکھٹانے پر سے کوئی جواب نہ ملا۔ تالا کھولتے ہوئے اسے بے تحاشا پسینہ آ گیا۔

مگر بوڑھا موجود تھا زندہ تھا، اور جوتے اتارے بیڈروم کے فرش پر بیٹھا تھا۔

سنو کیسلر، مالک مکان نے، دم میں ہونے والی دھک کے باوجود سکون محسوس کرتے ہوئے، کہا۔ مجھے ایک خیال آیا ہے۔ اگر میری بات مانو پر عمل کرو تو تمہاری مشکلیں حل ہو جائیں گی۔

اس نے کیسلر کو اپنی تجویز کی وضاحت سمجھائی، مگر انڈے چھاننے والا بوڑھا اس کی نہیں سن رہا تھا۔ اس کی نظریں فرش پر جمی ہوئی تھیں اور جسم دائیں بائیں جھول رہا تھا۔ جب مالک مکان اپنی بات کہہ رہا تھا، وہ ان خیالوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو پھوٹ پاتھ پر گزری رات کے بیچ بیٹھے ہوئے اس کے ذہن میں چکرا رہے تھے۔ اس وقفے میں اس کے ذہن میں اس کی پوری قابل رحم زندگی پھر گئی تھی، اسے یاد آیا تھا کہ کس طرح جوانی کے دنوں میں وہ اپنی بیوی اور تین معصوم بچوں کو چھوڑ کر نکل آیا تھا، اور اس کے بعد عمر بھر کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی تھی کہ ان کی گزر بسر کیسے ہوتی ہے، بلکہ اس نے تو ۔۔۔ خدا اس پر رحم کرے ۔۔۔ ان تمام برسوں میں یہ تک معلوم کرنے کی کوشش نہ کی تھی کہ وہ جیتے ہیں یا مر گئے۔ اتنی مختصر

Scanned with CamScanner

کی زندگی میں کوئی شخص اس قدر غلط کار کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ خیال اس کے دل تک اتر گیا اور وہ [illegible] ماضی [illegible] کرتا رہا [illegible] بڑی بولیاں [illegible] رہا۔

گیسلر کو اس قدر [illegible] کو خوف آنے لگا۔ [illegible] میاں [illegible] فرش پر [illegible] گھٹنے [illegible] بازوؤں میں [illegible] ہوئے [illegible] فرش پر بیٹھا ہے [illegible] کسی [illegible] شخص [illegible] ہے۔

[illegible] بات [illegible] سوچتے [illegible] باعث ہو سکتی ہے، [illegible] کمرے میں سخت گھٹن محسوس ہونے لگی۔ [illegible] نکل جائے [illegible] خود کو سیڑھیوں پر [illegible] سیڑھیوں کے نیچے [illegible] کمرے میں [illegible] بیٹھا ہے [illegible] کوئی [illegible] گیسلر کو کوئی [illegible] قوت [illegible] والا خود ہے۔

[illegible] پسینے پسینے ہوتے ہوئے اس نے اپنے [illegible] محسوس کیا، یہاں تک کہ اس کا سر بالکل پھٹنے [illegible] کے [illegible] مگر [illegible] حالت میں چھوڑ گیا۔

[illegible] صاف [illegible] روشنی اور [illegible] پشیمانی محسوس ہونے لگی۔

[illegible] ایک [illegible] آہستہ آہستہ فرش پر بیٹھ [illegible]

**

(انگریزی عنوان: The Mourners)

برنارڈ مالامڈ

انگریزی سے ترجمہ: اجمل کمال

دراز میں بند آدمی

مجھے نہیں معلوم کہ دھیمی آواز میں "شاعر" کا لفظ سنائی دیا ہے، [illegible] کے چہرے کے سادہ
نقوش کو دیکھتے ہوئے یہ بات خاصی عجیب معلوم ہوتی تھی۔ وہ میرے بچپن میں [illegible] ہونے کے بعد سے
جسے دیکھے ہوئے [illegible] مجھے مسلسل دیکھتے جا رہا تھا۔ اور سچ بات یہ ہے کہ مجھے کچھ ہوائی سا خوف بھی
محسوس ہوا۔ میں سمجھتا ہوں [illegible] میرے [illegible] پچھلے دنوں کچھ کم ہوئے ہیں، لیکن یہ بات میں سچ
[illegible] کے بارے میں نہیں کہہ سکتا۔ پہلے پہل میں نہیں سمجھ سکا کہ اس کی وجہ [illegible] ہے۔ [illegible]
لباس میں آدمی [illegible] والا نہیں ہوتا تھا۔ ممکن ہے یہ شروع ہی سے میرا پیچھا کر رہا ہو، [illegible]
ہو سکتا ہے [illegible] جسے خود میں نے ہاتھ لگا کر روک لیا تھا۔

[illegible] شور مچاتی ہوئی قدیم راستے کی دوکانوں میں مجھے [illegible] کے پاس سے [illegible]
تمام [illegible] سے آتی [illegible] مٹر گشت کر رہا تھا۔ آخر کار انھیں دیکھنے سے
میرا جی بھر گیا اور تب مجھے یہ [illegible] سے آزادی [illegible] ہاتھ [illegible]
[illegible] آپ کر سکتے ہیں [illegible] ایک [illegible] کیا جیسے
میں کوئی ایسا شخص ہوں جسے [illegible] جیسے [illegible] مجھے غلطی سے [illegible]
[illegible] کے علاقے میں اپنے [illegible] کے بعد غلطی سے [illegible] بات [illegible] تھی
جس کا میں برا مانتا۔

[illegible] آنکھیں ایک [illegible] ہوئی بھیڑ میں ڈھلتی چلی

Scanned with CamScanner

نہیں اگرچہ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی جیسے تھے۔ جب ہم سکول میں، ان فورسٹ ہل میں ساتھ کاری
پیا کرتے تھے کہ ہم ایک دوسرے کو جانتے تھے، کسی سے وقت نہ تھا۔ وہ سوں پڑھے تھے
تیز اسے چہرہ کچھ گول سا تھا، اس کا نقش بہت سادہ سا تھا لیکن اس کی چھوٹی چھوٹی، چالاک اور
شوخ آنکھیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ اشارہ کرتی ہوئی وہ آنکھیں جانے کی التجا کرتی
معلوم ہوتی تھیں۔ اسے کچھ یاد تھا وہ شکر ادا ہوا تھا، لڑکیوں اور کس وجہ سے، اس کا کچھ پتا نہ چلتا
تھا۔ کچھ دیر بعد ہی ان کی نظریں ہٹ گئیں اور پھر، جیسے ان تمام معاملے کی شکل ان کی برداشت سے باہر ہو گئی ہو، وہ
یوں لگا جیسے اسے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔

ٹھیک ہی ہے، میں نے سوچا، میں یہاں سے کہ دور ہی ہوں۔ تھوڑا سا میاں سڑک کی طرف ہی
دیکھ رہا ہے۔ وہ ہمیں کہیں دیکھتے ہیں اور کسی روز ملیں گے۔ کہاں؟ مجھے احساس ہوا کہ یہ تو
تب سے نیا ہی ہے، ہیں نہیں تو فیصلہ ہی۔ پتا تھا۔ کوئی بھی تھا جو اس لیے اسی سے
ملنے چلا آتا ہے۔ دونوں ہی دن سے تب سے ہوٹل سے کہ سے تو یہاں نہیں سمجھ
سکتا تھا۔

شالوم! آخر اس نے اونچی آواز میں کہا۔

ہمیں ہی شالوم۔ تو ہم ہیں سے کوئی سا تعارف اس کی بات ہو سکتی تھی؟ پھر ہم دونوں
ملنے ہوئے، اور سڑک پر مخالف سمتوں میں دیکھنے لگے۔

یہی نہیں ہوا، جو ہمیں کسی جگہ ملا دیتی، جب ہم دونوں اجنبی کی طرح سے زیادہ نہ تھا،
اس قریب سے معلوم تھا کہ اس کی عمر تیس برس سے اوپر ہی تھی، اور دیکھنے میں وہ یوں معلوم
ہوتا تھا کہ کچھ وہ کیا تھا سے بہت دن کو نہیں ملتا۔ میں تب سوچنے لگا کہ وہ غیر مطمئن قسم کا
آدمی ہے جو اس سے بہت پہلے مجھ سے ملا تھا، جب میں کچھ دیر اس کا مطالعہ کر چکا تو احساس
ہوا وہ کوئی نہیں ہے، جیسا کہ وہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہر وقت اپنے دیکھ کر تھوڑا سا پیچھا ہو
کھو بیٹھا۔ مجھے سب معلوم ہوتے تو بات کرتے، اس کا چہرہ جب میں نے بتایا، کچھ کچھ
معمولی معلوم ہوتا تھا، ہونٹ سخت، جبڑوں کی ہڈیاں چوڑی، ٹھوڑی چھوٹی سی اور مضبوط۔ لیکن اس کی
ان سب کی وجہ سے حیرانی آنکھیں ہی بیٹھی لگتی تھیں۔ ہم بیٹھے، شالوم سے
بات کی، جو دیکھا تھا یہاں تک کہ آنکھیں بھی کچھ مختلف لگ رہی تھیں۔ جیسے
وہ ہو ان کو دیکھنا چاہتے معلوم ہوتا ہے، جو ہو سکتی ہے علامت؟ تقدیر؟ شکل
ہم نے یہ بات کی، بہت تبدیلی کی، جس کی دوری ہوئی تھی، جو کہ جانے کہاں سے آ رہی تھی۔
ہم نے بات کچھ ایسی ہی کی، جو سمجھ سکتا تھا، جیسے کہیں سے، جیسے کوئی شخص ایسا
نہ تھا جس سے بات ہو سکتی، اس لیے وہ کچھ اس سے معلوم ہوتا تھا۔ میرا خیال ہے
ہم یاد ہی نہیں کر سکتے تھے، اس طرح ہم سے ان کی نہیں کہتا تھا، وہ اس کی سوچ پر سیدھا ہو کر

پیشانی تھی اور اس کا پورا وجود ڈرائیونگ میں منہمک معلوم ہوتا تھا، بلکہ کچھ کچھ بے تابی کے ساتھ۔ ایسی تفصیلات جانچنے میں میری تجربہ کار نگاہ بہت تیز ہے۔

"اسرائیلی؟" اس نے سرگوشی میں سوال کیا۔

"امیرکانسکی۔ مجھے روسی زبان نہیں آتی، بس دو چار تعارفی لفظ بول لیتا ہوں۔"

اس نے اپنی قمیص کی جیب میں اندر تک ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پلاسٹک پیکٹ نکالا اور بازو پوری سیٹ پر پھیلا دیا۔ اس کی اس حرکت سے وولگا ایک موڑ کاٹتے ٹرک سے بچتے بچتے زور سے لہرائی۔

"احتیاط سے!"

میں جھونک میں آ کر ایک طرف جا گرا تھا، مگر اس نے معذرت کا ایک لفظ تک نہیں کہا۔ ایک بلغاروی سگریٹ نکال کر، جسے پینے کا میں کچھ مشتاق نہ تھا — بہت تیکھا سگریٹ ہے — میں نے پیکٹ اسے لوٹا دیا۔ میں جواباً خوش حال امریکی سگریٹ پیش کرنے پر غور کر رہا تھا، مگر پھر اس کی جھینپ کا سوچ کر باز رہا۔

"فیلکس لیوتانسکی،" وہ بولا۔ "آپ کیسے ہیں؟ میں ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔" وہ بڑے سخت اجنبی لہجے میں انگریزی بول رہا تھا مگر اس کی زبان میں روانی بہت تھی۔

"اچھا، انگریزی بول لیتے ہو؟" مجھے کچھ کچھ اندازہ تھا۔

"میرا پیشہ ترجمان کا ہے — انگریزی، فرانسیسی۔" اس نے کندھے ایک طرف کو جھٹکائے۔

"میرا نام ہاورڈ ہورووٹز ہے۔ میں یہاں کچھ دن چھٹیاں گزارنے آیا ہوں، کوئی تین ہفتے۔ میری بیوی کچھ عرصہ پہلے فوت ہوئی ہے اور میں، ایک حد تک، ذہن کو سکون دینے کے لیے سفر پر نکلا ہوں۔

میری آرزو بھی، مگر میں نے کہہ بھی دیا کہ اگر میں کسی رسالے کے لیے ایک آدھ مضمون کا مواد حاصل کر سکوں تو وہ بھی سہی۔"

لیوتانسکی نے ہمدردی کے اظہار میں دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ ویل سے اٹھا دیے۔

"دیکھ کے، خدا کے لیے!"

"ہورووٹز؟ یہی بتایا نا؟"

میں نے اپنے نام کے ہجے کیے۔ "دراصل میرے کالج میں داخلہ لینے کے بعد میں ہارلو تھا مگر حال ہی میں میں نے دوبارہ وہی نام رکھ لیا ہے۔ ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد میرے باپ نے باقاعدہ قانونی طور پر تبدیل کر دیا تھا۔ وہ ڈاکٹر تھا، عملی قسم کا آدمی۔"

"تم مجھے یہودی نہیں لگتے۔"

"تو پھر تم نے شالوم کیوں کہا؟"

"کبھی کبھی آدمی یوں ہی کہہ دیتا ہے۔" ایک منٹ بعد اس نے پوچھا۔ "تم کس لیے؟"

"کیا کس لیے؟"

"تم نام دوبارہ کس لیے بدلا؟"

"میری زندگی میں بحران آ گیا تھا۔"

"وجودی بحران؟ معاشی بحران؟"

[illegible]

"اس کے کیا معنی؟"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"یعنی سوویت طرز زندگی کی وجہ سے؟"

[illegible]

[illegible] میرے ماں باپ بالکل ختم ہو چکے تھے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] بظاہر سکون کا سانس لیا۔

روز میں نے خود سے کہا۔

میں نے ابھی ناک سنکی۔ اس کی موت کے بعد میں نے سوویت یونین کا منصوبہ بنایا تھا مگر خود کو چلنے پر آمادہ نہ کر پایا۔ میں کسی صدمے سے سنبھلنے کے معاملے میں خاصا سست آدمی ہوں۔ گو ویسے مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ عام معاملات میں فوری فیصلہ کرنے میں مجھے شروع ہی سے دقت پیش آتی رہی ہے۔ آٹھ مہینے بعد، جب میں تقریباً اپنا سامان باندھ رہا تھا، مجھے محسوس ہوا کہ جس ذہنی سکون کی مجھے تلاش ہے اس کا تعلق، دراصل سفر کے منصوبے سے قطعی نہ تھا۔ کچھ اس بات سے بھی تھا کہ مجھے غیر متوقع طور پر ایک گمبھیر ذاتی فیصلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ تنہائی سے اکتا کر، میں ان دنوں …، اپنی سابقہ بیوی، سیلین، سے دوبارہ ملنے لگا تھا؛ اور، چونکہ اس نے دوبارہ شادی نہیں کی تھی اور اب تک … کشش تھی، ہمارے درمیان دوبارہ شادی کرنے کے بارے میں دبی دبی بات ہونے لگی تھی، جس پر مجھے تعجب تھا۔ ایسی باتیں، آدمی کو جب ہوتے ہیں، ایک حصے سے دوسرے حصے تک آتے آتے، خود سے پھسل جاتی ہیں۔ اگر ہم سچ مچ شادی کر لیتے تو روس کے اس سفر کو ایک قسم کے ہنی مون کی شکل دے سکتے تھے۔۔ میں دوسرا ہنی مون تو نہیں کہوں گا، کیونکہ ہم نے کوئی خاص پہلا ہنی مون نہیں منایا تھا۔ آخر کار، کیونکہ ہماری زندگیاں اس قدر پیچیدہ ہو چکی تھیں، اور ایک دوسرے میں اس قدر مخل ہوئیں، کہ مجھے فیصلہ کرنا مشکل معلوم ہوا، اگرچہ مجھے اعتراف کرنا چاہیے کہ سیلین سے آزمانے پر تیار محسوس ہوتی تھی۔ میرے احساسات خود مجھ پر اس قدر غیر واضح تھے کہ میں نے کچھ بھی فیصلہ نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ سیلین نے، جو بالکل سیدھی سوچ اور وکیلوں کا سا ذہن رکھتی ہے، مجھ سے پوچھا کہ کیا اس تجویز سے میری دلچسپی ختم ہو رہی ہے، اور میں نے اسے بتایا کہ اپنی بیوی کے مرنے کے بعد سے میں اپنی زندگی کا جائزہ لے رہا ہوں اور مجھے یہ جاننے میں ابھی کچھ اور وقت لگے گا کہ میں کہاں کھڑا ہوں۔ "اب بھی؟" وہ بولی۔ اس کی … زندگی کا جائزہ لیتے رہے تھی اور میں نے سوچا اس کا اشارہ اس طرف ہے کہ اس میں ساری عمر تک جا سکتی ہے۔ میں جواب میں صرف اتنا کہہ سکا: "ہاں، اب بھی۔" اور پھر، ذرا ٹھہر کے یہ کہا: "ہاں، ساری عمر۔" بعد میں میں نے خود کو متنبہ کیا: "آئندہ اس قسم کی پیچیدہ الجھنوں سے خبردار رہو۔"

خیر، تو یہ معاملہ یوں ختم ہوا۔ وہ کوئی خاص مسرور شام نہیں تھی، اگرچہ مسرت کے لمحے اس میں آتے رہے۔ ایک وقت تھا کہ میں سیلین سے واقعی محبت کرتا تھا۔ تب میں نے سوچا کہ منظر کی تبدیلی، شاید مہینے بھر کی چھٹیوں پر باہر کا سفر، فائدہ مند ثابت ہوگی۔ میں بہت عرصے سے سوویت یونین کا سفر کرنا چاہ رہا تھا، اور تنہائی میں کچھ وقت گزارنے کی بھی خواہش رکھتا تھا، اور مجھے امید تھی کہ اگر میں دور رہ کر مجھے اپنی ذہنی الجھنیں سمجھنے کا بھی موقع مل جائے تو اس سفر کا حاصل اور بڑھ جائے گا۔

چنانچہ جب مجھے ویزا مل گیا تو مجھے یہ محسوس کر کے حیرت ہوئی، گو کچھ زیادہ بھی نہیں، کہ میری توقعات خاصی مدھم پڑ گئی ہیں اور مجھے کچھ بے چینی سی ہونے لگی ہے۔ میں نے سب سے پہلے اس خوف پر غور کیا جو مجھ پر بعض اوقات طویل سفر سے پہلے طاری ہو جاتا ہے، اور روانہ ہونے سے پہلے مجھے اس خوف

Scanned with CamScanner

سے کھوج کرنا پڑتا ہے۔ کیا میں صحت سے تنگ جاؤں گا؟ کہیں میرا کوئی خیال ۔ کر دیا جائے۔ کہیں بیمار ہو کر نشہ چڑھ جائے اور میں خود کو ساری قوتوں میں کھو جاؤں۔ صاف بات یہ ہے کہ، خود میں ان خیالوں کی منتشری درست کروں، میں ہوں دراصل ایک تشویش زدہ آدمی، جس کا مطلب، اگر میں خود کو سمجھ شروع کروں تو، یہ نکلتا ہے کہ میرا ایک پیر ہاں کے لیے میں رہتا ہے اور دوسرا آنے والے لمحے میں۔ میں بہت محنت سے ماضی میں بے حرکت بیٹھ رہتا ہوں، مستقبل کے بارے میں بے مصرف فکروں میں گھلتا ہوں، اور ایک صورت حال ... کا بوجھ اٹھائے پھرتا ہوں۔

مجھے احساس ہوا کہ صورت حال میں داخل ہونے کے بارے میں دو باتیں مجھے پریشان کر رہی ہیں دو کسی صورت شہر میں کسی میدان یا تعلقی مسئلے کے ساتھ پیش آنے والی دو کہانیاں میں خود میں نے اخباروں میں پڑھ رکھی ہیں، کہ سے سیکرٹ پولیس لے جا رہی ہے، خفیہ قانونی حاشی سرگرمی ... غلط کردی یا پیسے کی ... نہیں کرتا۔ ... ہو، جو انشاء ... سائنس، کا بھی ہو سکتا ہے ... وقت تک قید تنہائی میں رکھا جائے تک ... اعتراف نہ کر دیں، ... اعتراف کے بعد سے رہا ہو جائے ... اب ... کی امید ... بعد مجھے کسی ... آتے تھے ... ہاتھ میں ... تھما دیا، اور ... صورت ... سے پڑھتے ہیں ... آگے ... ہے کہ جا رہی ہے ... ایسی صورت میں ... خیال سے ... کی وہ مجھے ... گا، میں ... ہر صورت میں، میں ... نہیں بتاتا ... دوں گا ... میں ... ہوگا ... ہیں کہ ... آدمی ... آگے بڑھ جائے تو ... اور معصوم معلوم ہوتا ہے۔ کم از کم اپنی ... میں ... کرتے ہوئے قدموں کی آہٹ سنتا ہوں ... میرے خیالوں کی معقولیت ... کمتی ہے، ... کے دو ... آگے بڑھتے ہیں ... میرے دونوں ... مجھے رفتار ... ہیں۔ میری توقع کے ... نہیں، ... شہادتوں کو ... کرنے کی کوشش ... ہے

میں ... ہوں ... چڑھتے، ... سے نکلنے کی کوشش ... چڑھتے ... ہوں ... ایک ... کی ... سے بند کر دیتی ہے ... کھوپڑی کی ... کے بعد ... ایک ... کھینیٹ ... سے ... پڑھتا رہتا ہوں ... قلموں کے ... کی ... ہوں۔

... ایک ... ہے، اور میرے ... ہیں کے لیے سستا زیادہ ... ہے۔

Scanned with CamScanner

کبھی کبھی میری خواہش ہوتی ہے کہ جاسوسی کے طریقے ترقی کی اس منزل پر پہنچ جاتے کہ یو ایس ایس آر اور یو ایس اے دونوں ایک دوسرے کی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات سے واقف ہو جائیں، وہ ہوش مندانہ طریقے سے کمپیوٹروں کا تبادلہ کر کے ان معلومات میں ہونے والے اضافے ایک دوسرے کو فراہم کر دیا کریں، اور اس کے بعد ایک دوسرے کا پیچھا چھوڑ دیں۔ اس سے جاسوسی کا کاروبار بالکل تباہ ہو جائے گا؛ دنیا میں ذہنی معقولیت آ جائے گی اور مجھ جیسے لوگوں کے لیے سوویت یونین کے سفر کا خیال محض مسرت پر محیط ہو گا۔

جون کے وسط کی ایک سہ پہر کو پیرس سے آنے والی پرواز سے کینیڈی ایئرپورٹ پر اترتے ہی مجھے ایک گہری دہشت نے گھیر لیا۔ کسٹم کے ایک اہلکار نے میرے سوٹ کیس میں سے Visible Secrets کی پانچ کاپیاں برآمد کر کے ضبط کر لیں۔ یہ شاعری کا ایک انتخاب ہے جسے میں نے بائی لنگوئل طلبا کے لیے چند سال پہلے مرتب کیا تھا، اور اس خیال سے ساتھ لے آیا تھا کہ اگر ایسے روسیوں سے ملاقات ہوئی جنھیں انگریزی شاعری سے دلچسپی ہو تو انھیں دے دوں گا۔ مجھے ایک فارم پر دستخط کرنے کو کہا گیا جسے اس اہلکار نے بڑی احتیاط سے، سرخ رنگ کے خط میں، پُر کیا تھا؛ صرف کتاب کا نام انگریزی حروف میں لکھا تھا اور Secrets کے نیچے خط کشیدہ کر دیا تھا۔ یہ اہلکار مجھے ایک گنجا سا لگا، جو ایک عام سے قد اور چھوٹے سے سر والا آدمی تھا جس کے سر پر چند رسے بالوں کی پٹی سی تھی۔ بتایا کہ جس دستاویز پر مجھے دستخط کرنے کو کہا جا رہا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ میں اس بات سے واقف ہوں کہ سوویت یونین میں کسی غیر ملکی کتاب کی پانچ کاپیاں لانا ممنوع ہے؛ لیکن میری ملکیت مجھے ماسکو ایئرپورٹ پر ملک سے رخصت ہوتے وقت واپس مل جائے گی۔ میں نے پریشان ہو کر سوچا کہ شاید مجھے دستخط نہیں کرنے چاہئیں لیکن انٹورسٹ سے تعلق رکھنے والی گائیڈ نے اصرار کیا کہ میں دستخط کر دوں۔ وہ بلیچ کیے ہوئے بالوں والی ایک ناتواں تھی جس کی پتلیاں چہرے میں گھومتی رہتی تھیں اور جس کی شکل صورت اور خوش مزاجی نے مجھے کم و بیش پرسکون رکھا، ورنہ اس غصے سے میرے کپڑوں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اس نے کہا کہ یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے اور یہ کہ مجھے جلدی سے دستخط کر دینے چاہئیں کیوں کہ ہمیں وہاں سے ہوٹل جانا ہے، ورنہ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر میں نے سوال کیا کہ اگر میں کتابوں سے دستبردار ہو جاؤں اور واپسی پر انھیں طلب نہ کروں تب کیا ہو گا۔ انٹورسٹ والی گائیڈ نے کسٹم افسر سے دریافت کیا۔ اس نے بڑے سکون، سنجیدگی اور تفصیل کے ساتھ وضاحت کی۔

"یہ کہہ رہے ہیں،" وہ بولی، "کہ سوویت یونین کسی غیر ملکی سیاح سے اس کی ملکیت چھیننے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔"

چونکہ اس شہر میں گزارنے کے لیے میرے پاس صرف چار دن تھے اور وقت تیزی سے، معمول سے زیادہ تیزی سے گزر رہا تھا، میں نے سوچتے ہوئے اس کاغذ اور اس کی چار کاربن کاپیوں پر۔۔۔ جوش یہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(انھیں) پیش کیا۔ …ئی؟ میں نے پوچھا۔ پھر نشست، اور … بار … نے اپنے سامنے بیٹھے … تھی
… مجھے خیال ہوا کہ ہم دونوں سہم ہوئے ہیں۔ سوچتے ہوئے … آیا … وقت تک میں … کتنا
اور … خوفزدہ سوچتا تھا۔ … میں نے ساتھ ساتھ چلتے دور … سے بات کی، جن میں سے ایک …
کی سمت میں نظر … سے تیزی سے آئے … اور دوسرے نے … سے … ہوا …
بے اختیاری کے … تھے میں … ہوئی … بار … مجھے پیچھے … سر سے …
نے سسکی لی تھی۔ تنہائی اور … کی … ہوئی … ہیں۔ مجھے … تک جاتے …
معلوم ہو سکا۔

جس وقت میں اپنے کمرے کا تالا کھول رہا تھا، … یہ قصہ اپنے دوستوں کو … سے
… سنا رہا ہوں گا، … کی گھنٹی بج رہی تھی۔ دوسری … سے ایک … آواز سنائی
دی۔ … موسیقی … طویل … میں فقط … کا … آواز …
سکتا۔ … کی … کارون … کا سا … تھا۔ … کی بات کا … میری سمجھ میں
… آیا، لیکن … آپ … سے … کی … ہیں، … میں نے …
تصویر دیکھی … ہیں … ہے … ساتھ، یا … ہیں … سے …
میں چلا جا رہا ہوں؛ … میں سے … دونوں، … سے باتیں … ہوئے۔ …
… ڈھلان پر … ہیں … ایک جھیل … ہے؛ … میں … کشتی میں
بٹھا کر حسین جھیل کی سیر … ہوں، … دونوں بالکل خاموش ہیں۔ … مجھے
بلکہ … قسم کے خیالات … آتے … کسی … سے … لیتا … تصور کچھ
کی قسم … تھی … جب … کی تو مجھے … کہ … ہیں …
اس نے فون بند کر دیا۔

کل … کے … کی … کا … آواز … ہے — میں
صرف اس آواز کی موسیقیت … اچھا لگا۔

… تحریری … ہو … میں … تھوڑی … یا … تمھیں …
سے … آتی ہے … — … سے … کہ مجھے … کہا … سے …
… میں … اگلے … پر … کی … میں …
لہٰذا اگر میری بات کا مطلب تمہاری سمجھ میں … تو … ہیں … (ہاں) کہ … سے …
انگریزی کی … کا … جنٹلمین … ۳۲ … مجھے … سمجھا … اور …
تمہاری سہولت سے … نہیں ہے۔

میرا … کہ وہ میری بات دونوں کانوں سے سن رہی ہے لیکن … میرے … میں
بے چین ہو چکا … میں سوچ رہا … سے میرا … سے معلوم ہو گا، یا کوئی شخص … کی

Scanned with CamScanner

[illegible] تو نہیں [illegible] کہ مجھے روسی آتی ہے یا نہیں۔ مجھے واقعی [illegible] بالکل نہیں آتی۔

اس کے بعد میں نے [illegible] ایک [illegible] تھا۔ اس میں اطلاع دی کہ میں کل چار بجے سہ پہر [illegible] سے [illegible] روانہ ہو رہا ہوں۔ [illegible] ہوٹل میں، دو ہفتے ٹھہرنے کا ہے۔ اس کے دوران میں تین یا چار دن [illegible] گزاروں گا۔ میں نے اپنے پروگرام کی قطعی تاریخیں درج نہیں [illegible]۔ [illegible] ہوٹل سے کچھ [illegible] ہوئے لیٹر [illegible] میں ڈال دیا۔ اب [illegible]۔ مجھے امید تھی کہ [illegible] جلد مل جائے گا کہ اس کا جواب میرے سوویت یونین [illegible] سے [illegible] تک پہنچ گئے۔ سچی بات یہ ہے کہ میرا باقی پورا دن [illegible] بے چینی میں گزرا۔

[illegible] اس وقت میں [illegible] دریچہ سے باہر کی طرف ایک [illegible] کے دوسری جانب [illegible] کا نظارہ کر رہا تھا [illegible]، تو مجھے ایک عجیب سے سکون کا احساس ہوا۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک وسیع و عریض [illegible]۔ لگ یوں رہا تھا جیسے دو تین چھوٹے چھوٹے شہر ایک دوسرے سے کچھ فاصلے [illegible] قسم کی تعمیرات چاروں طرف [illegible] ہو رہی تھیں [illegible] اور حوصلے کے [illegible] کا [illegible] سے مجھے یقین ہو گیا کہ سوویت یونین [illegible] ریاست ہائے متحدہ سے جنگ، نیوکلیئر یا کسی اور [illegible] جنگ، نہیں چھیڑے گا۔ [illegible] اگر اس کا دماغ خراب ہے [illegible] سوویت یونین سے جنگ کرنے کا ارادہ کرے گا۔

[illegible] کے بعد [illegible] خود سلامت [illegible] محسوس کیا، اور تب دریچہ [illegible] ہوئے تکتے [illegible] آنکھیں [illegible] سے مسرت سے چند لمحوں کا لطف اٹھایا۔

[illegible] سے تعلق رکھتے تھے [illegible] سے سوال کیا [illegible] نہیں ہوں تو میں ان کے لیے [illegible] چونکا، جو بلاشبہ [illegible] آپ سے ایک آواز میں بات کی ہو، جو میں [illegible] وقت [illegible] کلو میٹر، [illegible] میل فی گھنٹے کی رفتار [illegible] کی سمت چل رہی تھی [illegible] رفتار [illegible] تھی، [illegible] دیکھتے ہوئے [illegible] کر رہی تھی۔

میرے [illegible] یونین [illegible] سوویت سوشلسٹ [illegible] کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

[illegible] مجھے دیکھتے ہوئے [illegible] کیا۔

[illegible] آنکھیں سڑک کی طرف رکھو تو میں شکر گزار ہوں گا۔

گھبرانے کی کیا بات ہے۔ میں برسوں سے گاڑی چلا رہا ہوں۔

پھر بھی مجھے غیر ضروری خطرے مول لینا پسند نہیں۔

تب میں نے اس کے سوال کا جواب دیا کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے زیادہ تر اس سے متاثر ہوا ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک عظیم ملک ہے۔

لیوتانسکی کا گول چہرہ آئینے میں خوش گوار مسکراہٹ کے ساتھ دکھائی دیا۔ اس کے دانت گیراوں سے کٹے ہوئے لگ رہے تھے۔ یہ مسکراہٹ اس کے اندر سے پھوٹتی محسوس ہوتی تھی۔ اب جب کہ اس نے اپنے نصف یہودی حسب نسب کا انکشاف کر دیا تھا، مجھے گمان گزرنے لگا کہ اس کے خدوخال تو سلاوی نہیں بلکہ یہودی ہیں۔ اور اس کے وجود میں اس سے زیادہ اطمینان ہے جتنی مجھے پہلے محسوس ہوئی تھی۔ اس کا اندازہ مجھے اس کی آنکھوں سے ہوا۔

اور ہمارا نظام --- کمیونزم؟

میں نے احتیاط سے جواب دیا۔ میں اسے برہم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں تم سے دیانت داری کے ساتھ بات کروں گا۔ میں نے کچھ غیر معمولی چیزیں دیکھی ہیں -- حتیٰ کہ معاشرتی بھی -- مگر میری رائے اس سے کہیں زیادہ امریکی آزادی کے حق میں ہے جتنی یہاں لوگوں کو بظاہر حاصل ہے۔ خدا جانتا ہے کہ امریکا بھی سنگین نقائص سے خالی نہیں ہے، مگر وہاں لوگوں کو کم از کم تنقید کرنے کی آزادی حاصل ہے، اگر تم سمجھ سکو کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ میرا باپ کہا کرتا تھا: تم بل آف رائٹس کو مات نہیں دے سکتے۔ وہ ایک کلاسیکی شعر ہے، جس کا مطلب ہے تحفظ کی آزادی، فکر اور اظہار کی حد تک۔

کمیونزم کہیں زیادہ بہتر سیاسی نظام ہے، لیوتانسکی نے پرسکون لہجے میں جواب دیا، اگرچہ موجودہ مرحلے تک اسے مکمل طور پر قائم نہیں کیا جا سکا ہے۔ موجودہ مرحلے میں --- اس نے تھوک نگلا، کچھ سوچا، پھر اپنی بات کو ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کے بجائے کہنے لگا: ہمارا انقلاب ایک شاندار اور مقدس واقعہ تھا۔ مجھے سوویت تاریخ کا شروع کا زمانہ پسند ہے، کمیونسٹ آدرش پسندی کا جوش و خروش، بورژوا امپیریلسٹ قوتوں پر فتح۔ مصیبت جھیلتے ہوئے عوام کا شعور راتوں رات بلند ہو گیا۔ معاشرے میں سب کے لیے اشتراکیت کی نئی زندگی پیدا ہوئی۔ پاسترناک نے اسے شاندار سرجری کا نام دیا۔ [illegible]، ممکن ہے آپ اس کی کتابوں سے واقف ہوں، اس نے کہا، انقلاب پوری زمین کو چیر کر الگ کر دیتا ہے، مگر پھر ایک نئی زندگی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے بہت سے شاعروں نے اس سے ملتی جلتی باتیں کہیں۔

میں نے اس سے بحث نہ کی، جس کا انقلاب اسی کو ساجھے۔

آپ نے پہلے بتایا تھا، لیوتانسکی بولا، ایک بار پھر آئینے میں مجھے دیکھتے ہوئے، کہ آپ اپنے اس دورے کے بارے میں مضمون وغیرہ لکھنا چاہتے ہیں۔ سیاسی مضمون یا غیر سیاسی؟

میں سیاست کے بارے میں نہیں لکھتا، ویسے مجھے اس سے دل چسپی ضرور ہے۔ میرے ذہن میں تو کسی امریکی سیاحتی رسالے کے لیے موسکو کے ادبی میوزیموں کے بارے میں کوئی مضمون تھا۔ میں اس

Scanned with CamScanner

ان کی خبریں لکھتا ہوں۔ میں وی سی اس شروع ہوں ... کچھ کچھ معذرت ... میں ... عجیب بات ہے کہ آپ ان باتوں پر ... دیتے ہیں وہ دوسرے ملک تک جا کر بس ... مل جاتی ہیں۔

لیوتانسکی نے تانسکی کے ساتھ ہنسی میں میرا ساتھ دیا اور پھر ... میں ... گیا۔ میں ٹھیک طرح جاننا چاہتا ہوں، فری لانس رائٹر کیا ہوتا ہے؟

مطلب یہ ... ہے کا ... کسی مضمون کا موضوع تجویز کرتا ہے، اور میری مرضی ہے کہ ... کیوں ... یا ... میں ... دلچسپی ... کسی موضوع پر مضمون لکھتا ہوں ... کسی رسالے سے ... کی کوشش کرتا ہوں۔ ... کبھی مضمون ... نہیں ہو پاتا ... سے گھاٹے کا سودا ہوتا ہے۔ ... میں خود ... ہوں۔ ... ترتیب و تدوین کا کام بھی کرتا ہوں۔ میں نے شاعری اور ... کتب ... ہیں ... سے شائع ہوئے ہیں۔

... میں بھی لکھتا ہوں۔ لیوتانسکی ہنسی ... سے بولا۔

واقعی؟ ترجمے کرتے ہو گے؟

ترجمہ تو میرا پیشہ ہے، مگر میں طبعزاد ادیب بھی ہوں۔

اس کا مطلب ... تمہارے تین کام ہیں: لکھنا، ترجمہ کرنا اور ... چھاپنا۔

چھاپنا میرا ... کام نہیں ہے۔

... آج کل ... کس چیز کا ترجمہ کر رہے ہو؟

... سے ... کا ... آج کل میرے ... تو میں ترجمے کا کوئی کام نہیں۔

... خود ... لکھتے ہو؟

... لکھتا ہوں۔

... پوچھنے کی بات ہو تو؟

... چھوٹی موٹی ... مختصر ... زندگی سے ... ہوئی۔

چھوٹی سی ہیں؟

وہ ... کرنے کے لیے ... گھومنے ہی والا تھا کہ ... اس نے اپنی قمیص کی جیب تک ہاتھ ... میں ... سگریٹ پیش کیا۔ ... سے پیکٹ میں سے سگریٹ نکال کر سلگایا ... آہستہ آہستہ کش لینے لگا۔

... چھوٹی ہیں، ... پہلے ... یہ ... میں ... کہ آج کل میں ... لیے لکھتا ہوں۔ آپ ... کے وقت ... کی طرح میں خاموشی کی صنف سخن کا استاد ہوں۔

... میری ... یاد ... ہوں۔

... تانسکی نے ... کہا۔

نہیں ہوتے، اس پر شک کرتے ہیں۔ محبت کی درست تنقید ہے یہ۔

مجھے افسوس ہے۔

"لیجیے، ہم چیخوف میوزیم پہنچ گئے۔"

میں نے ڈرائیور کے آگے جھک کر اس کے ہاتھ میں ایک رومال ٹپ دینے کی خاطر رکھا۔ اس کا چہرہ تمتما اٹھا۔ میں سوویت شہری ہوں۔ اس نے رومال مجھے واپس کیا۔

اسے میری بے خیالی سمجھنا۔ میں نے معذرت کی۔ میرا مقصد تمہاری توہین کرنا نہیں تھا۔

ہیروشیما کا سانحہ! اس نے طنز کیا اور وولگا کے ساحلوں سے ٹکرا کر لہروں نے گھما... دیت ... سے غریب مصیبت زدہ عوام پر حملہ کرنے والے!

میں نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا، میں چیخوف سے پیار کرتا ہوں۔

... گھنٹے بعد، جب میں مہمانوں کی کتاب پر دستخط کر کے میوزیم سے رخصت ہو رہا تھا، مجھے ایک شخص سڑک کے دوسری طرف سڑک کے پیڑ کے نیچے کھڑا سگریٹ پیتا نظر آیا۔ پاس ہی ٹیکسی کھڑی تھی۔ ہم ایک دوسرے کو تکتے رہے۔ پہلے میں ٹھٹکا۔ پھر ہم دونوں نے ہاتھ ہلائے۔ لیونتا نسکی نے دوسرے ہاتھ میں سگریٹ پکڑتے ہوئے مجھے اشارہ کیا اور پکارا: خوش آمدید! خوش آمدید! اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے اپنے بالوں میں کنگھی کی ہوئی تھی، اور ٹیکسی والی کی سفید ٹوپی پہننے کے بجائے اب اس نے سوٹ کا کوٹ پہن رکھا تھا، اور گلے میں ٹائی تھی۔ اس کے موزے، جن پر سرخ دھاریاں اور نیلی دھاریاں تھیں، اس کے جوتوں میں سے نظر آ رہے تھے۔

مجھے معاف کر دیا۔ میں نے سوچا۔ خوش آمدید! میں نے کہا، اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"چیخوف میوزیم کیسا لگا؟"

مجھے بہت لطف آیا۔ میں نے بہت سے بہت کچھ لیا۔ تمہیں تا ہے وہاں کیا چیزیں رکھی ہیں؟ ان کا ایک سیاہ فیلٹ ہیٹ، اور ان کی عینک جیسی کہ عینک جو ہم تصویروں میں دیکھتے ہیں۔ سب نے مجھے متاثر کیا!

لیونتا نسکی نے بڑی ایک آنکھ چھوٹی کر لی۔ مجھے تعجب ہوا۔ وہ پہلے والا آدمی بالکل نہیں لگ رہا تھا، کیونکہ اس میں خاصی تبدیلی آ گئی تھی۔ کیسی عجیب بات ہے، کوئی اجنبی آپ کو پہلے کچھ اور قسم کا معلوم ہوتا ہے، اور جب آپ اسے جاننے لگتے ہیں تو اس کی ظاہری شکل میں فرق آ جاتا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور اب ادیب بھی تھا، خواہ وقتی ہی سہی۔ بہرکیف، میرا انتخاب تازہ ہی تھا۔

"میرے ساتھ ٹیکسی کو معاف کیجیے۔" لیونتا نسکی نے وضاحت کے طور پر کہا۔ "یہ میرا بہترین وقت ہے۔ وہ بہترین وقت تھا، وہ بدترین وقت تھا۔" اس نے ڈکنز کی سے مسکراتے ہوئے مشہور مصرعے پڑھے۔

ٹھیک ہے، [illegible] تم بھی میری [illegible] وقت تم مجھے میرے [illegible]
ہے، یا کسی اور اتفاق سے یہاں آ نکلے ہو؟"

میں نے یہ بات اس لیے [illegible] کوئی اور شخص میوزیم سے باہر نکل رہا ہے۔

[illegible] تو میں آپ کو [illegible] گا۔ مگر پہلے میں آپ کو ایک [illegible] آپ [illegible]

[illegible] ہاتھ ڈالا اور [illegible] کاغذ میں لپٹا اور [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اور پھر ورق الٹ کر دوسرے صفحے دیکھے [illegible]

[illegible] اگر آپ کے لفظوں [illegible] سکیں گے۔ [illegible]

Scanned with CamScanner

خاموشی کے ایک طویل وقفے کے بعد میں نے خود کو کہتے پایا: "ٹھیک ہے، پڑھوں گا۔" مجھے اپنی آواز پہچانی نہ گئی اور میری سمجھ میں نہ آیا کہ ایسی بات میں نے کیوں کہہ دی۔ "آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات میں نے آپ سے [illegible] اور [illegible] تہذیب کے [illegible] تو [illegible] جسے نظر انداز کر دینا ہی اس نے مناسب سمجھا۔

"اگر آپ میری کہانیوں کو قابلِ احترام --- قابلِ قبول سمجھیں، تو [illegible] [illegible]۔"

میں نے اس شخص کی طرف غور سے دیکھا۔ [illegible] اسے جاتے ہوئے جہاز بدلنے کے لیے ٹھہروں گا۔

"تو پھر آپ [illegible] [illegible] عجیب [illegible]۔"

"[illegible]؟" میں نے اپنی آواز کو تعجب میں بلند کرتے ہوئے کہا۔

"[illegible] سے پہلے محتاط لفظوں [illegible]۔"

"اگر آپ [illegible] [illegible] ہو سکتا ہے وہ میری کہانیوں کا مجموعہ شائع کرنے پر تیار ہو جائے؟ جس شخص کا [illegible] اس سے معاہدہ کرلوں گا۔ [illegible] مجھے مل ہی جائے گا۔ [illegible] نہیں ہے۔"

"[illegible] کیا بات کر رہے ہو؟"

[illegible]

[illegible] [illegible] کرنے کے معاملے میں [illegible]۔

میں نے [illegible] کہانیوں کا [illegible]۔

[illegible] معاملہ ہے۔ مجھے ایسے خطرے [illegible] [illegible]۔

"[illegible]"

میں نے کہا [illegible] ایک ایک کہانی کے ورق [illegible] [illegible] [illegible]

Scanned with CamScanner

نہیں پا سکا پشر والوں کا۔ میں ٹیکسی میں داخل ہو گیا۔

[illegible]

[illegible] میرے کمرے کا نمبر ۵۲۸ ہے

آج رات [illegible]

اس نے آرٹ سے لگاؤ ہو سکیں۔

[illegible]

[illegible] کی کہانیاں پڑھیں۔ وہ [illegible] مجھے [illegible] کے عیوب [illegible] میرے خیال میں [illegible] زیادہ [illegible] کے [illegible] پڑھا تو [illegible] اپنے آپ [illegible] تب میں نے [illegible] کے [illegible] کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں [illegible]

[illegible] ان میں سے ایک کہانی میں ایک [illegible]

[illegible] موجود تھی، [illegible]
[illegible] اصرار کیا ہوتا [illegible]
آج ہی رات آ کر انہیں لے جائے۔

[illegible]
کچھ دیر بعد، لیبرتا تسکی میرے سامنے موجود تھا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" [illegible] واپس تھماتے ہوئے کہا، "بالکل کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

[illegible]

[illegible] کوشش کرتا ہوا [illegible]

[illegible]

لیبرتا تسکی، [illegible] [illegible]
[illegible] کی چالاک کوشش کرتا ہے [illegible]
[illegible] کی حیثیت سے دیکھ [illegible]
ایسے اور بھی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] آنکھوں میں [illegible]

[illegible]

دشمن ہو گئی ہے۔

[illegible]

[illegible] میں اس سے ملنے، کیا گئے ہیں، مسودے کے سلسلے میں ملنے آیا ہوں۔

[illegible]

دروازہ میرے پیچھے مقفل کیا جا چکا تھا۔

[illegible]

[illegible] تھا۔ اس کی آنکھیں [illegible]

[illegible]

[illegible] ہو کر خوشی ہوئی۔ اگر [illegible] کلائی پر بازو بند چڑھا لیا اور ایک [illegible] اور بھورے بال چھوٹے کٹے ہوئے [illegible]

"میں برابر میں، کوالینسکی کے ہاں، جا رہی ہوں،" وہ بولی۔

"کہیں میری وجہ سے تو نہیں؟ میں تو صرف اتنا کہنے..."

"ہمسائے ہیں، برابر کے فلیٹ میں رہتے ہیں، لیوتا لسکی [illegible] بہت اچھی ہیں۔" اس نے کھوکھلی دیوار پر انگلیوں کے جوڑ سے دستک کا اشارہ کیا۔

میں نے اپنے خوف کا اظہار کیا۔

"چلو... [illegible] لگے گا،" آہستہ بولی، "کیوں کہ مجھے ڈر لگتا ہے۔

[illegible] عجب [illegible] تھی۔

چھوٹا سا [illegible] کا [illegible] لیوتا لسکی نے [illegible] مطالعہ گاہ کی طرف اشارہ کیا۔ [illegible] میرے سامنے [illegible] کنارے پر بیٹھ گیا [illegible] ایک سے کوئلے کھاتی [illegible]

[illegible]

[illegible] تمہاری کہانیاں پسند [illegible] اور مجھے افسوس ہے [illegible] مجھے تمہاری [illegible] حقیقت بیانی اچھی لگی۔ کہانیوں کی بنت سادہ ہے مگر میں ان سے متاثر [illegible] کہتے ہوئے بھی [illegible] معروضیت برقرار رکھی ہے۔ [illegible] کرتا ہوں۔ ان کہانیوں کی خاصیت کچھ کچھ چیخوف سے [illegible] زیادہ [illegible] میری بات سمجھ سکو۔ مثلاً وہ کہانی جس میں ایک بوڑھا باپ اپنے بیٹے سے [illegible] کر نکل جاتا ہے۔ میں تمہارے اسلوب پر [illegible] کہانیوں [illegible] پڑھتے ہیں۔

"چیخوفین،" لیوتا لسکی نے اپنے گھٹے ہوئے دانتوں سے مسکراتے ہوئے [illegible] تمیں ہے۔ [illegible] چیخوف [illegible] کا [illegible] دیا تھا۔ کاش لیوتا لسکی نے [illegible] لیکن ہوتا۔ [illegible] ہوئے پردے کو گھورتا محسوس ہو رہا [illegible] کسی خاص نقطے کو [illegible] پھر، شاید خود کو تسلی دیتے ہوئے، بولا: "روسی زبان میں [illegible] قبضہ [illegible] وغیرہ [illegible] کا ترجمہ مشکل ہے [illegible]

یہ بات [illegible] ویسے [illegible] کہیں کہیں مجھے ان کہانیوں [illegible] پڑھنے والے [illegible] ہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]
ہے۔ آنکھیں بڑی، بال کٹے ہیں، [illegible]

[illegible]

[illegible] ہے وہ بیوی کا شکار ہو کر خود کو گولی مار بیٹھا۔

[illegible] میں نے پڑھا تھا۔

[illegible] کی طرح پورے روس سے لڑ جاؤں گا۔

[illegible] کو پڑھا ہے؟

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وہ یوں جتا رہا تھا جیسے مجھ سے ابھی ابھی متعارف ہوا ہو۔ "آپ مندلستام کو جانتے ہیں؟"

[illegible] انتخاب میں اس کی چند نظمیں پڑھی تھیں۔

[illegible]

[illegible] سے ذرا دیر بعد کہا، [illegible] ہمدردی اور احترام کا اظہار کرنا تھا۔

[illegible] اس لیے اس نے [illegible] بغیر [illegible]

[illegible] بیوی کی کہانیاں [illegible] ہوتا ہوگا؟

[illegible] میری شادی کو آٹھ سال ہوئے ہیں مگر ہمارا کوئی بچہ نہیں ہے۔

[illegible] کیا وہ حقیقی ہے؟

[illegible] تخیل کی مدد سے لکھتا ہوں۔

Scanned with CamScanner

ڈرامے میں لکھی چیزوں یا کسی پارٹی کو ادھر سے مجھے دل چسپی نہیں۔

"اس سے تو میں بھی متفق ہوں۔"

"کہانی میں جو بات بیان نہیں ہوئی وہ یہ ہے کہ میں روسی رسالوں کو چھاپنے والوں کو کہانیاں مت بھیجتا رہا ہوں مگر یہ تو جمع کی جیسی ہیں، جو ان میں بہترین نہیں تھیں۔ کچھ لوگ مگر لوگ سامیزدات (samizdat) کے ذریعے آگے سے روکتے ہیں، جس میں مسودہ مختلف لوگوں کے ہاتھوں میں گردش کرتا ہے۔"

"کیا تم نے یہودی کہانیاں بھی چھپنے کو بھیجیں؟"

"میری کچھ یہودیوں کی کہانیاں ہوتی ہیں، ان کی کوئی نوعیت نہیں ہوتی۔"

"میرا مطلب تھا یہودیوں سے متعلق کہانیاں۔"

"کچھ بھجوائی تھیں، مگر چھپیں نہیں۔"

عجیب آدمی ہے، میں نے سوچا۔ "جو جو کہانیاں تم نے دی تھیں ان کو پڑھنے کے بعد میں سوچ رہا تھا کہ تم یہودیوں کے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتے ہو۔ خود تو تم یہودی نہیں۔ وہ تم کیسے کہتے ہو۔۔۔ یہی کہا تھا نا؟۔۔۔ ان کے یہودیوں کے بارے میں اسے علم سمجھتے ہو۔ غالباً ایسی بات نہیں کہ آدمی لکھ نہیں سکتا، مگر جب کوئی لکھ لے تو تعجب ہوتا ہے۔"

"تصور تخیل سے پیدا ہوتا ہے۔ جب میں یہودیوں کے بارے میں لکھنے بیٹھتا ہوں تو کہانیاں خود بخود آتی چلی جاتی ہیں۔ ان سب میں ان کے بارے میں لکھتا ہوں۔ میں ان کرداروں پر لکھتا ہوں جو مجھے کہانیاں دیتے ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں خود نصف یہودی ہوں۔ اہم بات ہے مشاہدہ، احساس، اور پھر آرٹ۔ ماسکو میں میں نے بچپن سے یہودی تہذیب کا مشاہدہ کر رکھا ہے۔ کبھی کبھی میں سیناگاگ جا کر یہودیوں کا مطالعہ کرتا ہوں۔ میں ان جیسوں کی بنچ پر بیٹھتا ہوں۔ کہانی مجھے دیکھتی رہتی ہے، میں اسے دیکھتا رہتا ہوں۔ پس میں جو کچھ میں لکھتا ہوں، وہ یہودیوں کے بارے میں ہو یا کسی اور کے بارے میں، دراصل تخیل کی بنائی ہوئی کہانی ہوتی ہے ورنہ وہ میرے نزدیک بے وقعت ہو۔"

"میں خود بھی باقاعدگی سے سناگوگ نہیں جاتا،" میں نے اسے بتایا، "مگر کبھی کبھی وہاں جانا مجھے پسند ہے۔ زبان اور ماحول کے ذریعے شناخت کی یاد تازہ کرنے کے لیے جہاں ہر کسی موجود تھا۔ عجیب بات ہے، کیوں کہ میں نے کوئی خاص مذہبی تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔"

"میں تو ملحد ہوں۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ تخیل سے تمھاری کیا مراد ہے۔۔۔ تمھاری وہ کہانی مجھے یاد ہے جس میں دعا کی شال کا ذکر ہے۔ مگر کیا یہ ایسی چیز درست ہے کہ میں نے ایک اندازہ لگا لیا، کہ ایسی کہانیوں کے ذریعے تم نے اس ملک میں یہودیوں کی حالت کے بارے میں بھی کچھ کہنا چاہا ہے؟"

"میں پروپیگنڈہ نہیں کیا کرتا … سکی … میں اس … کا قائل نہیں

Scanned with CamScanner

ہوں۔ میں سوویت فنکار ہوں۔

وہ تو تم ہو ہی، مگر تمھاری کہانیاں تیں، جو دیوں سے بے خبری کم ور دی پائی جاتی ہے، ور

بہرحال، خیالات مختلف زندگی ہی سے جنم لیتے ہیں۔

میرا مقصد میرا ذاتی معاملہ ہے۔

پڑھنے والے کو ان نفسانی کی کاوش سی محسوس ہوتی ہے۔

نا انصافی کچھ بھی ہو، تحریر کو آرٹ ہونا چاہیے۔

میں تمھارے فلسفے کا احترام کرتا ہوں۔

چلیے، اس قدر احترام کرنے کی ضرورت نہیں، وہ کچھ خطرناک ہو۔ ہمارے ملک میں ایک مقولہ ہے: معذرت سے زکام نہیں ہو جاتا۔ خیر، یہ ذاتی سا معاملہ ہے۔ میں آپ سے احترام کی قدر کرتا ہوں، مگر مجھے عملی مدد کی ضرورت ہے۔

مجھے اس قسم کے جواب سننے کی توقع تھی، جیسے ہی میں نے کچھ کہا ہو، باتیں شروع کیں۔

پہلے میری بات سن لیجیے۔ لیو تالستوی میرے پیر مکمل اور زیادہ۔ میں دشوار حالت۔۔۔ صورت حال میں ہوں۔ تین برسوں سے لکھ رہا ہوں مگر بہت کم چیزیں شائع ہوئی ہیں۔ ماسکو میں ایک، نہیں دو ایڈیٹروں نے، جو دوست تھے، مجھے بتایا کہ میری کہانیاں عمدہ ہیں مگر سماجی حقیقت نگاری کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتی ہیں۔ جس چیز کو آپ معروضیت کہہ رہے ہیں، اسے وہ لوگ قنوطیت اور جذباتیت کی علامت کہتے تھے۔ اس قسم کی کہانیاں سنگین بات ہے۔ وہ مجھ سے لوگ کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ میں ایسی شائع نہیں ہوں۔ انھوں نے مجھے مشورہ دیا، انھوں نے میرے ساتھ جو سلوک کیا، وہ مجھے پسند نہیں تھا۔ انھوں نے یہاں تک کہا کہ میں دیوانہ ہوں، حالاں کہ میں نے انھیں بتایا تھا کہ میں اپنی کہانیاں اس لیے چھپنے کو دے رہا ہوں کیوں کہ سوویت یونین ایک عظیم ملک ہے۔ عظیم ملک اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ فنکار کیا لکھ رہا ہے۔ عظیم ملک ادیبوں، مصوروں، موسیقاروں کے لیے کو ہی انسانوں میں شامل ہوتا ہے، اور عظیم اور سخت مند ہو جاتا ہے۔ میں نے انھیں یہ سب کچھ بتایا مگر انھوں نے کہا کہ میری حقیقت نگاری ناقص ہے۔ اسی وجہ سے مجھے۔ مگر یہ بتیں نہیں بتایا جاتا۔ اور ان کے بغیر کوئی چیز ممکن نہیں ہے۔ وہ تنگی سے مسکرائے۔ انھوں نے مجرم کی طرح رسالوں کو بھی چھپنے سے بند کر دیا، ہو سکتا ہے بند کر دیا۔

مجھے سخت افسوس ہے، میں نے کہا۔ میں خود نہیں سمجھتا کہ ذہنوں کو جلاوطن کرنے سے کوئی فائدہ ہوتا ہے۔

میں کسی حالت میں مزید کام نہیں کر سکتا۔ تقریباً سکی پیسے نہیں پاس رکھتے ہوئے ہوں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنی کہانیوں کے ساتھ دفن ہو رہا ہوں۔ اب مجھے باہر نکلنا ہوگا، ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔ ہر روز میرے لیے سخت اور مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے مدد چاہیے۔ کسی بھی طرح کی اس قسم کی

Scanned with CamScanner

اہم ذاتی درخواست کرنا آسان نہیں ہے۔ میری بیوی نے مجھے مشورہ دیا تھا۔ وہ ہمدرد عورت ہے، ذراسی سخت، مگر اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ میں ایک سوویت ادیب ہوں۔ مجھے پڑھنے والے چاہییں۔ میری خواہش ہے کہ سوویت لوگ میری کتابیں پڑھیں۔ میں چاہتا ہوں میری کہانیاں میرے اور میری بیوی کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی داد وصول کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ جان سکیں کہ میری تحریروں کا رشتہ ماضی کے اور جدید روسی ادیبوں سے ہے۔ میں چیخوف، گورکی، آندرے بیلی کی روایت سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں اگر میری کہانیوں کی کتاب چھپے تو اس سے مجھے اچھی شہرت ملے گی۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں آپ میری مدد کریں۔ یہ میری روحانی آزادی کے لیے ضروری ہے۔

اس کے اعترافات ایک مضطرب بہاؤ کی شکل میں سامنے آئے۔ یہ لفظ میں نے سوچ سمجھ کر استعمال کیا ہے، کیوں کہ ایک حد تک یہی وجہ تھی کہ میں اس کی بات سے اثر پذیر ہوا۔ مجھے ایسے اعترافات کبھی پسند نہیں رہے جو لوگوں کو ذاتی مسائل میں الجھا دیں جو مجھے پر آمادہ ہوں۔ روسی ان کے بادشاہ ہیں۔۔ اس کی تصدیق آپ ان کے ناولوں سے کر سکتے ہیں۔

تمہاری درخواست میرے لیے اعزاز ہے، میں نے کہا، مگر میں محض ایک سیاح ہوں۔ ہمارے درمیان بہت ہلکا سا تعلق ہے۔

میں سیاح کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں، انسان کے طور پر کہہ رہا ہوں، آدمی کے طور پر، سیدھا سادا کسی بڑے جذبے کے ساتھ ہوں۔ اور آپ ذاتی طور پر ادیب بھی ہیں۔ اب آپ جان چکے ہیں کہ میں کیا ہوں اور کیسے دن کاٹتا ہوں۔ آپ میرے گھر میں بیٹھے ہیں۔ میں اور کس سے کہہ سکتا ہوں؟ میں اپنی کہانیاں یورپ میں شائع کرانا بہتر سمجھوں گا، مثلاً اٹلی کے دو ادوری یا ساودی وہاں ہے، لیکن اگر یہ آپ کے لیے ممکن ہے تو اپنا ہی لیں۔ ایک دن میری تحریریں میرے اپنے ملک میں بھی پڑھی جائیں گی، شاید میرے مرنے کے بعد۔ کیسی ہولناک ستم ظریفی ہے، مگر میری نسل کے لوگ ایسی ہی ستم ظریفیوں پر زندہ ہیں۔ چوں کہ میری فوری طور پر مرنے کی خواہش نہیں ہے، اس لیے مجھے یہی جان کر سکون ملے گا کہ میرا آرٹ کسی ایک زبان میں تو زندہ ہے۔ ۔۔۔ سے لکھا تھا: میں کی چینی ۔۔۔ میں ملفوف ہو جاؤں گا۔ کچھ نہ ہونے سے تو یہی بہتر ہے۔

تم نے کہا میں جانتا ہوں کہ تم کون ہو، مگر کیا تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ میں نے اس سے سوال کیا۔ میں ایک سیدھا سادہ آدمی ہوں، میرا تخیل بھی کچھ ایسا زوردار نہیں، مگر میں اچھے اخباری مضمون لکھ لیتا ہوں۔ میری پوری زندگی، اسی ۔۔۔ کی وجہ سے، بغیر کسی ۔۔۔ کے گزری ہے، سوائے اس کے کہ بیوی سے طلاق ہوئی اور اس کے بعد میں ایک اور عورت سے شادی کر کے خوش رہتا رہا جس سے ملنے کا سوچ آج کل میں منا رہا ہوں۔ اس وقت میں یہاں تقریباً تعطیلات پر آیا ہوں، نامعلوم قسم کے خطرے مول لے کر اپنے آپ کو تباہ کرنے کی غرض سے نہیں۔ اور دوسری بات یہ، جسے بتانے کے لیے میں تمہارے پاس آیا تھا، کہ مجھے مجھ پر پہلے ہی سے ۔۔۔ کبھی جاری ہو اور تمہیں فائدے کے

[illegible] سے نقصان پہنچ سکتی ہے۔

میں نے ڈورتھی کو ایک اور [illegible] واقعے کے بارے میں بتایا۔ میں نے ایک ایسی دستاویز پر دستخط کر دیے جسے پڑھ بھی نہیں سکتا تھا، جو نہایت [illegible] تھی۔

"کیسے ہوا؟"

"ہاں۔"

وہ مایوسی سے بولی۔ [illegible] آپ [illegible] دستخط [illegible] کر گئے ہیں، وہاں [illegible]

[illegible] تو کری [illegible]

[illegible] آپ کے پاس ہے؟

یہاں نہیں ہے۔ ہوٹل میں میز کی دراز میں رکھی ہے۔

وہ [illegible] آپ [illegible] آپ [illegible] وقت واپس مل جاتی ہیں۔

اسی کا تو مجھے ڈر ہے۔

[illegible] کیوں؟ [illegible] نے پوچھا۔ [illegible] آپ [illegible] کسی [illegible] دوبارہ مل جانے سے ڈر لگتا ہے؟

مجھے ڈر ہے کہ اس بات سے کوئی اور بات نکل آئے گی [illegible] سوالات، اور تلاشیاں۔ تمہارا مسودہ [illegible] نہیں رکھا۔ [illegible] نہیں پڑھ بھی نہیں سکتا۔ [illegible] بڑی حماقت کوئی نہیں ہو سکتی۔ [illegible] دستاویز [illegible] کا [illegible] دیں تو؟

[illegible] بیٹھے سے [illegible] کا تناؤ حساب کی [illegible] میری سانسوں کی حساب۔

[illegible] کا [illegible] نہیں ہوتا۔ [illegible] کیا میں [illegible] کا غدار لگتا ہوں؟

میں نے [illegible] بات نہیں [illegible] میں سوویت حکام کے ساتھ کسی مشکل میں نہیں پھنسنا چاہتا۔ [illegible] دوسرے لفظوں میں، [illegible] میرے بس کا نہیں ہے۔

میں نے [illegible] ڈورتھی سے [illegible] ایک [illegible] فورسٹ کی [illegible] سوویت [illegible] کی ضرورت نہیں۔ میری بیوی نے [illegible] آپ سے [illegible] کے ساتھ [illegible] سپاہیوں کے ساتھ [illegible] میں مسودہ [illegible] آخری وقت میں پہنچاؤں گا۔ [illegible]

Scanned with CamScanner

سے کم صفحات پر، باریک کاغذ پر ٹائپ کیا ہوا ہے، چھوٹا سا پیکٹ بنے گا، بالکل وزنی نہیں ہوگا۔ اگر کسی گڑبڑ کا اندیشہ ہو تو آپ اسے ڈسٹ بن میں پھینک سکتے ہیں۔ میرا نام کہیں لکھا ہوا نہیں ہوگا، اور اگر [illegible] سے میرا پتا لگا بھی لیا تو میں کہہ دوں گا کہ یہ کہانیاں میں نے خود پھینکی ہیں۔ مجھے یقین تو نہیں آئے گا، مگر وہ کیا کہہ سکتے ہیں؟ اگر میں نے لکھنا چھوڑ دیا تو یہ میری موت کے برابر ہوگا۔ آپ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

اگر تم برا نہ مانو تو میں اس معاملے سے الگ ہی رہنا پسند کروں گا۔

منہ ہی منہ میں کچھ کہتے ہوئے، جو میرے اندازے کے مطابق مایوسی میں نکلنے والا کوئی کوسنا ہوگا، پیوترالسکی نے بک شیلف کے اوپر لگے ہوئے پورٹریٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسے دیوار پر دے مارا۔ پاسترناک، مایاکوفسکی سے جا کر ٹکرایا، اس کے چہرے پر کانچ کے ٹکڑے بکھیر دیے اور خود کو بھی کرچی کرچی کر لیا۔ دونوں تصویریں فرش پر آرہیں۔

"ڈی لاٹس راکٹر،" وہ چلایا، "جہنم میں جاؤ، مر کیا جاؤ! جا کے کالوں کو بتاؤ بل آف رائٹس کے بارے میں! ان سے کہو کہ وہ تمہارے غلام ہوتے ہوئے آزاد ہیں! لٹکے ہوئے ویت نامیوں سے کہو کہ تم ان کا احترام کرتے ہو!"

مسز فیوفنا دوڑتی ہوئی کمرے میں آئی۔ "فیلکس، میں نے تمہاری آوازیں سنیں، کووالسکی ایک ایک لفظ سن رہا ہے!"

"پلیز!" اس نے میری منت کی۔ "پلیز آپ چلے جائیے۔ اس بچارے پیوترالسکی کو اس کے حال پر چھوڑ دیجیے۔ میں اپنے سب دل سے آپ کی منت کرتی ہوں!"

میں جلدی سے چلا گیا۔ اگلے دن لینن گراد روانہ ہوگیا۔

تین دن بعد، جب میں لینن گراد کے تناؤ بھرے سفر سے اس حالت میں لوٹا جو میری مستقل حالت بن رہی تھی، میں ماسکو ایئرپورٹ پر اترنے کے آدھ گھنٹے بعد ایک ٹوٹی پھوٹی ٹیکسی میں ڈھیر ہو کر ان ٹورسٹ کی ایک خوش مزاج گائیڈ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہماری منزل یوکرین ہوٹل کی جانب تھی جہاں سوویت یونین میں میرے باقی ماندہ دنوں کے لیے میرا بندوبست کیا گیا تھا۔ یوں تو میں میٹروپول کو ترجیح دیتا کیوں کہ وہ زیادہ سہولت کی جگہ واقع تھا اور میں اس سے مانوس بھی ہو چکا تھا، مگر یہ مجھے خیال آیا کہ کسی نئی جگہ ٹھہرنا چاہیے جہاں ایک خاص فرد کو میرا ٹھکانا نہ مل سکے۔ جس والگا میں ہم بیٹھے تھے وہ کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی، لیکن اگر یہ وہی گاڑی تھی تب بھی غنیمت تھا کہ اسے ایک پستہ قد جنہیں بڑی سی اونی ٹوپی پہنے چلا رہا تھا۔ اس نے دھوپ کا چشمہ لگا رکھا تھا اور مجھ پر کوئی خاص توجہ نہیں دے رہا تھا۔

لینن گراد پہنچنے کے پہلے دن میں نے چند بے حد خوش گوار لمحات گزارے تھے۔ گرمیوں کی ایک روشن سفید شام کو، ایستوریا ہوٹل میں اپنا اسباب کھول کر رکھنے کے کچھ دیر بعد، نیوسکی پروسپیکٹ پر د

Scanned with CamScanner

سیڑھیوں چلتے پر مجھے سرمائی محل اور مرمری تازہ دکھائی دے گئے تھے۔ محل کے سامنے وسیع چوک میں ٹھیک سے کر جو اس وقت بالکل ویران تھا، ان انقلابی واقعات کو یاد کرتے ہوئے جو وہاں پیش آئے تھے، میں نے اپنے اندر جذبات کا غیر متوقع ہیجان محسوس کیا۔ وہ خدایا، میں نے سوچا، میں خود کو روسی تاریخ کا حصہ کیوں محسوس کر رہا ہوں؟ انسانوں کے ساتھ جو کچھ پیش آتا ہے در اصل مشترک معاملہ ہے۔ محل سے پل پر کھڑے ہو کر میں نے برف جیسے نیلگوں دریا سے پرے نگاہ ڈالی، فاصلے پر سبزی مائل آسمان پر ہوا میں اڑتے ہوئے سفید بادلوں کے نیچے پیٹر اعظم کے بنوائے ہوئے کیتھیڈرل کے سنہری مینار دکھائی دے رہے تھے۔ یہ سوویت یونین ہے، مگر یہ ابھی تک روس بھی ہے۔

اگلے دن میں سب سے خراب وقت میں بیدار ہوا۔ سڑک پر دو شخصوں نے مجھ سے انگریزی میں مخاطب ہونے کی کوشش کی؛ میرا خیال ہے وہ میرے ہونٹ کے جوتے دیکھ کر میری طرف متوجہ ہوئے ہوں گے۔ ان میں سے ایک، جس کی آنکھیں چندھی اور کپڑے بے ڈھنگے تھے، میرے ہاتھ چور بازار کے روبل بیچنا چاہتا تھا۔ نیٹ! میں نے جواب دیا، اپنے انگوٹھوں کے میٹ پر انگلی سے ٹھوکا دیا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ دوسرا شخص، جو لمبا سا، داڑھی والا، کوئی انیس برس کا نوجوان تھا، جس کی بائیں طرف کی قلم دوسری قلم سے بڑی تھی اور جس نے کمر کا بنا ہوا سویٹر اور پہن رکھا تھا، ہمارے ریکارڈ، جوتوں کے کپڑے اور امریکی سگریٹ خریدنے کی پیش کش کی۔ سوری، بیچنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ میں نے اس سے بھی جان چھڑائی، مگر سبز سویٹر دریا کے کنارے کنارے کوئی ایک کلومیٹر تک میرے پیچھے لگا رہا۔ میں بھاگ پڑا۔ پھر جب میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ غائب ہو چکا تھا۔ اس رات مجھے خراب نیند آئی، آدھی رات تک تو بالکل کچی نیند رہی؛ صبح ٹور ایجنٹ نے سیلسکی جانے والی مختلف پروازوں کے بارے دریافت کیا۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک ہفتے تک ممکن نہیں ہو سکتی۔ میں نے خود کو تسلی دیتے ہوئے، پروگرام سے ایک دن پہلے ہی، موسکو جانے کا ارادہ کیا، بڑی حد تک یہ جاننے کے لیے کہ وہاں دستوفسکی میوزیم میں کیا کچھ رکھا ہے۔

میں بونٹ لیسکل کے بارے میں بہت سوچتا رہا تھا۔ وہ کتنا بڑا ادیب ہو سکتا ہے؟ میں نے اس کی ان شائع شدہ کہانیوں میں سے صرف چار پڑھی تھیں جنہیں وہ چھپوانا چاہتا تھا۔ بالفرض اس نے مجھے بہترین چار کہانیاں پڑھوا دی ہوں اور باقی کہانیاں بالکل معمولی، یا تقریباً معمولی، ہوں تو؟ کیا اس قسم کی کتاب کے لیے خطرہ مول لیا جا سکتا ہے؟ میں نے سوچا کہ اپنے ذہنی سکون کی خاطر بہتر ہوگا کہ اس شخص کو بھول جاؤں۔ ریستوران سے رخصت ہوتے ہوئے مجھے لیسکل کا ایک ہاتھ کا لکھا خط ملا، جو موسکو سے موصول ہوا تھا، مگر ظاہر ہے میرے خط کے جواب میں نہ تھا بلکہ اس کے وصول ہونے سے پہلے لکھا گیا تھا۔ کیا مجھے اس سے شادی کر لینی چاہیے؟ کیا میں یہ حوصلہ کر سکتا ہوں؟ فون کی گھنٹی تیز آواز میں بجی، مگر جب میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے کوئی نہ بولا۔ جہاز میں موسکو آتے ہوئے مجھے ہوائی اڈے کا خیال آتا رہا: سوویت یونین میں ضرور بہت سے حادثے ہوتے ہوں گے جن کی خبر باہر کہیں نہیں چھپتی۔

یوکرین کی بارھویں منزل پر اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے سر سے ہیٹ اور اوور کوٹ اتارا اور آرام کرسی میں بیٹھ کر سکون کا سانس لیا۔ کمرے میں ایک بچھا سا سنگل بیڈ اور صوفہ اور لکڑی کی سادہ سی میز تھی جس پر سیاہ رنگ کا ٹیلی فون اور ... رکھا ہوا تھا۔ دو ہفتے بعد میں گھر واپس پہنچ جاؤں گا، میں نے سوچا۔ اب مجھے اٹھ کر شیو کرنا اور یہ دیکھنا چاہیے کہ آج رات کے لیے کسی کنسرٹ یا اوپرا کا ٹکٹ مل سکتا ہے یا نہیں۔ میں موسیقی کا شوقین تھا۔

غسل خانے میں لائٹ ... کا پلگ کام نہیں کر رہا تھا، اس لیے میں نے اپنا بجلی کا شیور ایک طرف رکھا اور ابھی برش سے چہرے پر جھاگ بنا رہا تھا کہ دروازے پر صرف ایک بار دستک سنائی دی۔ میں نے محتاط انداز میں دروازہ کھولا تو وہاں لیونتاسکی، ... ایک پیکٹ تھامے کھڑا تھا۔

کیا یہ کتے کا بچہ مجھے بلیک میل کرنے آیا ہے؟

"میرے پیچھے کے دو دوستوں نے ... تمہیں میرا پتہ کیسے معلوم ہوا، مسٹر لیونتاسکی؟"

"کیسے معلوم ہوا؟" اس نے کندھے اچکائے۔ وہ شکل سے ... کے قریب ... تھا، اس کا چہرہ لمبا اور اترا ہوا، کسی لومڑی کا سا دکھائی دیتا تھا جو ... میں مصروف ہو۔

"میرا سالا اس ٹیکسی کا ڈرائیور تھا جس نے آپ کو ایئرپورٹ سے یہاں پہنچایا۔ اس نے ... سے آپ کا نام سن لیا۔ اس سے میں آپ کا ذکر کر چکا ہوں۔ ... جو میری بیوی کا ساتھی ہے، مجھے اطلاع دے دی کہ آپ یوکرین میں ٹھہرے ہیں۔ میں نے نیچے آپ کے کمرے کا نمبر پوچھا تو مجھے بتا دیا گیا۔"

"جو بھی ہوا ہو،" میں نے مضبوط لہجے میں کہا، "میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنا ارادہ تبدیل نہیں کیا ہے۔ میں اس سے زیادہ اس معاملے میں نہیں پڑنا چاہتا۔ ... میں نے اس پر خوب اچھی طرح غور کر لیا ہے، اور یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔"

"میں اندر آ سکتا ہوں؟"

"ضرور، مگر میں ملاقات کو مختصر رکھنا چاہوں گا، وجہ ظاہر ہے۔"

لیونتاسکی کچھ سکڑ سا گیا، پھر گھٹنے آپس میں جوڑ کر آرام کرسی میں بیٹھ گیا اور پیکٹ بڑے محتاط انداز سے اپنی گود میں رکھ دیا۔ اگر وہ مجھے تلاش کر لینے پر خوش تھا تو اس خوشی نے اس کے تاثرات کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔

میں نے شیو پورا کیا، دھلی ہوئی سفید قمیص پہنی، اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی مشروب وغیرہ نہیں ہے، مگر میں نیچے فون کر کے منگوا سکتا ہوں۔"

لیونتاسکی نے انگلیوں کے اشارے سے انکار کیا۔ وہ اپنے ہونٹوں تک ... کیا اس

Scanned with CamScanner

کی۔ بڑی سی جو شاندار، خوبصورتی سے بنی ہے یا ان کے پاس تمام عمدہ سوٹ سرخ، سفید اور سیاہ ہیں؟

"صاف بات یہ ہے،" میں نے کہا، "کہ مجھے اس تناؤ پر حیرت ہوتی ہے جو تم نے مجھ میں اور میرے درمیان پیدا کر دیا ہے۔ کوئی ہوش مند شخص سوویت یونین کا دورہ کرنے والے کسی اجنبی سے یہ توقع نہیں رکھ سکتا کہ وہ یہاں کی سیاسی کو بدل دے گا۔ یہ تمہارا ملک ہے جو ادیب کی حیثیت سے تمہارے کام میں رکاوٹ ڈال رہا ہے، میں نہیں، اور یہ ریاست ... متحدہ ... ، اور چونکہ تم یہاں رہتے ہو اس لیے اس حکومت سے سمجھوتا کرنے کے سوا کیا کر سکتے ہو؟"

"مجھے اپنے ملک سے محبت ہے،" لیونا چارسکی بولا۔

"اس سے کسی کو انکار نہیں۔ اسی طرح مجھے بھی اپنے ملک سے محبت ہے، لیکن ... ہمیں حقیقت کا سامنا کرنا چاہیے۔ ملک کی محبت بڑی پیچیدہ چیز ہوتی ہے۔ قومیت ... نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے تم اس بات سے اتفاق کرو گے۔ لیکن میں یہ بھی کہہ رہا ہوں کہ اگر آدمی کو اپنے ملک کی بعض چیزیں ناپسند ہوں تب بھی اسے ان کے ساتھ گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم ... انقلاب کا مسودہ نہیں ... ہے ہو ... تو ... سے چھپے دیتے ... کسی ... تم چڑھ کر، یا پیچھے سے سرنگ لگا کر، یا کسی اور طرح پار نہیں کر سکتے تو کم از کم اس سے سر ٹکرانا بند کر دو، اور میرا مشورہ ہے کہ تو تمنائیں ہی چھوڑ دو۔ جو کچھ تم کر سکتے ہو وہ کرو۔ پریوں کی کہانیوں میں، مثال کے طور پر، کیا کچھ کہا جا سکتا ہے۔"

"میں پریوں کی کہانیاں لکھ چکا ہوں،" لیونا چارسکی گمبھیر لہجے میں بولا۔ "اب کسی ... کے سامنا کرنے کا وقت ہے۔ میں اس حد تک سمجھوتا کرنے کو تیار ہوں جہاں تک میرا تخیل، میری ... آزادی متاثر نہیں ہوتی۔ اس حد کے بعد مجھے سمجھوتا کرنا بند کر دینا چاہیے۔ میرے معاملے سے ... کہانیاں لکھو جو قابل قبول ہوں؛ تب دوسرے کہتے ہیں تو تم کیوں نہیں لکھ سکتے؟"

میں نے جواب دیا: "کہانیاں میرے لیے قابل قبول ہوتی ہی نہیں۔"

"ایسی صورت میں کیا تم ایک سے کسی کی صورت حال سے دو چار نہیں ہو؟ اگر تم مجھے اجازت دو تو میں ... کا ... صاف صاف کہتا ہوں میں ... یہودی، ... کی روٹی اور دعاؤں کی کتاب سے محروم، ... ہوتے ... کے بارے میں لکھتے ہوئے دراصل ... بات کہہ ... میرا مطلب ہے، آدمی کو اپنے معاشرے کی حقیقت کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"میں ... تسلیم کیا ہے؟ اپنے معاشرے کی حقیقت کو؟" ... نے ... سے پوچھا۔

"کسی ... تو نہیں ... میرا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ میں اپنی بات کا اظہار کر نہیں سکتا بلکہ یہ کہ میں ... نہیں۔ میرے ... میں ... ایک ... اور غیر اخلاقی غلطی ہے، لیکن میں نے ... حقیقت کسی ... کی مخالفت نہیں کی، ... اس کے ... پر دستخط کر دیے یا کسی

Scanned with CamScanner

ایسے کانگریس مین کو ووٹ دے دیا جو کہتا ہے کہ وہ اس جنگ کے خلاف ہے۔ میری پہلی بیوی مجھ پر تنقید کیا کرتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ میں غلط قسم کی چیزیں لکھتا ہوں اور کارآمد عمل کے سوا ہر طرح کے کام میں مشغول رہتا ہوں۔ میری دوسری بیوی بھی یہ بات جانتی تھی مگر مجھ پر ظاہر نہ کرتی تھی۔ وہ سمجھ جاتی۔ میں عجیب طریقے سے اس بات سے واقف ہو رہا ہوں کہ امریکی حکومت برسوں سے میری دم کو کھینچتی چلی آ رہی ہے۔'

اپنے من کی حرارت سے میں یہ دیکھ سکتا تھا کہ میرا چہرہ سرخ ہو رہا ہے۔

لیوتاسکی کے گلے کا کڑھا یوں اوپر کو چڑھ گیا جیسے حلقہ بانس پر چڑھتا ہے۔ پھر اس کی زبان سے کوئی لفظ نکلے بغیر نیچے آ گیا۔

اس نے دوبارہ کوشش کی، اور بولا: 'سوویت یونین نے تم سب کے لیے انقلاب کی فتوحات کی یادیں محفوظ رکھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں برسوں ریاست کے ساتھ سمجھوتہ کیے رہا۔ کمیونزم میرے لیے اب بھی فکر کا سرچشمہ ہے۔ مگر پچھلی تاریخی دور کو سیاست کا مطلق تصور رکھنے والے لیڈروں نے خراب کر دیا ہے۔ انھوں نے انقلاب پر پیشاب کیا ہے۔'

ستالن؟

ہاں، وہ خاص طور پر، مگر دوسرے لیڈر بھی۔ اس کے باوجود میں پارٹی کی ہدایت کی پابندی کرتا رہا، اور جب پابندی کرنا ممکن نہ رہا تو میں نے دراز میں رکھنے کے لیے لکھنا شروع کر دیا۔ میں نے خود سے کہا: لیوتاسکی، تاریخ مرحلے تبدیل ہو رہی ہے اور کمیونزم میں بھی تبدیلی آئے گی۔ میں اپنے آپ سے کہتا، اگر ریاست آرٹسٹوں کی دو یا تین نسلوں کی آزادی کو محدود کر دے تو یہ سوشلسٹ معاشرے کے قیام کے مقابلے میں اس کی کیا اہمیت ہے؟ وہ آخر دنیا کی تاریخ کا بہترین معاشرہ ہو گا۔ تو پھر اگر ہم میں سے کچھ لوگوں کو قربانی دینی پڑے تو اس سے کیا ہوا؟ کون پڑھتا ہے؟ بس کچھ بری کتابیں، بری تصویریں، بری موسیقی کم ہو جائے گی۔ پھر پچاس برس میں ریاست مضبوط ہو جائے گی اور سوویت آرٹسٹ جو چاہیں گے کہہ سکیں گے۔ میں یہی باتیں سوچتا تھا، یا سوچنے کی کوشش کرتا تھا، لیکن اب ایسا نہیں سوچتا۔ میں پارٹی کے فلسفے پر یقین نہیں رکھتا، جو خیالات کی رسمی کا فلسفہ ہے، یہ اصطلاح میرے نزدیک غلط ہے۔ میں اب بالشویک ہونے پر بھی یقین نہیں رکھتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ انقلاب کسی ایسے ملک میں کامیاب ہو سکتا ہے جہاں ناول نگاروں، شاعروں اور ڈراما نگاروں کو اپنی تحریروں کی اشاعت کی اجازت نہ ہو، وہ اپنی درازوں میں اپنی پوری پوری لائبریریاں چھپائے بیٹھے رہتے ہوں جو کبھی چھپ نہ سکیں، اور اگر چھپیں بھی تو اس وقت جب وہ اپنی قبروں میں خاک ہو چکے ہوں۔ اب میں سوچتا ہوں کہ ریاست کبھی خود کو محفوظ تصور نہیں کر سکتی، کبھی نہیں! یہ سیاست کی، خدا، انسانی صورت حال کی فطرت ہی میں نہیں ہے کہ انقلاب پورا ہو جائے۔ یوجینی زمیاتین بتاتا ہے: آخری انقلاب کوئی نہیں ہو سکتا، انقلاب ہمیشہ جاری رہتا ہے!

میں سمجھتا ہوں کہ میرے خیالات بھی کم و بیش یہی ہیں۔ میں نے، اپنی ذاتی سلامتی کے لیے

[illegible] اعتراف [illegible] کی [illegible] سے کہا، وہ اعتراف [illegible] کی [illegible]
[illegible] کہیں مجھے [illegible] کی [illegible] کا [illegible] کا
[illegible]

[illegible] کہہ رہا تھا، کہ [illegible] ریاست کا دشمن ہے۔
[illegible] میں [illegible] پر سمجھا ہوں۔ میں آپ کی
[illegible] سب کی [illegible] وشت
[illegible] ملک کی [illegible] سے [illegible] کا استعمال کئے۔ میں
[illegible] مقصد یہ ہے کہ [illegible] ملک کی حقیقی روح
[illegible] سے [illegible] ہی، یہی
[illegible] تو آپ کو آزادی حاصل کرنے میں ایک فنکار کی
مدد کرنی چاہیے۔ ٹھیک بات ہے یا نہیں؟

[illegible] کی کوشش میں [illegible] کی [illegible]
[illegible] کی کوشش کی۔

[illegible] تو مجھے بتا آپ کا کام ہے۔

مجھے [illegible] تب ہی؟

آپ میری طرف [illegible] تو پھینک سکتے ہیں۔

دیکھو، میں یہاں سیاح کے طور پر آیا ہوں۔ جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا ہے، ممکن ہے مجھے مشتبہ
[illegible] کی کوشش کر رہے ہو، مجھے کیا
[illegible] سکی، مجھے [illegible]
[illegible] کا اعتراف کرنے [illegible] جانے کی
[illegible]

[illegible]

[illegible] کر رہا ہو۔

[illegible] خیالوں میں گم، بے حرکت بیٹھا رہا، پھر [illegible] ہوئے
[illegible]

[illegible] آپ کی بات [illegible] ہوں کہ آپ میری
[illegible] آپ پر تنقید نہیں کرنا چاہتا۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں، کو سپیدین
[illegible] سے آدمی کا کردار نہیں بدل جاتا۔
[illegible] کے پیچھے [illegible] اس نے

بُو بھی چھوڑ دی تھی۔

واپس آ جاؤ! میں نے پکارا، مگر زیادہ اونچی آواز میں نہیں؛ کہ اسے دروازے کے دوسری طرف میری آواز سنائی بھی دی تو اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔ چلو جان چھوٹی، میں نے سوچا۔ یہ بات نہیں کہ مجھے اس سے ہمدردی نہیں تھی، لیکن ذرا سوچیے کہ اس نے خود میری ہمدردانہ آزادی کا کیا حشر کیا تھا۔ ہزاروں میل دور روس پہنچ کر کون ایسی مصیبت میں پھنسنا چاہے گا؟ یہ تو چھٹیاں گزارنے کا سراسر خطرناک طریقہ ہوا۔

وہ تب تو چلا گیا تھا مگر اس کا خفیہ مسودہ وہیں، میرے بستر پر، پڑا رہ گیا تھا۔

یہ اس کا مال ہے، میرا نہیں۔ میں نے طیش میں آ کر ٹائی باندھی اور کوٹ پہنا، پھر انگریزی والے لون نمبر کے توسط سے ٹیکسی منگوائی۔ مگر میں اس کا پتا بھول گیا تھا۔ آدھ گھنٹے تک میں ٹیکسی میں بیٹھا ہوا اضطراب کے عالم میں نوو اوستاپوفسکایا اسٹریٹ پر آگے پیچھے چکر لگاتا رہا۔ پھر مجھے ایک اپارٹمنٹ ہاؤس نظر آیا جس پر مجھے گمان ہوا کہ شاید یہی ہوگا۔ مگر وہ تو نہیں، اس سے متصل تھا۔ میں نے ڈرائیور کو پیسے دیے اور پیدل چلنے لگا یہاں تک کہ ایک بار پھر مجھے گمان ہوا کہ میں درست عمارت تک پہنچ گیا ہوں۔ سیڑھیاں چڑھنے پر مجھے یقین ہو گیا کہ یہی وہ جگہ ہے۔ جب میں نے لیوبتاسکی کے دروازے پر دستک دی تو وہ تب، جو زیادہ عمر کا معلوم ہو رہا تھا اور بہت دور لگتا تھا۔۔۔ جیسے ابھی ابھی کسی لمبے سفر سے لوٹا ہو، یا جیسے اپنے کام میں مصروف تھا اور وہاں سے اٹھ کر آیا ہو۔۔۔ خالی نظروں سے مجھے تکنے لگا۔ سراسر خالی نظروں سے۔

لیوبتاسکی، میرا دل تمہارے لیے خون ہوا جا رہا ہے، میں ہر قسم کی قدر کرتا ہوں، مگر یقین کرو میں یہ ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔ مجھے تم پر پورا یقین ہے تم اپنی زندگی کے اس حصے پر، خاص طور پر اپنی موجودہ حالت اور حالیہ تجربات کے پیشِ نظر، کسی خطرناک پیچیدگی میں داخل ہونے کو تیار نہیں ہوں۔ میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔"

میں نے مسودہ زبردستی اس کے ہاتھ میں تھمایا اور لپک کر سیڑھیاں اترنے لگا۔ عمارت سے تیزی سے باہر نکلتے ہوئے میں آئرینا لیوبتاسکی سے مڈبھیڑ ہوتے ہوتے پر دہشت زدہ ہو گیا۔ میرے پوری قوت سے اس سے ٹکرانے اور اس کے فٹ پاتھ پر بری طرح لڑکھڑا جانے سے ایک لمحہ پہلے مجھے پہچان گئی۔ اس کی آنکھیں خوف سے چمک اٹھی تھیں۔

اف میرے خدا! یہ میں نے کیا کر دیا؟ میں معافی چاہتا ہوں! میں نے چوٹ لگنے سے گھبرائی ہوئی عورت کی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں مدد کی، اس کے اسکرٹ پر لگی ہوئی مٹی جھاڑی اور اس کے گلابی بلاؤز پر بھی بے سود ہاتھ پھیرا جو اس کے حرکت زدہ بازو اور کندھے پر سے پھٹ گیا تھا۔ جب مجھے جنسی قسم کی سنسنی محسوس ہونے لگی تو میرا ہاتھ جہاں کا تہاں رک گیا۔

آئرینا لیوبتاسکی نے خون بہتے ہوئے گھٹنے پر رومال رکھ دیا اور مسکرا دی۔ تم ایک سچ مچ کے

بیٹھے مہمان [illegible] کی نکتہ چینی [illegible] کا جواب [illegible] نہیں دیکھے گئے۔ [illegible] ان سے کچھ کہا تو وہ وہاں سے چلے گئے

[illegible] آپ سے [illegible] کی طرف [illegible] آپ [illegible] سے۔ وہ بولی۔ [illegible] آپ [illegible] میں [illegible] کرتی ہوں۔ لیکن میں آپ سے مسودہ ساتھ لے جانے [illegible] نہیں کہوں گی۔ یہ فیصلہ کرنا آپ کی ہی ذمہ داری ہے۔

[illegible] نہیں [illegible] ساتھ [illegible]۔

[illegible] آپ سے [illegible] ہو گیا۔ مشکل سے [illegible] سے علیحدہ ہو جاؤں۔ وہ [illegible] شادی تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ [illegible] اور کچھ کہتا ہی نہیں۔ میرے [illegible] میں [illegible] نقصان [illegible] چھوڑے دیتا ہے۔ [illegible] کے علاوہ [illegible] ہوں۔ [illegible] کام بھی نہیں [illegible] یقیناً [illegible] کی [illegible] اور طبیعی ہے۔ [illegible] کہتا ہے کہ وہ [illegible] مسودے [illegible] گا۔

[illegible] سے [illegible] کیا [illegible] سے [illegible] ہیں!

[illegible] وہ بولی۔ [illegible] اگر [illegible] جیل میں ڈال دیا گیا تو [illegible] گا۔ [illegible] یاروں [illegible] رکھے گا۔ [illegible] وقت بھی [illegible] ہو گا۔ وہ [illegible] نہیں [illegible] سکتی، مگر اب وقت [illegible] میں فیصلہ [illegible] ہوں یا نہیں

[illegible] ساتھ۔ وہ [illegible] اور [illegible] بیٹھا ہو [illegible]۔ وہاں [illegible] کی [illegible] میں [illegible] ہوا [illegible]

[illegible] کو [illegible] تاریخ کو [illegible] ہیں [illegible] ہوں تو مجھے اس حقیقت کو دریافت [illegible] کہاں ختم ہوتی ہے اور [illegible] کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ بہت [illegible] خوف [illegible] انسان بھی خوف [illegible] چھت [illegible] دنیا میں [illegible] ایک [illegible] وقت آتا ہے جب کہیں [illegible] ہے۔

دوسری طرف، [illegible] مقصد کے حصول کی خاطر حوصلہ مند ہے۔۔ ایسی صورت میں کیا آپ اس کے حوصلے کو زیادہ قابل توجہ سمجھیں گے اور [illegible] کو نظر انداز کر دیں

Scanned with CamScanner

گے؟ اس مسئلے کو اپنے ذہن میں سلجھانے کی مسلسل کوشش کرتے ہوئے آخر میں کس طرح یہ فیصلہ کروں کہ لیو تالستائی کا مسودہ مکمل کرنا واقعی اس قابل ہے کہ اس کے لیے خود کو خطرے میں ڈال دیا جائے، جب کہ مجھے اس تمام کارروائی کی اہمیت کے بارے میں بھی شبہات ہیں؟ یہ مانتے ہوئے، جیسا کہ میں اب مانتا ہوں، کہ وہ شخص مرنے کے لائق ہے، وہ اس کی بیوی کی نظر سے زیادہ کچھ اور بھی ہے، تاہم مجھ جیسے شخص کو یہ خطرہ مول لینے پر کیا حاصل ہو سکتا ہے؟

اگرچہ میں سوویت ریاست پر اپنا پورا زور لگا کر اپنے لیے مزید ایک نئی قیمت پر آزادی حاصل کرنے کے قابل ہوں تو میں ان کی جنگ لڑنے والا کون ہوتا ہوں؟ اپنی موجودہ حالت میں تنقید کا حق؟ بس، فرض کرو، اگر یہ مان لیا جائے کہ تمام انسان، بشمول کمیونسٹ، آزاد اور برابر پیدا کیے گئے ہیں اور انصاف تمام انسانوں کے لیے ہے، تب بھی کوئی شخص آخر کتنی دور تک جا سکتا ہے؟ اگر آپ جینئس، دانشور اور دل والے چیزوں سے عاری ہوں، تب بھی آپ ان کے فن کی خاطر کتنی دور تک جا سکتے ہیں؟ گوگول، تالستائی اور دستوئیفسکی کی تو بات ہی جانے دیجیے۔ کیا آدمی خود کو جان بوجھ کر مصیبت میں پھنسا سکتا ہے؟ یہ بیچ وسو سٹریٹ اسمگلنگ سروس؟ کیا فنکارانہ سماجی آزادی کے لیے میری شاندار خدمات کے صلے میں صدر اور سٹیٹ ڈپارٹمنٹ مجھے خراج تحسین پیش کریں گے؟ اور فرض کیجیے آخر میں یہ تمام معاملہ ہی سازش پسپائی ثابت ہو تو؟ اگر میں لیو تالستائی کا مسودہ مکمل کر کے لے گیا اور وہ کہانیوں کا عام سا مجموعہ ثابت ہوا تب کیا ہوگا؟

ایک سے زائد بار میں خود سے اس دلیل بازی میں الجھا، لیکن ہر بار اس کا نتیجہ یہی نکلا کہ میں کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکا۔

معاملے کا لب لباب، میں تو کہتا ہوں، یہ ہے کہ وہ مجھ سے مدد اس لیے چاہتا ہے کہ میں امریکی ہوں۔ کیا حوصلہ ہے صاحب!

دوران سفر -- عجیب بات ہے کہ چار حوریں کو پار حوالاتی نہیں مسافی جاری تھی، جب کہ میں آتش بازی کی آوازیں سننے کی توقع میں تھا -- ماسکو میں موسم گرما کی نیم خوش گوار شام کو، ایک عیاشی سے بوجھل اور بے چین کر دینے والے دو دن گزارنے کے بعد، حالانکہ میں میوزیم کے بارے میں خوش ہونا تھا، میں خود کو تسکین دینے کی غرض سے بولشوئی تھیٹر میں توسکا دیکھنے چلا گیا۔ اسے ایک شاندار جینے والی عورت اور ایک خوش وضع مرد روسی میں گا رہے تھے لیکن اصل اطلاقی پلاٹ جس کا تعلق رکھتا تھا وہ اس کے آخر میں اسٹیج پر آنے، جس نے بندوق کی نقلی گولیوں کی مدد سے موت کا وعدہ کیا تھا۔ کیت کا گرم سیٹی کی ایک پوری باڑھ ماری؛ ایک اداکار زمین پر گر پڑا اور فلوریا توسکا کو اس کے لیے ... معلوم ہوا کہ منت وہ کچھ نہیں تھی جو وہ سمجھتی تھی۔

میرے برابر میں ایک اداس سے بھرے بیٹھنے والی عورت بیٹھی تھی، اس حسین روسی عورت کی عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہوگی اور وہ سفید جالی کا لباس پہنے تھی جو بقول اس کے بدن پر چست تھا۔ ساری

Scanned with CamScanner

بال اس کے شانوں پر کسی بڑے سے پروانے کی صورت بیٹھے تھے۔ لیکن یہی تک سکتی تھی، مگر روز نہیں۔ یہ عورت۔۔ وہ تنہا تھی جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا۔۔ بے وجہ گھبری ہوتی تھی کو دراجنبی سے ہیں۔

پہلے وقفے کے دوران اس نے دوستانہ انداز میں، در فاصلہ قائم رکھتے ہوئے گردن جھکی کے ساتھ، پوچھا: کیا آپ امریکی ہیں؟ یا پھر سویڈش؟

سویڈش نہیں۔ امریکی ہی درست ہے۔ آپ تو پہلے ہی اندازہ لگا چکی ہو؟

اگر آپ برا نہ مانیں تو مجھے آپ ہیں، وہ دلکش ہنسی کے ساتھ بولی، ایک عورت کی خود شناسائی کا احساس ہوا۔

ایسا بالکل نہیں ہے،" میں نے کہا۔

جب اس نے پیانو پر کھولا تو بہار کی خوشبوؤں کا، تازہ پھولوں کی خوشبوؤں کا، ایک جھونکا سا آیا؛ اس کے بدن کی گرمی میرے نتھنوں تک پہنچی۔ مجھے جوانی کی آرزوؤں اور خوابوں کی یاد نے گھائل کر دیا۔

اگلے وقفے میں اس نے میرے بازو کو چھوتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا: کیا میں ایک درخواست کر سکتی ہوں؟ آپ سوویت یونین سے کب جا رہے ہیں؟

کل

میری خوش قسمتی ہے! کیا آپ کے لیے یہ کام زیادہ مشکل تو نہیں ہوگا کہ جہاں کہیں بھی آپ جا رہے ہیں وہاں سے میرا ایئر میل کا خط پوسٹ کر دیں؟ یہ میرے شوہر کے نام ہے جو آج کل پیرس میں ہیں۔ ہمارے ہاں کی ڈاک کو مغرب تک پہنچنے میں دو ہفتے لگ جاتے ہیں۔ میں ممنون ہوں گی۔

میں نے ہنستے ہوئے خط ڈالنے کی حامی بھر لی اور پتہ دیکھا جو انگریزی اور روسی رسم الخط میں لکھا ہوا تھا، ورنہ کی بات تھی۔ لیکن اگلے ایکٹ کے دوران میرے بدن پر پسینہ رینگنے لگا اور پردہ گرنے کے ختم ہونے پر، یعنی تو شاید کی خودکشی کے وقت کی چیخ کے بعد، میں نے وہ خط اس خاتون کو واپس تھما دیا اور وہ میری معذرت پر ششدر سی زیادہ حیران نہ ہوئی۔ میں نے سرد سی جھنجھلاہٹ سے اسے الوداع کہا اور تھیٹر سے باہر نکل آیا۔ مجھے مسلسل احساس ہو رہا تھا کہ میں پہلے بھی کہیں کس چکا ہوں۔ پھر میں سیدھا اپنے ہوٹل واپس پہنچا اور خود سے عہد کیا کہ صرف ناشتہ کرنے کی غرض سے کمرے سے باہر نکلوں گا، اور پھر صبح پہلے آسمان میں پرواز کر جانے کے لیے۔

بعد میں میں ایک کتاب اور ویٹر سے منگوائی ہوئی ٹھنڈی بیئر کی بوتل پر اونگھتا ہوا سو گیا، خود کو اس خیال سے بہلاتے ہوئے کہ میں بالکل پرسکون ہوں جب کہ دراصل میں ہمیشہ کی طرح اپنی روانگی اور واپسی کی پرواز کے خیالوں سے پریشان تھا، اور جب میں، اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کے مطابق تین بجے کے بعد، بیدار ہوا تو مجھے لگا کہ ڈراؤنے خوابوں کی ایک اور قطار سے شناسائی پیدا کر چکا ہوں۔ ایک نے تو مجھے اس

اضطراب سے آیا کہ کسی نے میرے کپڑوں میں کوئی خطرہ رکھ دیا ہے، اور میں نے اپنے دونوں سوٹوں کی جیبیں اچھی طرح جھاڑیں۔ نہ سٹ! تب مجھے یاد آیا کہ اپنے ایک خواب میں میں ایک میز پر بیٹھا ہوں جس کی دراز آہستہ آہستہ کھلتی ہے اور فیلیکس سیورنا سکی، ایک بونا جو دراز میں چند دوست چوہوں کے ساتھ رہتا ہے، کنگھے کی سیڑھی بنا کر لکڑی کی دیوار پر چڑھتا ہے اور کود کر میز کی سطح پر آپہنچتا ہے۔ وہ پہاڑی پشت جیسا گھونسا لہرا کر میرا منہ چڑاتا ہے اور بلند آہنگ مگر (میرے لیے) ناقابل فہم روسی زبان میں چلاتا ہے

ادشم بوہنک! تم نے معصوم جاپانیوں کا قتل عام کیا امیریکانسکی باسٹرڈ!

یہ زیادتی ہے! میں چیخ کر کہتا ہوں۔ اس وقت تو میں کالج کا لڑکا تھا

ایک غم ناک خواب، میں نے سوچا۔

بعد میں مجھے خیال آیا: فرض کیجیے جو کچھ لیورت لسکی کے ساتھ پیش آیا ہے وہ میرے ساتھ پیش آ جائے۔ فرض کیجیے امریکا کسی نیم متذبذب حملہ انداز میں چین کے ساتھ جنگ میں ملوث ہو گئے۔ اور اس کا فوری تصفیہ کرنے کی غرض سے — میرے لاکھ چیخ چیخ کر اور بازو لہرا لہرا کر احتجاج کرنے اور گالیاں دینے کے باوجود — چند درجن ہائیڈروجن بم چینیوں کے سنبھلنے سے پہلے ان پر گرا دے اور کوئی بیس کروڑ مشرقی باشندوں کو اُبال کر ان کا گاڑھا سا سوپ تیار کر ڈالے: خون، پسی ہڈیاں، سلوں کا گودا اور لاتعداد تیرتے ہوئے چینی آنکھوں کے ڈھیلے۔ ہم جنگ جیت جاتے ہیں کیونکہ روسی ٹھیک سے فیصلہ نہیں کر پاتے کہ اپنے میزائلوں کا رخ پہلے کس فریق کی طرف کریں۔ اور فرض کیجیے اس ہولناک قتل عام کے بعد تقریباً ایک کروڑ امریکی، خود بیزاری کے شدید احساس کے زیر اثر، ملک سے فرار ہونے کے لیے سرحدوں کا رخ کرتے ہیں۔ ملکی دولت کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے ٹینکوں میں بیٹھے فوجی انہیں سرحدوں سے واپس لوٹا دیتے ہیں۔ بارووٹز اپنے کمرے میں جا چھپتا ہے اور پردے کھینچ کر، سخت احتیاط کی بجائے ہیں، ایک طویل رزمیہ نظم لکھنے بیٹھ جاتا ہے جس میں امریکی قصابیت کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ اب کس پشیمانی یا ضمیر پشیمانی قوم کی باری ہے؟ ریاست ہائے متحدہ میں کوئی شخص اس نظم کو چھاپنے پر تیار نہیں ہوتا کیونکہ اس سے فساد پھیل سکتا ہے اور کینیڈا اور میکسیکو کی جانب تارکین وطن کا دوبارہ ریلا شروع ہو سکتا ہے۔ تب ایک دن دروازے پر دستک ہوتی ہے اور باہر ایف بی آئی کے کارندے نہیں بلکہ داڑھی والا لیورت لسکی کھڑا ہے، جو پچھلے دنوں کا ایک سوویت سیاح ہے، اور دوستی کا نہیں بلکہ جدید دور کا کمیونسٹ۔ وہ نہایت مہربانی سے نظم کا مسودہ چھپا کر اپنے ساتھ لے جانے اور سوویت یونین میں اسے شائع کرانے کی پیش کش کرتا ہے۔

کیوں؟ بارووٹز تشکیک بھرے لہجے میں سوال کرتا ہے۔

کیوں نہیں؟ تاکہ کتاب اپنی آزادی حاصل کر سکے۔

میں رات کی بے چین نیند سے جاگا۔ ان ٹورسٹ والوں نے مجھے پرواز کے وقت سے دو گھنٹے پہلے، یعنی گیارہ بجے، اپنے سامان کے ساتھ لابی میں آنے کی ہدایت کی تھی۔ چھ بجے تک میں شیو کر کے

Scanned with CamScanner

کپڑے بدل چکا تھا اور صاف ستھرے بارھویں منزل کے ہوٹل میں۔ مجھے سخت بھوک لگی تھی۔ وہیں ریستوران میں انڈوں کا ناشتہ کر چکا تھا۔ پھر میں ٹیکسی کی تلاش میں نکلا۔ اس وقت ٹیکسی ذرا مشکل سے ملتی تھی، لیکن میں نے ہوٹل سے کچھ دور، امریکی سفارت خانے کے قریب، ایک ٹیکسی تلاش کر لی۔ حسب معمول ڈرائیور کو جرمن اور فرانسیسی زبانوں کے آمیزے کو اظہار مدعا کے لیے استعمال کرتے ہوئے میں نے، پیسے دلیلوں سے، پھر دو روبل کی قابلِ قبول رشوت دے کر، ٹیکسی والے کو قائل کر لیا کہ وہ مجھے لیوتاسکی کے گھر تک لے چلے اور پچیس منٹ میرا انتظار کرے۔ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر میں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور جب وہ شب خوابی کے مختصر لباس اور سستی چہرے کے ساتھ نمودار ہوا تو اسے سوتے سے جگا دینے پر اس سے معذرت کی۔ ذرا سختی یاد دلانے کی مضبوطی کے لہجے میں میں نے استفسار کیا کہ کیا وہ اب بھی یہی کہتا ہے کہ مسودہ باہر بھجوانا چاہتا ہے۔ اتنی زحمت اٹھانے کے بعد مجھے جواب یہ ملا کہ دروازہ میرے منہ پر دھڑ سے بند کر دیا گیا۔

آدھ گھنٹے بعد میں اپنا سامان باندھ چکا تھا اور سوٹ کیس کو تالا لگا رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ بلکہ اسے آپ پر دستک کہہ سکتے ہیں۔ کوئی سوٹ کیس اٹھانے آیا ہوگا، میں نے سوچا۔ دروازے پر موٹی سی ٹوپی اور لمبا کوٹ پہنے پستہ قد آدمی کو کھڑا دیکھ کر میں ایک لمحے کو خوف زدہ ہوا۔ اس نے آنکھ ماری، اور دیکھتے ہوئے کچھ میں نے اس اشارے کا آنکھ مار کر جواب دیا۔ میں نے لیوتاسکی کے ساتھ دیمتری کو پہچان لیا تھا۔ وہ اندر چلا آیا، اپنے کوٹ کے بٹن کھولے اور کاغذ میں لپٹا ہوا مسودہ باہر نکالا۔ اس سے پہلے کہ میں اسے بتا سکوں کہ اب مجھے اس سے دلچسپی نہیں رہی، اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مسودہ مجھے تھما دیا۔

لیوتاسکی کا ارادہ بدل گیا؟

وہ نہیں بدلا۔ صرف تقدیر کو لیفسکی آپ کی تحویل میں دے گا۔

مجھے افسوس ہے مجھے خود خیال کرنا چاہیے تھا۔

لیوتاسکی کہتا ہے آپ سے خدمت لیجیے۔ برادر سیمی نے سرگوشی کی۔ جب کتاب چھپ جائے تو اسے دس کوپیشاں کی ایک کاپی بھجوا دیجیے۔ وہ سمجھ جائے گا۔

میں ہچکچاتے ہوئے آمادہ ہو گیا

دیمتری کی عمر سے تیس، چھوٹے قد اور دائیں بھوری آنکھوں والا آدمی تھا، اس نے دوبارہ آنکھ ماری، چپکی ہوئی مسکراہٹ سے ساتھ بڑھے، ہاتھ ملایا اور کمرے سے نکل گیا۔

میں نے اپنا سوٹ کیس کا قفل کھولا اور مسودے کو اپنی قمیصوں کے اوپر رکھ لیا۔ پھر میں نے سوٹ کیس کی ساری چیزیں باہر نکالیں اور دفتری مصروفیات کے بارے میں اپنے نوٹس اور لینن کے خطوط کی نقلیں کھول کر مسودے کو ان کاغذوں کے درمیان رکھا۔ میں نے یہ بھی فیصلہ کر لیا کہ اگر میں امریکا تک سے ٹوئسٹ کی مطالعہ میں ان سے شادی کی درخواست کروں گا۔ اس وقت میں کرنے سے کتابوں کی

گھنٹی بج رہی تھی۔

ایرپورٹ کے راستے میں، ٹیکسی میں تنہا بیٹھے — اس ٹورسٹ کی کوئی لڑکی میرے ساتھ نہ تھی — مجھے کچھ کچھ دیر بعد سستی سی محسوس ہوتی رہی۔ اگر اس کا باعث سانچ اور ووڈکی نہیں تھا تو یہ محض ہم جنس کے خوف کی وجہ سے ہوگی۔ بہرحال، اگر لینن گراد میں اپنی کہانیوں کو باہر بھجوانے کی جرأت ہے تو مجھے کم سے کم اس کا ساتھ تو دینا ہی چاہیے۔ اگر آدمی سوچے تو اپنی زندگی کے دوران میں یہ کم سے کم خدمت ہے جو انسانی آزادی کے لیے کی جا سکتی ہے۔ ایرپورٹ پر اگر مجھے ووڈکا یا اس کا روسی متبادل مل جائے تو یقیناً میری طبیعت بہتر ہو جائے گی۔

ڈرائیور، جو کسی سالار کے سے سرد و سخت مزاج آدمی معلوم ہوتا تھا، بڑے اطمینان سے سگریٹ پیتے ہوئے گاڑی کے آئینے میں میرا جائزہ لے رہا تھا۔

"اچھا دن ہے،" میں نے فرانسیسی میں کہا۔

اس نے انگلی اوپر اٹھا کر ایرپورٹ جانے والی سڑک کے کنارے لگے ہوئے ایک انگریزی بورڈ کی طرف اشارہ کیا:

"عالمی امن زندہ باد!"

امن اور آزادی۔ میں کسی شخص (مادر ڈ سورووٹر نہیں) سے کہ اس سوویت بورڈ کے اوپر سرخ رنگ سے یہ عبارت لکھنے کے خیال پر مسکرا دیا۔

ہم آگے بڑھتے گئے، اور میں سوویت یونین سے اپنی رخصتی کے خیال میں گم رہا۔ میں نے محتاط اندازمیں وقتے وقتے سے خاصی معلومات جمع کر لی تھیں اور لینن گراد میں اس ٹورسٹ کی ایک لڑکی نے مجھے بتایا تھا کہ سب سے پہلے مجھے پاسپورٹ کنٹرول ڈیسک پر اپنے کاغذات دکھانے ہوں گے۔ باقی ماندہ روبل جمع کرانے ہوں گے — انہیں ساتھ لے جانا سنگین جرم ہے — اور اس کے بعد اپنا سامان جہاز میں سوار کرا دینا ہوگا؛ تلاشی نہیں ہوتی، اس نے قسم کھا کر کہا تھا۔ اور بس، قصہ ختم۔ سوائے اس کے کہ پاسپورٹ ڈیسک پر بیٹھے ہوئے افسر کو میرا نام اپنے پاس موجود کسی فہرست میں دکھائی دے جائے اور وہ کہے کہ مجھے کسٹمز آفس میں جا کر اپنا ایک پیکٹ وصول کرنا ہے۔ ایسی صورت میں — اگر مجھ سے کہا گیا تو میں کسی کو یاد نہیں دلاؤں گا — میں جا کر اپنی ضبط شدہ کتابیں وصول کر لوں گا۔ میں نے منصوبہ بنایا ہے: میں پیکٹ کو کھولوں گا نہیں۔ بس اس کے لفافے کو (اگر کتابیں لفافے میں بیٹھی ہوئی ہوں) ذرا سا پھاڑ کر یہ تصدیق کروں گا کہ یہ وہی کتابیں ہیں جنہیں پانے کی مجھے توقع تھی، اور پھر پیکٹ کو بغل میں دبا کر آگے چل دوں گا۔ اگر مجھ سے کسی تحریر کی وصولی کی دستاویز کی پانچ کاپیوں پر دستخط کرنے کو کہا گیا تو میں اس کے آخر میں لکھ دوں گا، "واضح رہے کہ میں روسی زبان ہونے یا پڑھنے سے قاصر ہوں،" اور یہ لکھ کر اپنے دستخط کر دوں گا۔

میں نے سامان کو جہاز میں سوار ہونے والی ڈھلان کے بالکل پاس سے جی بی کا ایک کارندہ مستعفی

رہتا ہے۔ وہ آپ کا پاسپورٹ طلب کرتا ہے، سیاہ چشمے کے پیچھے سے آپ کو غور سے دیکھتا ہے اور تصویر اور شکل میں کوئی شبہ نہیں رہتا، تو آپ کا استعمال شدہ بورڈنگ کارڈ اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور آپ کو جہاز میں سوار ہونے کی اجازت دے دیتا ہے۔

اس کے دائیں دست کے [illegible] میں [illegible] بادلوں میں متعلق [illegible] آپ [illegible] چند جو ہوتے ہیں اور جہاز کو ہدف کی طرف کھینچا ہوا تار کھینچنے لگتے ہیں۔ اگر اس وقت میں غور سے دیکھوں تو شاید دور کہیں لے فیکس یوتا سکی چھت پر کھڑے [illegible] سفید اور [illegible] ہوئے ہاتھ سے ہاتھ باندھ کر الوداع کی دعا دے رہے ہوں۔ جہاز سیدھا ہو جاتا ہے، ہم بادلوں سے اوپر پہنچتے ہیں اور جہاز اپنی منزل کی طرف ہو جاتا ہے۔ اور اگلے پانچ چھ گھنٹے یہی صورت حال رہتی ہے۔ [illegible] کو ریڈیو پر واپس لوٹنے کی ہدایت موصول ہو جاتی ہے، یا چیکوسلواکیہ یا مشرقی جرمنی میں [illegible] جہاں بڑے بڑے ہیبت ناک دو مسلح [illegible] جہاز میں داخل ہو جاتے ہیں۔ [illegible] اور طاقت، [illegible] استعمال کرتے ہوئے ہمیں کسی [illegible] کے ہاتھوں گرفتاری کا [illegible] جہاں تک میرا تعلق ہے، میں جہاز ہی میں رہتا ہوں [illegible] بند ہو جاتا ہے اور [illegible] کے [illegible] ایئرپورٹ پر [illegible] کرتے ہیں۔

اس وقت جیسی ہو سکے [illegible] ایئرپورٹ میں داخل ہوئی، میں نے [illegible] انگلیوں میں اٹکاتے اور [illegible] کا [illegible] معمولی سے [illegible] ہوئے، [illegible] کسی قدر [illegible] ہونے کی خواہش کی جتنا لیوتا سکی [illegible] وقت درکار ہوگا جب [illegible] ہوگا کہ [illegible] کے اس [illegible] کا خالق ہے [illegible] اور [illegible] کرنے میں کامیاب رہا ہوں، [illegible] کے [illegible] کا آغاز ہوگا۔

[illegible] میں یوتا سکی کی [illegible] میں سے پہلی ایک بوڑھے پنشن یافتہ باپ کے بارے میں تھی۔ [illegible] کی صحت [illegible] تھی اور وہ [illegible] بیٹے کو [illegible] چاہتا تھا جس سے [illegible] کے شدید [illegible] اختلافات [illegible] اور [illegible] سے نہیں دیکھا تھا۔ [illegible] نے جا کر اس سے مختصر سی ملاقات کا [illegible] کیا۔ [illegible] کا بیٹا [illegible] کے فلیٹ سے ایک [illegible] فلیٹ میں [illegible] باپ کو پتہ چلتا تھا [illegible] منتقل ہو چکا تھا، [illegible] باپ [illegible] کے دفتر میں ملنے گیا۔ بیٹا ایک [illegible] عمارت میں [illegible] دفتر میں [illegible] کا [illegible] باپ [illegible] عمارت میں اس سے پہلے کبھی نہیں گیا تھا اگرچہ [illegible] کا محل وقوع جانتا تھا [illegible] ایک [illegible] گھیں [illegible] ہوئے [illegible] کے ایک پڑوسی نے [illegible] سے [illegible] عمارت دکھائی تھی۔

بوڑھا باپ بیٹے کے دفتر کی وسیع انتظار گاہ میں ایک کرسی پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ بیٹے کو چند منٹ کی فرصت ملے۔ [illegible] اس نے [illegible] میں بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا، میں تمہیں صرف اتنا بتانے آیا ہوں کہ اب میری صحت پہلے کی سی نہیں رہی۔ میرا سانس پھولنے لگا ہے اور سینے میں درد رہتا

ہے۔ در حقیقت میں مریض ہو گیا ہوں۔ آخر میں اور تم باپ بیٹے ہیں اور تمہیں میرا حال معلوم ہونا چاہیے، خاص طور پر اس لیے کہ میری صحت ٹھیک نہیں ہے اور تمہاری ماں مر چکی ہے۔

بیٹے کی اسسٹنٹ سیکرٹری نے، جو مختصر اور تنگ اسکرٹ میں ملبوس ایک ماڈرن لڑکی تھی، اطلاع دی کہ وہ ایک اہم اجتماعی کانفرنس میں مصروف ہے۔

ہاں، کانفرنس تو کانفرنس ہے، باپ نے کہا۔ وہ اس میں خلل ڈالنا نہیں چاہتا تھا اور انتظار کرنے پر آمادہ تھا، حالانکہ اس کا جی متلا رہا تھا اور درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

باپ کئی گھنٹے بڑے صبر کے ساتھ کرسی پر بیٹھا انتظار کرتا رہا، اور اگرچہ اس دوران اس نے کئی بار اٹھ کر اسسٹنٹ سیکرٹری سے بے تابانہ استفسار کیا لیکن دن پورا ہونے تک اسے بیٹے سے ملنے میں ناکام رہا۔ تب لڑکی نے اپنا گلابی ہیٹ سر پر رکھتے ہوئے اطلاع دی کہ اس کا بیٹا عمارت سے جا چکا ہے۔ وہ اپنے باپ سے ملنے کا موقع نہ نکال سکا کیونکہ اسے ایک اہم سرکاری معاملے پر مشورے کے لیے غیر متوقع طور پر طلب کر لیا گیا تھا

اب گھر چلے جاؤ، وہ تم سے فون پر بات کر لے گا۔

میرے پاس فون نہیں ہے، بوڑھے نے بے صبری سے کہا۔ اور وہ جانتا ہے۔

اسسٹنٹ سیکرٹری نے، اندر کے کمرے میں بیٹھنے والی قدرے عمر رسیدہ پرائیویٹ سیکرٹری نے، اور پھر عمارت کے نگراں نے باری باری بوڑھے باپ کو گھر لوٹ جانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، مگر وہ راضی نہ ہوا۔

پرائیویٹ سیکرٹری نے کہا کہ اس کا شوہر انتظار کر رہا ہوگا اور وہ مزید نہیں رک سکتی۔ کچھ دیر بعد اسسٹنٹ سیکرٹری بھی اپنے گلابی ہیٹ کے ساتھ رخصت ہو گئی۔ بھیگی آنکھوں اور کھردری مونچھوں والے نگراں نے بوڑھے کو سمجھایا اور گھر واپس بھیجنے کی کوشش کی۔ کیا یہ بے وقوفی کی بات ہے کہ گھپ اندھیری عمارت میں رات بھر بیٹھ کر انتظار کیا جائے؟ ڈر کے مارے ہی تمہارا دم نکل جائے گا، اور دوسری تکلیفیں جو ہوں گی سو الگ۔

نہیں، نہیں، باپ بولا۔ میں انتظار کروں گا۔ صبح کو جب میرا بیٹا دفتر آئے گا تو میں اسے ایک ایسی بات بتاؤں گا جو اس کو اب تک معلوم نہیں ہے۔ میں اسے بتاؤں گا کہ جو کچھ وہ میرے ساتھ کر رہا ہے، کل اس کے بیٹے اس کے ساتھ کریں گے۔

نگراں بھی چلا گیا۔ بوڑھا باپ صبح اپنے بیٹے کے دفتر آنے کا انتظار کرنے کے لیے تنہا رہ گیا۔

میں پارٹی سے اس کی شکایت کروں گا، وہ بڑبڑایا۔

دوسری کہانی ایک اور بوڑھے شخص کے بارے میں تھی، اڑسٹھ برس کے ایک رنڈوے کے بارے میں، جسے بہار کے یہودی تہوار کے موقعے پر تبرک کی ماتزو روٹیاں حاصل ہونے کی امید تھی۔ پچھلے

Scanned with CamScanner

روٹی سے اس کا تعلق بس اتنا تھا کہ روٹیاں سرکاری بیکریوں میں تیار ہو کر سرکاری دکانوں میں فروخت کی جاتی تھیں۔ نجی بیکریاں نہیں تھیں۔ سرکاری بیکریوں کو انھیں تیار کرنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ افسروں کا کہنا تھا کہ مشینیں خراب ہو گئی ہیں۔ لیکن ان کی بات پر کسی کو یقین آتا تھا۔

ہوٹل کا شخص بھی — یہاں گیا تو اس نے کہا یہ وہ بوڑھا تھا، اس کی داڑھی کی بے ترتیبی سے اس کی بدحالی ظاہر ہوتی تھی۔ اس نے بوڑھے آدمی سے پوچھا کہ روٹیاں کہاں سے مل سکتی ہیں۔ اسے ڈر تھا کہ اس سال اسے روٹیاں نہیں مل سکیں گی۔

یہ ڈر تو مجھے بھی ہے، بوڑھے آدمی نے اعتراف کیا۔ اس نے بتایا کہ اسے معلوم ہوا ہے کہ تہوار کے شروع ہونے میں آنے والے دنوں سے کچھ پہلے آٹا ملے گا اور روٹیاں گھر پر تیار کریں۔ سرکاری دکانوں سے انھیں آٹا مہیا کر دیا جائے گا۔

اس نے بوڑھے سے پوچھا کہ کیا اس کے پاس ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جسے باقاعدہ گھر کہا جا سکے۔ اس کا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس میں ایک چولہے والا بجلی کا اسٹوو ہے۔ اس کی بیوی دو برس پہلے فوت ہو گئی تھی۔ اس کی وارث بس ایک بیٹی تھی جو اپنے شوہر کے ساتھ دوسرے شہر میں رہتی تھی۔ اس کے دوسرے رشتے دار وہاں تھے ۔۔۔ وہ بیوی کے مرنے کے بعد بھی رہ رہے تھے۔ وہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں رہتی تھیں؛ اور وہ خود، اگر کہیں سے آٹا حاصل بھی کر لے، نہیں جانتا کہ روٹیاں کیسے پکائی جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟

اس نے وعدہ کیا کہ وہ بوڑھے کی خاطر کہیں سے ایک آدھ کلو روٹیاں حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ بوڑھے نے خوش ہو کر اسے دعا دی۔

وہ بہت دن تک تلاش کرتا رہا، مگر کہیں سے روٹیوں کا نام تک نہ ملا۔ ممکن ہے وہ بھول گیا ہو۔ یہ کوئی ایسی ایک فکر تو نہیں تھی، اور بوڑھا اسے بار بار یاد آ کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تہوار کے ایام سے ہفتہ بھر پہلے وہ تیز تیز قدموں سے اس کے فلیٹ پر پہنچا اور اس سے بات کی۔

معاف کیجیے، آپ نے مجھ سے ایک آدھ کلو روٹیوں کا وعدہ کیا تھا۔ کیا ہوا اس کا؟

جانتا ہوں میں نے وعدہ کیا تھا، مگر یہ یاد نہیں کہ کس سے کیا تھا۔ وعدہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اس سے پہلے مجھے ضرور کہا گیا ہے کہ روٹیاں تیار کرنے والے مسائل میں گرفتار ہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ بات کسی صورت میں بھی پیش نہیں آ سکتی کہ روٹیوں کی قلت ہو۔ یہ ایک نیا جرم ایجاد کیا گیا ہے۔ روٹیاں۔ میں بوڑھا آدمی، مجھے کوئی نہیں بتاتا، میں سخت دل ہوں۔ شکر ہے وہاں بوڑھا آدمی بھی نہیں سکتا۔ میں تمھیں چھوٹا سا پیکٹ سا کر دے دیتا ہوں، مگر دیکھو، کسی سے

Scanned with CamScanner

دکھ... یہ بتانا کہ کہاں سے ملی ہیں۔"

خدا آپ پر ہمیشہ اپنی رحمت کا سایہ رکھے، ربی۔ یہ بات جیل خانے میں مرے لی، تو میں معاف... تھی۔

ربی نے جا کر اپنی الماری میں سے ماتزو روٹیوں کا بنڈل نکالا، کرودار ڈوری سے بندھا پیکٹ نکال لایا۔ جب بوڑھے نے دبی زبان سے اس کی قیمت کا سوال... شاید تو ربی نے تبرک کی قیمت دینے پر راضی ہو... دینے والا خدا ہے، وہ بولا۔ اگرچہ بعض وقت بڑی مشکل سے دیتا ہے۔ اس نے بتایا کہ لوگوں کو ابھی ضرورت کے مطابق ماتزو روٹیاں بمشکل مل رہی ہیں، اس لئے جو کچھ مل گیا ہے اس پر شکر کرنا چاہیے۔

میں کرکے لوں گا، بوڑھا بولا۔ ایک ایک دانہ گن کر کھاؤں گا، اور آخری ٹکڑا دیکھنے اور چومنے کے لیے بچا رکھوں گا۔ خدا تو سب کچھ دیکھتا ہے۔

چند روٹیاں مل جانے پر بڑی خوشی سے بوڑھا... زیر زمین کار میں... ہوکر گھر کو چلا تو وہاں ایک اور یہودی سے اس کی مڈبھیڑ ہوگئی جس کا بازو سوکھا ہوا تھا۔ وہ دونوں... میں سرگوشیوں میں بات کرنے لگے۔ اجنبی نے اس تقریباً چوکور پیکٹ پر نظر ڈالی... بوڑھا... دیکھ... اور دھیمی آواز میں سرگوشی کی: ماتزو؟ بوڑھا آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور... بولا: خدا کی دین ہے۔... ملی کہاں سے؟ خدا نے دی۔... خدا کی دینے والا ہے، تو پھر مجھے کیوں نہیں دیتا۔ اجنبی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ میں بدنصیب ہوں۔ میرے رشتہ دار کلیولینڈ، امریکہ میں رہتے ہیں۔ انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ بہت عمدہ ماتزو روٹیوں کا ایک بڑا سا پیکٹ بھیجیں گے۔ مگر جب میں دفتر والوں سے پوچھنے گیا تو انھوں نے کہا کہ کوئی پیکٹ نہیں آیا۔ تم جانتے ہو کب پہنچے گا؟ وہ بڑبڑایا۔ جب تہوار کو دو ایک ہفتے گزر چکے ہوں گے۔ تب کیا مدد ہوگی؟

بوڑھے نے ادا سی سے سر ہلایا۔ اجنبی نے اپنے کار... ہاتھ سے اپنی آنکھیں پونچھیں اور اگلے اسٹاپ پر بہت سے دوسرے مسافروں کے ساتھ اتر گیا۔ جاتے ہوئے اس نے خدا حافظ کہنے تک کی زحمت نہ کی۔ جب بوڑھے کے اترنے کا وقت آیا تو اس نے اپنے پیروں کے بیچ میں نظر ڈالی جہاں بڑی احتیاط سے ماتزو روٹیوں کا پیکٹ رکھا تھا۔ وہاں کیا دھرا تھا۔ بس اس کے پیر تھے۔ بوڑھا یوں چلایا جیسے کسی نے ناخن سے اس کی پیٹھ کھرچ ڈالی ہو۔ اس نے دیوانگی سے پوری ٹرالی کار میں تلاش کیا اور اس چکر میں اپنے اسٹاپ سے بہت آگے نکل گیا، ایک ایک مسافر سے دریافت کیا، خاتون کنڈکٹر سے پوچھا ڈرائیور سے معلوم کیا، مگر کسی نے اس کا روٹیوں کا پیکٹ نہیں دیکھا تھا۔

تب اسے خیال آیا کہ سوکھے بازو والا اجنبی اس کی روٹیاں چرا کر بھاگا ہے۔

غم زدہ بوڑھے نے خود سے سوال کیا: کیا کوئی یہودی دوسرے یہودی کا قیمتی تبرک چرا سکتا ہے؟ یہ بات تو سکن معلوم نہیں ہوتی تھی۔ لیکن، اس نے سوچا، کسے معلوم اگر آدمی کے پاس تبرک کی روٹیاں

Scanned with CamScanner

[illegible] ہوں تو وہ نہیں حاصل کرنے کے لئے کیا کچھ کر سکتا ہے؟

[illegible] یہاں تک [illegible] بھی نہیں [illegible] کسی یہودی یا روسی کی [illegible] یہاں تک [illegible] موقع ملے تو [illegible] بوڑھے ربی تک کی روٹیاں چرا لینے میں عار نہ ہو۔

[illegible]

جیسے [illegible] سترہ برس کے ایک نوجوان نے [illegible] میں بھی جس کی خواہش [illegible] تھے [illegible] اسٹریٹ پر واقع عبادت گاہ [illegible] تک [illegible] تھا۔ اس کے پاس [illegible] ایک شال تھی [illegible] صورت دیکھتے ہوئے [illegible] داغ [illegible] اور چھوٹے [illegible] یہودیوں کے ہاتھ۔ جو شال [illegible] کی نگاہیں [illegible] رہے تھے۔ [illegible] میں چپکے [illegible] میں سے [illegible] نوجوانوں سے [illegible] گزر رہے تھے، خاص طور پر بڑی عمر کے یہودی، حالانکہ ان میں سے [illegible] عبادت [illegible] شال کی فکر بھی تھی [illegible] کے متواتر استعمال سے [illegible] تھی [illegible] دوسری شال حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ [illegible] سے آپس میں سرگوشیاں کیں، تاکہ انہیں کسی کی مخبری کا موقع ہاتھ آ سکے۔

[illegible] کی تسبیحوں کے [illegible] سے قریب جا کر شال کا معائنہ کیا [illegible] شال کہاں سے ملی؟ [illegible] سے سوال کیا گیا۔ [illegible] ایک مالدار یہودی دوست سے [illegible] ملی تھی۔ [illegible] کیوں نہیں رکھتے [illegible] تو یہودی ہو۔ ہو یا نہیں؟

[illegible] کا رضاکار بن کر [illegible] رہا ہوں اور مجھے شادی [illegible] کی ضرورت ہے۔ علاوہ [illegible] باقاعدہ طور پر [illegible] ہوں۔

[illegible] ایک جوان آدمی جو شال کے دمکتے سفید رنگ، اس رنگ کی گہرائی اور [illegible] سرگوشی میں [illegible] سے کہنے لگا کہ وہ اسے پانچ روبل میں خریدنے [illegible] اس کی بات [illegible] کے کانوں میں پڑ گئی اور وہ [illegible] شال خریدی [illegible] ثابت ہو۔ [illegible] کانوں والا یہودی فوراً رک گیا۔

[illegible] خوف زدہ ربی، جس نے عبادت گاہ سے نکلتے ہوئے کہانی کو چڑھتی اٹھتے دیکھ لیا تھا، [illegible] نے عبادت گزاروں سے فوراً دعا شروع کرنے کو کہا، اور نوجوان سے مخاطب

ہو کر بولا، یہاں سے چلے جاؤ۔ ہماری مصیبتیں پہلے ہی کون سی کم ہیں۔ ہم کس قدر پریشان ہیں، تم جانتے ہو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ہم پر مجرمانہ معاشی سرگرمی کا الزام لگے؟ یا عبادت گاہ کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں؟ سو ہم پر اور خود پر رحم کرو اور یہاں سے چلے جاؤ۔

عبادت گزار اندر چلے گئے۔ نوجوان سیڑھیوں پر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد پہلا سائل دروازے سے باہر آیا، وہ خمیدہ پشت آدمی تھا اور چلتے ہوئے کان میں روئی کا پھاہا ٹھونسے ہوئے تھا۔

دیکھو، وہ کہنے لگا، میں جانتا ہوں یہ مجبوری کی بات ہے۔ مگر دعا کی بھی ایک شان ہے۔ اور خدا کے بارے میں بندوں سے کوئی سوال نہیں کرے گا۔ میری بات مانو، اس سے پہلے کہ عبادت ختم ہو اور لوگ باہر آ جائیں۔

دس روبل دے دو اور شال لے لو، نوجوان بولا

کمائی ہے، اسے نیکی کی نظر سے دیکھو۔ میرے پاس فقط آٹھ روبل ہیں، مگر ذرا انتظار کرو تو دو روبل پیسے ادھار بستی سے لا کر دے سکتا ہوں۔

نوجوان صبر سے انتظار کرنے لگا۔ شام کا جھٹپٹا گہرا ہو چلا تھا۔ چند منٹ بعد ایک بڑی سی سیاہ گاڑی آ کر عبادت گاہ کے سامنے رکی اور دو پولیس والے اترے۔ نوجوان فوراً سمجھ گیا کہ کہانی نے اس کی شکایت کر دی ہے۔ اسے اور تو کچھ نہ سوجھا، بس فوراً شال اپنے سر پر ڈالی اور زور زور سے دعا پڑھنے لگا۔ اس نے نہایت رقت انگیز انداز میں دعا پڑھی۔ پولیس والے دعا پڑھنے والے کے پاس آنے سے جھجکے اور سیڑھیوں کے نیچے کھڑے دعا کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ پھر جب عبادت گزار باہر نکلے تو انہیں یقین نہ آیا کہ وہ نوجوان اس قدر خشوع و خضوع سے دعا پڑھ رہا ہے۔ اس کی آواز میں اس قدر سوز اور تڑپ تھی کہ ان کا دل موم ہو گیا۔ ممکن ہے واقعی اس کا باپ کچھ دن پہلے مرا ہو۔ سب لوگ متوجہ ہو کر سننے لگے، اور بہت سوں کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ نوجوان کی دعا کبھی ختم نہ ہو، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ دعا پوری ہوتے ہی اسے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا جائے گا۔

اندھیرا چھا گیا ہے۔ چاند دودھیا بادلوں کے پیچھے سے عبادت گاہ کے برج پر جھانکنے لگا ہے۔ نوجوان کی دعا مسلسل سنائی دے رہی ہے۔ عبادت گزار سڑک پر دم سادھے کھڑے سن رہے ہیں۔ دونوں پولیس والے بھی اب تک وہیں ہیں، اگرچہ دکھائی نہیں دے رہے۔ نوجوان بھی نظر نہیں آ رہا۔ رات کے اندھیرے میں فقط دعا کی شال کا سفید رنگ چمک رہا ہے۔

آرنلڈ لیبوف کی ترجمہ کی ہوئی چوتھی اور آخری کہانی ایک ادیب کے بارے میں ہے جو روسی باپ اور یہودی ماں کی اولاد ہے اور برسوں سے چھپ کر کہانیاں لکھ رہا ہے۔ لکھنے کی خواہش سے کم عمری سے تھی، لیکن چھپنے چھپانے کی جرأت نہ ہوئی -- کیوں کہ یہ بس قدر مشکل کا کام معلوم ہوتا تھا -- اس لیے اس نے ترجمے سے آغاز کیا، اور آخر ایک دن جب سنجیدگی اور مسرت کے ساتھ طبع زاد کہانیاں لکھنا شروع

Scanned with CamScanner

کیا تو میں یہ جان کر متاثر ہوا کہ اس کی بہت سی کہانیاں، تقریباً نصف کہانیاں، یہودیوں کے بارے میں ہیں۔

ایک ایسے شخص کے لیے جو خود نصف یہودی ہو، یہ تناسب معقول ہے، اس نے سوچا۔ باقی کہانیوں کے کردار روسی تھے جو اس کے ددھیالی عزیزوں سے مماثلت رکھتے تھے۔ "یہ بھی بات ہے کہ مجھے ایک سے زائد جگہوں سے خیالات سوجھتے ہیں،" اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ "اس طرح میں زندگی کے زیادہ رنگارنگ تجربات کو سمیٹ سکتا ہوں۔"

کئی برس لکھنے کے بعد اس نے اپنے یونیورسٹی کے دنوں کے ایک قابل اعتبار دوست وکٹور زوبرنوف کو، جو ایک مستند ادبی رسالے کے ایڈیٹروں میں شامل تھا، شائع کرنے کی غرض سے دینے کے لیے یہی کہانیوں کا ایک انتخاب دیا۔ جب اسے جواب میں ملتے ملتے ایک مختصر سا رقعہ ملا تو ایک صبح وہ بڑی اضطراب اور بے تابی سے انتظار کیے بغیر ایڈیٹر کے دفتر پہنچا۔ زوبرنوف، جو یہودیوں کی طرح ایک مصیبت زدہ شخص تھا -- اور مسرت سے عاری رہتا تھا کہ اس کی بیوی اس کی عزت نہیں کرتی -- اسے دیکھتے ہی بڑی گرمجوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے لپک کر دروازہ بند کیا اور کچھ دیر تک اس کی بے چینی سے کان لگا کے کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر اس نے تیزی سے اپنی میز کے قریب پہنچ کر جیب سے ایک چابی نکالی اور دراز میں سے مسودہ برآمد کیا۔ وہ بھاری جسم اور تھکے ہوئے چہرے والا آدمی تھا۔ اس کے دانت داغ دار اور آنکھیں تھکی ہوئی تھیں۔ اس نے مسودے کو بڑے عجیب سے انداز میں تھام رکھا تھا جیسے یہ ڈر ہو کہ وہ ابھی اچھل کر اس کے چہرے پر ڈنک مار دے گا۔

"تولیا، پلیز،" اس نے اپنا سر دروازے کے بالکل نزدیک لاتے ہوئے، دبی ہوئی آواز میں سرگوشی کی، "ان ہولناک کہانیوں کو واپس یہاں سے لے جاؤ۔"

"تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ تم اس قدر کانپ کیوں رہے ہو؟"

"اتنے بھولے مت بنو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو میری یہ حالت کیوں ہو رہی ہے۔ مجھے تو حیرت ہے کہ تم نے اتنی ٹیڑھی چیزیں چھپنے کو کیسے دے دیں۔ ایڈیٹر کے طور پر میری رائے یہ ہے کہ ان کا ادبی معیار مشتبہ ہے -- میں یہ نہیں کہوں گا کہ گھٹیا ہے، ایسی دوری کی بات ہے، تولیا -- لیکن کہانیوں کی حیثیت سے یہ ہمارے معاشرے کی حقیقت کی توہین کرتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے کہانیوں کے موضوع کے طور پر یہودیوں کا آخر کیوں انتخاب کیا۔ تم ان کے بارے میں جانتے ہی کیا ہو؟ تمہاری ثقافت کا تعلق یہودیت سے نہیں، روسیت سے ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے خاکوں سے ریاکاری کی بو آتی ہے اور تم پر یہود دشمنی کا بھی الزام لگ سکتا ہے۔"

اس نے اٹھ کر کھڑکی بند کی اور دوبارہ بیٹھنے سے پہلے ایک الماری کے پٹ کھول کر اس کے اندر جھانکا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھکانے پر ہے وکٹور؟ میری کہانیاں کسی بھی طرح یہود دشمن نہیں ہیں۔ اگر کسی

Scanned with CamScanner

نے انھیں سر کے بل کھڑے ہو کر پڑھا ہو تو اور بات ہے۔"

"اس کی صرف ایک منطقی توضیح ہو سکتی ہے،" ایڈیٹر بحث کرنے لگا۔ "میرے انتہائی ہمدردانہ تجزیے کی رو سے، جس کی بنیاد تم جیسے گویا نیک نہاد آدمی کے لیے رعایت پر ہے، یہ کہانیاں سوشلسٹ حقیقت نگاری کے منہ پر ایک طمانچہ ہیں اور ایک خطرناک رجحان کی -- بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ سخت لفظ استعمال کرنا چاہیے -- نشان دہی کرتی ہیں، یعنی سوویت مخالف جذبات کی۔ ممکن ہے تمھیں پوری طرح اس کا شعور نہ ہو -- میں جانتا ہوں کہانی کس طرح لکھنے والے کے ناک میں نکیل ڈال دیتی ہے۔ ایڈیٹر کی حیثیت سے مجھے ان چیزوں کا احساس کرنا پڑتا ہے۔ میں جانتا ہوں، تولیپا، تمھاری گفتگو سے مجھے معلوم ہے کہ تم ہمارے سوشلزم پر پورے خلوص سے یقین رکھتے ہو، میں تمھیں سوویت نظام کو بدنام کرنے کا قصوروار نہیں ٹھہرا رہا ہوں، لیکن دوسرے لوگ ایسا سوچ سکتے ہیں۔ بلکہ میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا ہی سوچیں گے۔ اگر اکتیابر کا کوئی ایڈیٹر تمھاری کہانیاں پڑھ لے تو یقین کرو تمھارا کریئر تباہ ہو جائے۔ ایک تو تم خود حفاظتی کے نارمل احساس سے بالکل بے بہرہ ہو، اور دوسری اور بے حد افسوس ناک بات یہ ہے کہ تمھیں بے گناہ راہ گیروں کو اپنی بدقسمتی میں ملوث کر لینے سے بھی کوئی عار نہیں۔ اگر یہ کہانیاں میری لکھی ہوئی ہوتیں تو میں انھیں لے کر تمھارے پاس کبھی نہ آتا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ ان کہانیوں کو ضائع کر دو، اس سے پہلے کہ یہ تمھیں ضائع کر دیں۔"

اس نے میز پر رکھا ہوا گلاس اٹھایا اور سخت پیاس کے عالم میں پانی پیا۔

"یہ تو میں مرتے دم تک نہیں کرنے والا،" ادیب نے غصے میں آ کر جواب دیا۔ "ان کہانیوں کا لہجہ یا نفسِ مضمون مختلف بھی ہو تو کم از کم ان کی روح وہی ہے جو اولیں سوویت ادیبوں کی تھی -- انقلاب کے فوراً بعد کی مسرور روحیں۔"

"میرا خیال ہے تم جانتے ہو ان مسرور روحوں کا کیا حشر ہوا۔"

ادیب کچھ دیر اسے تکتا رہا۔ "اچھا، مگر ان کہانیوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو یہودیوں کے تجربات کے بارے میں نہیں ہیں؟ ان میں کچھ کہانیاں روسی زندگی کے گھریلو پہلوؤں کے موضوع پر ہیں، مثلاً پنشن یافتہ باپ اور اس کے نادیدہ بیٹے کی کہانی۔ مجھے تو امید تھی کہ تم ان میں سے ایک آدھ کہانی اپنی ذاتی سفارش کے ساتھ نووی میر یا یونوست میں شائع کرنے کے لیے بھیجو گے۔ یہ بے ضرر خاکے ہیں اور انھیں عمدہ اسلوب میں لکھا گیا ہے۔"

"کم سے کم وہ تو نہیں جو دو طوائفوں کے بارے میں ہے،" ایڈیٹر بولا۔ "اس میں سماجی تنقید پوشیدہ ہے اور بے محابا فطرت پرستی پائی جاتی ہے۔"

"طوائفیں بھی تو سماجی زندگی گزارتی ہیں۔"

"گزارتی ہوں گی مگر میں اسے شائع تو نہیں کر سکتا۔ دیکھو تولیپا، میں تمھیں مشورہ دوں گا کہ اگر تم ہم سے ترجمے کا مزید کام حاصل کرنے کی توقع رکھتے ہو تو تمھیں اس مسودے سے فوری طور پر نجات حاصل کر

Scanned with CamScanner

لینی چاہیے تاکہ خود کو اور اپنے خاندان کو سنگین نتائج سے محفوظ رکھ سکو، اور اس اشاعتی ادارے کو بھی جس نے تمھیں ماضی میں اتنی وفاداری اور فیاضی سے روزگار فراہم کیا ہے۔

"چوں کہ یہ کہانیاں تم نے نہیں لکھی ہیں، اس لیے تمھیں خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، وکتور الیکساندرووچ،" ادیب سرد لہجے میں بولا۔

"میں ڈرپوک نہیں ہوں، اگر تمھارا اشارہ اس طرف ہے، اناتولی بورسووچ، لیکن اگر ایک ہیبت ناک انجن پٹریوں پر دوڑتا چلا آرہا ہو تو مجھے پتا ہے کہ چھلانگ لگا کر کس طرف ہٹنا چاہیے۔"

ادیب نے تیزی سے اپنے مسودے کے صفحات اکٹھے کیے، اپنے چمڑے کے بیگ میں انھیں ٹھونسا اور بس میں بیٹھ کر گھر واپس چلا گیا۔ اس کی بیوی ابھی اپنے کام پر سے نہیں لوٹی تھی۔ اس نے کہانیاں باہر نکالیں اور ایک کہانی کو پورا پڑھ کر اسے، ایک ایک صفحہ کر کے، باورچی خانے کے سنک میں رکھ کر جلا دیا۔

اس کا نو سالہ بیٹا جب اسکول سے واپس آیا تو کہنے لگا: "پاپا، آپ نے سنک میں کیا چیز جلائی ہے؟ وہ آگ جلانے کی جگہ تو نہیں ہے۔"

"میں اپنی راست گوئی کو جلا رہا ہوں،" ادیب بولا۔ پھر کہنے لگا: "اپنی صلاحیت کو، اپنے ورثے کو۔"

**

(Man in the Drawer : انگریزی عنوان)

ضمیر نیازی
کی معروف اور اہم کتاب

The Press in Chains

کا اردو ترجمہ

صحافت پابندِ سلاسل

مجلد ۳۷۵ صفحات   قیمت: سو روپے

محمد عمر میمن

گم شدہ خطوط

اور دیگر تراجم

میلان کنڈیرا، الیگزانڈر سولژے نتسن، ایمن مالوف،
لیلیٰ بعلبکی اور جولین بارنز کی افسانوی تحریروں کے ترجمے

مجلد ۱۷۶ صفحات   قیمت: اسّی روپے

Scanned with CamScanner

قیمت : اسّی روپے

تقسیم کار

مکتبۂ دانیال، صدر، کراچی
ٹامس اینڈ ٹامس، صدر، کراچی
ویلکم بک پورٹ، اردو بازار، کراچی
گورا پبلشرز، لوئر مال، لاہور
کلاسیک، شاہراہِ قائدِ اعظم، لاہور
فکشن ہاؤس، مزنگ، لاہور